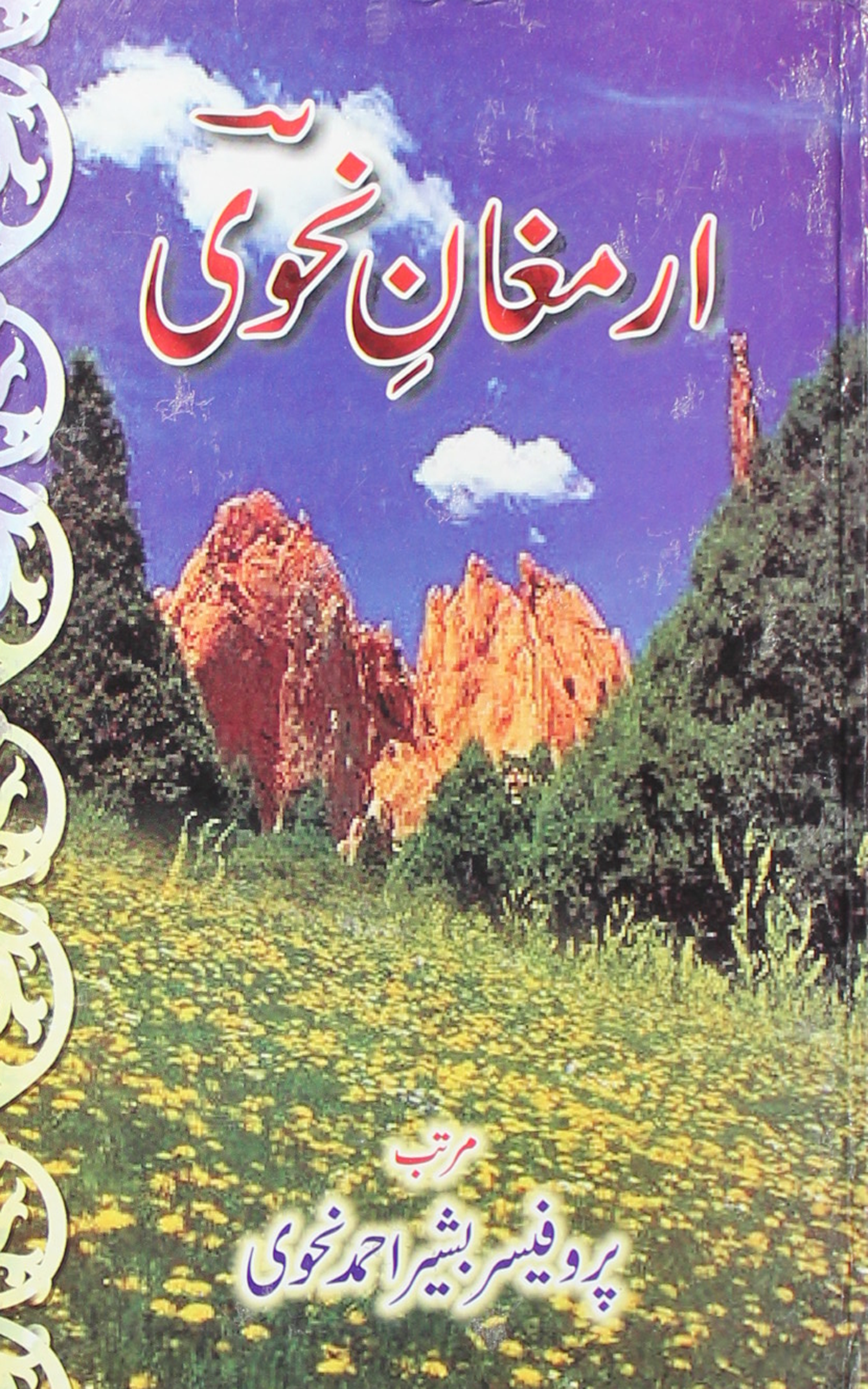
ارمغانِ نحوی



مرتب

پروفیسر بشیر احمد نحوی

Title [redacted]

Author [redacted]

Accession No. [redacted]

Call No. [redacted]

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

Title [redacted]

Author [redacted]

Accession No. [redacted]

Call No. 8 [redacted]

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

ارمغانِ نحوی

مرتّب

پروفیسر بشیر احمد نحوی

نام کتاب	:	ارمغانِ نحوی
مرتّب	:	پروفیسر بشیر احمد نحوی
سال اشاعت	:	۲۰۰۷ء
صفحات	:	
قیمت مُجلّد	:	-/۴۰۰ روپے
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	وین گارڈ موبائل: 9906492427, 2427066
مطبع	:	مخدومی پرنٹرس، سرینگر
ملنے کا پتہ	:	نحوی منزل، نیو کالونی روڈ، بجبہاڑہ کشمیر

انتساب

کشمیر کے سرکردہ مُحقّق، مُورّخ، شاعر اور اُستاد

جناب پروفیسر غُلام محمد شادؔ

کے نام

؎ دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

فہرست

☆☆☆☆

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

کشمیر میں اشاعتِ اسلام کے ساتھ ہی علم و ادب کے متنوع شعبوں میں باکمال شخصیّات نے اس خِطۂ گُل کے فطری حُسن کے ساتھ ساتھ اس کے داخلی اور رُوحانی جلال و جمال کو چار چاند بخشنے میں اپنا گراں قدر حصّہ ادا کیا ہے۔ حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانیؒ سے موجودہ عہد تک ہزاروں اولیاؔ و اتقیاؔ اور علما و شعراؔ نے وادیٔ کشمیر کے ذرّے ذرّے کو اپنی صفائی باطن سے ایسی شفافیت فراہم کی کہ اس کا اثر کفر و ضلالت کی تمام گمراہیوں کو ہر دور میں محو کرتی رہے گی اور عرفان و آگہی کے فانوس راہِ ہدایت کے متلاشیوں کو اپنی روشنی اور گرمی عطا کرتے رہیں گے۔

وطن میونوی جہانس منز چھ نامی
چُھ یتہِ کُوی میرؔ تہ محمودؔ گامی

چھ اکسر نادمس منز جمع گامتی
نظامیؔ، انوریؔ، سعدیؔ تہِ جامیؔ

قافلۂ رُشد و ہدایت، تبلیغ و اِشاعت اور دینی وادبی خدمت کی اس نورانی کہکشاں میں والدِ بزرگوار خواجہ غلام حسن نحویؔ اگرچہ تالیف وتصنیف کی کوئی بڑی تعداد اپنے پیچھے نہیں چھوڑ گئے، تاہم ہزاروں تشنگانِ علم اور راہ جُویانِ ہدایت کے لئے اپنی صلاحیتیں وقف کر چکے تھے۔ مکتب میں درس تدریس کے ماہ وسال ہوں، مدرسے میں تعلیم و تعلّم کے اوقات ہوں، شبینہ درسگاہ بابا محلّہ میں تفسیر قرآن کے لمحات ہوں، جامع مرہامہ اور مسجد جامع لتر میں جمعہ اور عیدین کے مواقع پر ہزاروں لوگوں کے سامنے خطابات و مواعِظ ہوں، غلام نبی ہمدانیؔ صاحب کی دکان پر عصری مجالس و درسِ حدیث ہو، اِنفرادی طور پر گیارہ ہزار طلبہ اور طالبات کو قرآنِ ناظرہ یا تفہیم عربی وفارسی ہو یا اپنی رہائش گاہ پر فنِ خطّاطی اور درسِ نظامی کا اہتمام ہو، والدِ مرحوم یہ سبھی ہفت خواں بڑے ذوق وشوق اور جذبۂ تبلیغ و ترسیل کے ساتھ طے کرتے رہے۔ بنی نوع انسان کی صلاحیتیں تین خانوں میں بانٹی جاسکتی ہیں۔ کچھ لوگ وہبی اور فطری طور پر بڑا ذہن لے کے پیدا ہوجاتے ہیں۔ چند اکتساب یا سعی و جہد سے بڑائی حاصل کر لیتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں، جن کے اُوپر بڑاپن ٹھونسا جاتا ہے۔ والدِ مکرم انسانوں کی جمعیت کے پہلے زمرے سے تعلق رکھتے تھے۔ طبیعت موزوں پائی تھی۔ حافظہ بے نظیر تھا۔ بولتے تو موتی رولتے تھے۔ لکھتے تو بڑے خطّاط عش عش کرتے تھے۔ چونکہ باصلاحیت لوگوں کی قدر ومنزلت ان کے جیتے جی کبھی نہیں ہو پائی ہے، یہی وجہ تھی کہ معاشی

پریشانیاں اعلیٰ حصولِ تعلیم کی راہ میں ان کے لیے مانع ثابت ہوئیں۔ بقول شاعر

یہ ہے میرے چہل سالہ تجربے کا ماحصل
مُفلسی ہر حال میں اک انتہائی جرم ہے

''ارمغانِ نحویؔ'' والدِ مکرم کے مختصر نعتیہ کلام، مثنوی خطاب بہ کشمیر (فارسی) اور چند متفرق تاثُراتی ومنظری نظموں کے علاوہ سرکردہ ادیبوں، دانشوروں اور دینی رہنماؤں کے مقالات وتاثرات کا مجموعہ ہے۔ میں نے اپنے مضمون میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ والد مرحوم نے کبھی بھی سنجیدگی کے ساتھ اپنی نثری یا منظوم تخلیقات کی نقل اپنے پاس محفوظ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے، اور مختلف مواقع پر تحریر شدہ نظمیں، فی البدیہہ اَشعار اور قطعات ورُباعیات کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا ہے۔ اسلام آباد کے معروف تعلیمی ادارے سنٹرل ہائی اسکول میں اپنے بِست سالہ قیام میں درجنوں تقاریب اور روزانہ ''فکرامروز'' کا اہتمام کرکے والد صاحب کے پاس ایک ضخیم کتاب موجود ہوتی، لیکن یہ سب کچھ ان کے لئے'' کاروبارِشوق'' اور ''تفننِ طبع'' تھا۔ ریڈیو، ٹی۔وی۔ اخبارات، رسائل وجرائد اور مشاعروں میں آجکل نشر ہونے اور چھپنے والے کلام کے 'معیار ومیزان' سے اہل علم اچھی طرح باخبر ہیں لیکن تیس سے

پنتیس ہزار فارسی، عربی اور اُردو اساتذہ کے اشعار کے حافظ کا نشری اداروں میں کتنا خیر مقدم ہوتا۔ لیکن مرحوم کبھی سستی شہرت اور مصنوعی مقبولیت کے روادار نہیں رہے۔ بہر حال اِدھر اُدھر تلاشِ بسیار کے بعد چند منقبتیں، نعتیں اور نظمیں دستیاب ہوئیں، جن کے علمی اور فنّی اسلوب سے اہلِ علم و دانش کو کافی خوشی ہوئی اور اُنہوں نے مادرِ علمی بجبہاڑہ کے اس فرزندِ ارجمند کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا۔

میں ملک کے نامور مُحقّق اور شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی کے سابق سربراہ پروفیسر عبد الحق صاحب کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے ''شعریاتِ نحویؔ'' کے عنوان سے ایک پُر مغز مضمون تحریر کیا۔ پروفیسر مرغوبؔ بانہالی، پروفیسر نسیم رفیع آبادی، پروفیسر شاد رمضان، پروفیسر اے۔ جی شاہ، سید رسل پانپر، جناب سید محمد فضل اللہ، ڈاکٹر سید مجید اندرابی اور ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی نے بہت عمدہ مقالات تحریر کئے، جن سے والدِ مکرم کی شاعری اور شخصیت کے گوناگوں پہلو سامنے آچکے ہیں۔ وادیٔ کے دو معروف مذہبی پیشواؤں مولانا سید محمد اشرف اندرابی اور مولانا غلام رسول امام نے اختصاراً اپنے تاثرات قلمبند فرمائے اور نعتِ مُصطفےٰ ﷺ کی اہمیت و معنویت واضح فرمائی۔ ارمغان میں والد صاحب کے کئی شاگردانِ رشید نے والد صاحب کی وفات پر گلہائے عقیدت کے طور اپنے تاثرات و پیغامات ارسال کئے اور اس طرح علم دوستی، ادب پروری اور اپنے استاد مرحوم سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔ میں ان تمام سر برآوردہ شخصیات کا تہہ دل سے

شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے والد صاحب کے فکر ونظر کو قابلِ اعتنا سمجھ کر اظہار رائے میں کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔

پروفیسر غلام محمد شادؔ (اللہ انہیں ہمیشہ شاد کام رکھے) بالخصوص شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تین طویل مضامین اور ایک منظوم نذرانۂ عقیدت اپنے اُستاد مکرم کے حضور میں سپردِ قلم کر کے حقِ شاگردی، علم دوستی، فراخدلی اور جوہر شناسی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ خطاب بہ کشمیر (فارسی مثنوی) کا نایاب مسودہ گذشتہ چالیس سال سے گرامی قدر شاد صاحب نے محفوظ رکھا تھا اور عینِ اس مرحلے پر جب راقم السطور ارمغانِ نحویؔ کی ترتیب وتدوین سے گذر رہا تھا کہ شاد صاحب نے متذکرہ مثنوی پر بیس صفحات کا ایک طویل مضمون ''دانشورِ یگانہ۔۔ استاد نحوی صاحب'' کے زیرِ عنوان مرحمت فرمایا۔ چونکہ ارمغان نحویؔ میں شاد صاحب کے تین رشحاتِ قلم شامل کئے گئے اس لئے مذکورہ طویل مضمون کو والد صاحب کی عربی میں تحریر کردہ کتابوں کے ترجمے اور دیگر متفرق مضامین کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ انشاءاللہ۔ والد صاحب کی مثنوی ''خطاب بہ کشمیر'' پر شاد صاحب اپنے اس مضمون میں رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''نحویؔ صاحب کی یہ مثنوی مختصر ہونے کے باوجود کشمیر کے فارسی شعر وادب میں ایک قابلِ قدر تخلیق ہے۔ سبک ہندی میں گذشتہ ایک صدی سے اس پایہ کی کوئی فارسی مثنوی راقم کی نظر سے نہیں گذری ہے۔''

آخر میں ان تمام مضمون نگاروں، دوستوں، والد صاحب کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض بنتا ہے، جنہوں نے ''ارمغانِ نحویؔ'' ترتیب دینے کے مراحل پر میری ہمت افزائی کی اور مجھے نیک مشوروں سے نوازتے رہے۔ ڈاکٹر غلام رسول جان صاحب سینئر ریڈر سنٹرل ایشین اسٹڈیز کشمیر یونیورسٹی کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ اُنہوں نے والد صاحب کی مثنوی خطاب بہ کشمیر (فارسی) کا آسان اُردو ترجمہ کیا۔ یہ کتاب خالص جذبۂ محبتِ خُدا اور عشق رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت تحریر و ترتیب دی گئی اور آنے والی نسلوں کے لیے اَسلاف کے چھوڑے ہوئے نقوش کی یاد تازہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔

وَاللّٰہُ المُستَعانُ عَلیٰ مَا تَصِفُون

تحریر: یکم ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

بمطابق ۲۰ مارچ ۲۰۰۷ء

خاکِ پائے والدِ گرامی

پروفیسر بشیر احمد نحویؔ

حصۂ اوّل

گوشۂ منظومات

نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ذات چائی محسنِ اولادِ آدم یا رسولؐ
چائہ ستئن رونق بزمِ دو عالم یا رسولؐ

چائی نورن آدمِ خاکی نژادس دیُت شرف
جو ہرِ نُوری ملک لتس روٗدی سَر خم یا رسولؐ

پُورِ عمرانس تمنّا اُمّتی چونے بُنن
چائہ میلاڈک مبشّر ابنِ مریمؑ یا رسولؐ

خِلعت لَولاک وۆ لنے سالہِ ییٚلہِ نیو نکھ حقن
کھول تَم مینارِ عرشس چون پَرچم یا رسولؐ

زیبِ تن چھُن جامہٖ کوٚ رمت چانہِ ہجرانہٕ سیاہ
کعبہٕ اوٚش ہاراں بہ شکلِ آبِ زمزم یا رسولؐ

بے سرو ساماں یواں یلہِ یاد گژھہٕ رأژن اندر
خوابِ نازس رٕخنہٕ پاواں اُمتکُ غم یا رسولؐ

لا علا جن رحمتکُ دارُالشفاء در بار چون
گیٔ بلِتھ چھو کہٕ دأوی دل کوٚ رتھک ژ بے مرہم یا رسولؐ

پایہِ بڈِ نحویؔ چھُ چانے رحمتچ اُمید ہیتھ
ضایعِ متہٕ کرتَس دلچ ستھ کیاہ گرژھی کم یا رسولؐ

نعتِ رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم

حمدِ بے حد رکردگارس یا رسولِ ہاشمی ﷺ
تیمی تھز ر دیتنے وقارس یا رسولِ ہاشمی ﷺ

نامِ نامی چانہِ گوو دیوانِ ہستی ابتدا
مرحبا ژیّے نامدارس یا رسولِ ہاشمی ﷺ

مُو قلم ترآوتھِ مُصوِّر لولہِ سان مشتاق گوو
پانہٕ پننس شاہکارس یا رسولِ ہاشمی ﷺ

چانہِ ستی گوو آدمس غم دوٗر نوٗحن لوٚب نجات
پھلی خلیلس پوش نارس یارسولِ ہاشمی ﷺ

تاوژوّل مُشکیو وگُل بیٹہِ پھیر چمنس تازگی
آ وو لُسن نو بہارس یا رسول ہاشمیؐ

زیرِ در ناموسِ اکبر بر بُراقِ برق سیر
انبیاؑ وُچھ انتظارس یا رسول ہاشمیؐ

تتھ مُلاقاتس وناں معراج اہلِ معرفت
محو یتہِ گوو یار یارس یارسولِ ہاشمیؐ

ٹاٹھی پننی بو ونَدَے تمِنے یمو کوّر ہے وفا
چانی لُولن کھالی دارس یارسولِ ہاشمیؐ

آیتن ییمی مال وجان تھاوِتھ کراں ایماں قبول
مرحبا تس یارِ غارسؓ یا رسولِ ہاشمیؐ

جامع قرآن، رفیقِ خُلد ذی النوّرس خطاب
پاڑ لگہوس شرمدارس یارسولِ ہاشمی

لَا فَتیٰ اِلاّ عَلِی لا سَیُفَ اِلاّ ذُوالْفِقَار
آفریں دولدل سوارس یارسول ہاشمیؐ

یتھ طفانس منز نجاتچ ناوچانی اہلبیتؑ
واتناواں چھم کِنارس یا رسول ہاشمیؐ

دُون جہانن نحو یِسؔ کافی چھ اکھ لطفچ نظر
بیہ ییس یاون اَمارس یارسول ہاشمیؐ

نعت

محبوب مکّی مرحبا چُھے خلقِ عظیمس
مرغوب چُونے ہر ادا معبودِ کریمس

دسلابہٕ سے عدلگ سبق بوٗوُتھ ژہٕ جہانس
ییٚلہِ ڈٕچھنٕ طرفےٚ شیر کوٚ رُتھ نوش حلیمسؔ

بدلیوس دُنیا آس اُچھن گاش فدا گوو
دستِ دُعا بر سینہٕ تھو وُتھ یام غنیمس

وُچھ طائفی وَفدن تھنز مہمان نوآزی
دُشمن تہ لگٕی دِنہِ داد چآئٕنس لطفِ عمیمس

ہیتھ آکھ حَرَمَس عفِوِ عاپچ ڈاٗلی لَا تشریب
فاتح بٔنِتھ بخشتھ شرف کعبس تہٕ حطیٖمس

اَستاد حق آسُن آیُت لوح و قلم چُھے
تھوٚد درجہِ دیُتنَے درسِ ادب دُرِّ یتیٖمس

کُس سنگِ اَسودِ تھاوِ کعبس بعدِ عمارت
اوٚنز رُتھ یہٕ اکھ بوٚڈ نیاے بہٕ لگی عقلِ سلیٖمس

اعجازِ چانے اوٚسۍ و خزرٖج شیٖر و شکر گئے
ناکام سازش گئے پتو شیطانِ رجیٖمس

فِضہَس چُھ مُشکٕنۍ دار نحوٖی ٹوٗر پھٗلتھ آئے
سُلہِ، ماچھے اُکمرٕ طِیبہٖ منز وَتھ بادِ نسیٖمس

نعتِ سیدُ الکونینؐ

شیرِتھ تہٕ پرتھ ناز نیں جانانہٕ بناوُن
اکہٕ جلوٕہ لتس پَتھ عالماہ دیوانہٕ بناوُن

تمی رچھتھ چھا عالمس منز بیاکھ مثالاہ
دارالاماں یم پورِ حربن خانہٕ بناون

ژٹ رودٕ قطرو جاے ییٚلہِ تتھ گاشہ صدرس منز
پرٛتھ اکھ تمن منز گوہرِ یکدانہٕ بناوُن

جامِ محبت نوش کرنک دم دِون والین
تہنزے اطاعت لولکیٚ پیمانہٕ بناون

ینہ ءنحوین ژارتس اَچھرن

تمی نعت گوئَ محشرُک سامانہ ءبناون



نعتِ سیّدالثّقلین صلی اللہ علیہ وسلم

عقل دربانِ سیّدُ الثّقلین
جان قربانِ سیّدُ الثّقلین

چُھ نہ بعد از خدا بیٚس حاصل
عظمت و شانِ سیّدُ الثّقلین

مرسلن منز صدارتچ کُرسی
بس چھِ شایانِ سیّدُ الثّقلین

انبیاۓ اولیاۓ رٹتھ بَر سر
بارِ احسانِ سیّدُ الثّقلین

روزِ محشر نیین پنۂ سأری
زیرِ دامانِ سیّدُ الثّقلین

ڈألی فردوس تھو ومت چُھ حقن
بہر خاصانِ سیّدُ الثّقلین

جنّتن منز بڈُ روۂ علُیا
نعت خوانانِ سیّد الثّقلین

زنٛدٕ ہ روزاں مرِتھ تہِ در عالم
قدر دانانِ سیّد الثّقلین

پرٛدٕ ہ پوشِ اُمم لقب موزون
فیضِ دامانِ سیّد الثّقلین

نعتِ خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم

مدنی نگار ۂ ذاتن کیاہ تھۆد مقام دیُتنَے
حدِ رؤس جمال دیُتنَے بے نُقطہِ نام دیُتنے

زیرِ ردائے رحمت چھو وپر ۂ پوشِ اُمّت
ویرے خطابِ عظمت خیرُ الانام دیُتنے

اد ۂ زژانڈ ژج مکانس، ییتھ تیرہ خاکدانس
بدلیوو رُوخ زمانس ییٚلہِ نوو نظام دیُتنَے

عرضی کرِتھ نہائی قبلچ بدل نشائی
مرضی یہ اَس چائی بیتُ الحرام دیُتنے

کریشاں کلیمؑ برطور اکہِ قطرۂ دادِ مجبوٗر
عرفانۂ ئُے ژ بھر پوٗر تنہا سۂ جام دِیُتنَے

شقُّ القمر سۂ اعجاز، نوٚن از مدینہ گوٗو راز
حق الیقین با عزاز دِنِس دوام دِیُتنَے

دستور بہر اُمّت قرآن تاقیامت
منظور شُکر نعمت ماہِ صیام دِیُتنَے

فکرِ جہان ترأوتھ نحوؔیؔ اُمید تھاؤتھ
ذکرِ نبیؐ ژ بے بُووتھ موزوں کلام دِیُتنَے

نعتِ خواجهٔ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

ڀِيو ته جلوه ڊِيو لا علاج دآدی بَلَن
مزاج بدلهِ زمانس ته پرآئی داغ ڙلن

ٽُلو نقبِ يمآنی بهار ڀِيه چمنن
نظر کرِو ته خزاں ديدِ لوله باغ پهوَلَن

وتِهو ته سروِ سِهی پابه گل گرڻهن روٗزِتھ
ٻهو ته تازه چمن برٔگ برٔگ غازه مَلَن

تهِٔو قدم بزمیںٗ بُو قُبيسؔ لبه تسکينِ
کهسِيوَ به عرشِ بريںٗ زنته نو رَواق اَلَن

وُچھِتھ سُہ مہرِ صباحت نہمان مہہِ کنعان
کرِو کلامِ بلاغت کلیم ہوشہِ ڈلن

کرشمہٕ تُہندِ خیالُک سُراقہٕ بنہِ کسرٲے
نگاہ لعلِ بد خشاں بنا وِہ آرِ پلَن

مَلو لُعاب قتادسؔ اچھن ییس بیٚہِ گاش
تُلو اگر سیٚکہِ موٗڑھ تہٕ دشمنن حواس ڈلَن

کرِو نگاہِ عنایت چھُ بس تِتےٚ درکار
سیاہ نامہٕ نحویؔ بہ آبِ عفو چھلن

نعتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

سروندۓ ژبے نازنینس یا محمد مصطفیٰؐ
وَالقمر روشن جبینس یا محمد مصطفیٰؐ

تاجدآری کائناتس پیٹھ عطا کرئے حقن
لاج ژے تھاؤتھ یقینس یا محمد مصطفیٰؐ

جامہ کعبن وۆل سیہہ، تس زمزمُک اۆش دھارِ پۆک
یام ہوُوتھ موکھ مدینس یا محمد مصطفیٰؐ

گۓ ملک حاآراں وُچھتھ ییٚلہِ مُرسَلو کۆر اِقتدا
ژے اِمامُ المتقینس یا محمد مصطفیٰؐ

آو دستورِ خلافت ملک و دینک اِمتزاج
ناو مسجد پیٚو زمینس یا محمد مصطفےٰؐ

بادشاہن نامہ سوٗزُتھ تھامہِ گوٚو شخصی نظام
ناو گوٚو اِمداد دینس یا محمد مصطفےٰؐ

کینہٕ ور پرویزٕنؔ ییٚلہِ نامہٕ چوٗنٕے پارٕ کوٚر
سینہٕ چوٗر کھ لتس کمینس، یا محمد مصطفےٰؐ

بوٗش وولتھ قیصرٕسؔ بستر بنوٗتھ بوٗریا
ہوٗش ڈوٚل فغفورِ چینسؔ یا محمد مصطفےٰؐ

پیٚو پرن سہہ ناو بوزِتھ کارٕ نوٚمرِتھ روٗدلس
گوٚد سوٗاری دتھ سفینسؓ یا محمد مصطفےٰؐ

ہوش رووُمت نحویؔ خاموش فریادی بَنتھ
گوش تھوی توس دل حزینس یا محمد مصطفےٰؐ



نعتِ شہسوار بدر ﷺ

جلوہ نے دِیتمُت سرِ ارباب ہوش آسہِ ہے
کر فروزاں ماہ و انجم مہرِ روشن آسہِ ہے

چشمہٕ کرزانہہ ڈینشہِ ہن یتھ زندگی ہندزیوٹھ خواب
ووتمت کر کاف و نُو ٹک نوکتہٕ گوشن آسہِ ہے

نازنیں سیرِ چمنگ نےَ دلس ہِیہ ہے خیال
بوش حُسنس کر نزاکت ییٚژ پوشن آسہِ ہے

ییٚژ ٹُک ساقی اگر نے چاوِ ہے جامِ رحیق
کرِیہِ مستی معرفتہ کِہن بادہ نوشن آسہِ ہے

نیرِ ہے نَے بأطلس بُتھِ پانۂ بدرکؔ شہسوار
حق پرستی ہُندادا کتہِ سرفروشن آسہِ ہے

عظمتِ انسانیت وُنہِ آسہِ ہے پوشیدہ راز
بوسۂ نے تہنزن وَتن دیتمتُ سروشن آسہِ ہے

علم و حکمت باوِ ہے نے عالمس اُمّی لقب
زان کتہِ تہند ببۂ چی خانۂ بدوشن آسہِ ہے

آسہِ ہے لَا تَرفَعُوٗا نَے ربّۂ سُند حکم ادب
لب کشائی ہنز جسارت لب خموشن آسہِ ہے

مُصطفیٰ ؐ یوٗ د نعت خوانن منز تمس کرِہ ہے شمار
خوش نصیبی پننہِ پٹھ نحوؔی تہِ توشن آسہِ ہے

نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مصطفیٰ قائدِ زمان و مکان
مقتدائے پیمبرانِ جہان

پاسدارِ حقیقتِ ابدی
شہسوارِ منازلِ عرفان

شد زفیضِ ولادتش ظاہر
منتخب مکّہ از ہمہ بُلدان

روح شد شاد از توسُّل او
نوح آزاد گشت از طوفان

توشہ گیر فصاحتش ہارون
خوشہ چینِ بلاغتش سُحبان

سر بلندے کہ درسِ دیں آموخت
در دبستانِ علَّم القرآن

بزم افروزِ کارگاہِ حیات
عزم آموزِ فاتحانِ جہان

نعتِ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم

یا نبیؐ لولہِ تَب مبہ چھُمنہِ ہَمن
زولنَم دُورِ رَن دُلک ِخر من

نازنینا چھپے اکھ نظر کائفی
تازہ گڑھ ہن خزاں رسیدہ چمن

مشک بُو چانہِ گیئے معطّر باغ
رشکِ جنت بنَے یہِ کوہ ودَمن

وڑد اَچھو لولہِ چانہِ مثلِ سحاب
تھوڑ د تُلوْ نا نقابِ بُردِ یمن

لولہٖ چانے چھِ یم کھساں دارس
دولتس گُن ضمیر چُھکنہٖ برمن

ٹاٹھی چھِم چائنی تِم سیٹھکلی صحراو
ٹارِہ ما چِھم گھساں مبہٖ گنگ وجمن



نعتِ میرِ حجاز صلی اللہ علیہ وسلم

حجازی لالہ ءِییہ نا سالہِ اِمشب
کرس ءِنبرزَلَن بو مالن اِمشب

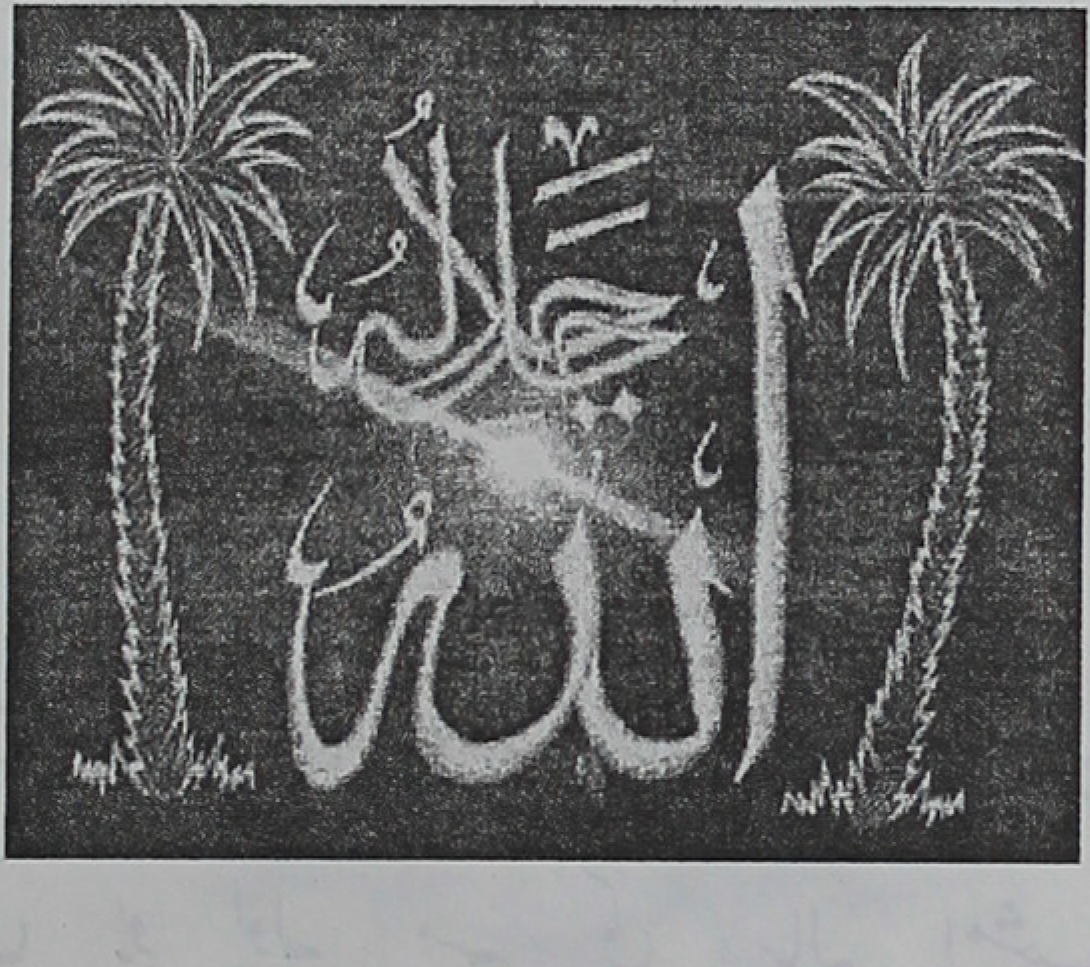
مسہِ لتس پراران لوءِسم یا و ءِنڑ دوہ
تُسندُورر بُو کوتاہ ژالہِ اِمشب

یِوال کتہِ تام چھُم خوشبوٗ دماغس
نیِوال دل میون ہر ننہِ ژھالہِ اِمشب

کرس ٹاچھن اچھن منز پوشہِ ورشُن
بَرس بو لولہِ مسہِ کی پیالہِ اِمشب

مدن وارن مبہ کورٗنم سُور جگرس
بدن چھُم شعلۂ جوالہ امشب

ستارن راوِہ نۄندٕرزۄنہِ لگہِ گرون
اَمارن ہُند بو تھاوَس ہالہِ امشب



نعتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

خُدااین کائناتس پٹھ عطا کرَ نے ژبے سلطانی
ژبے اَدِبأوتھ شُتربَانن رموزِ سلطنت رانی

اونتھ نوٗرِ ہدایت آدمیت اَس وتۂ رأمژ
یہ احساں چون نکھ وألتھ ہیکیٚاہ زاہ نوعِ انسانی

اُولُوالعزمن ہِند ے سردار ہمتہ ٔستؠ بوٗٹھ لأجتھ
زمانچ ناو گأمژ اَس نذرِ موجِ طوفانی

پتھر پیٚنے رنگ ونسلک اَسۍ یم دیوار مصنوعی
گُنے گیٚہ حبشی و رُومی، عرب ہندی تہ ایرأنی

سرُودِ نغمہ توحیدِ ذاتِ کبریا بوُزِتھ
کنن ڈُل ٹھرٔ تہٕ دل گییہ محرمِ اَسرارِ پنہانی

ز آدم تا مسیحا پرٛتھ نبی پننس زمانس منز
کراں گاۓمتی بامر حق ادا چاۓنی ثنا خوانی

یہ مانُن پیوٚو زمانس اوس فیضانِ نظر چوٗنی
عیاں گوٚو زورِ حیدرؓ فقر بوذرؓ صِدقِ سلمانیؓ

کرتھ بیٚیہ زندٕ پاوکھ یاد چھونوی پاک انفاسو
جہانس اٚس یم گاۓمتی مِشتھ اَقدار روٗحانی

بیاں نعتِ نبیؐ کرنٕک اوٚنتھ کتہٕ نٕحو یاہ طاقت
نہ چھُے علماہ نہ کانہہ عملاہ، یہ گوٚو تائیدِ یزدانی

نعتِ صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم

ذِی شانِ بطحاؑ داعئ ممتاز وَنسنا
مہمانِ اَسرے ربّہٖ سند ہمراز وَنسنا

سیٔکہِ سون ییٛنوو یہنزِ نظرِ کہٛن لعل و جواہر
مازَاغ چشمن ہُند مو لُل اعجاز و نسنا

ییٚتہِ حُسنِ ازل پیکرِ نوری بنِتھ نوٚن دراو
تتھ کائناتچہِ عملہِ ہُند آغاز و نسنا

ییٚتہِ جبرئیلس پَر دزن تمہٕ جایہ سبٹھاہ دوٗر
پرواز کرنس عرشکۍ شہباز و نسنا

لیس اُدُنُ مِــنِّــی یَـا حَبِیبِــی تورگوو آلو
یہ چُھ امتیاؔزی طُرہ اَتھ اعزاز و نسنا

بینہ سوزہ تمۍ سندِ رگ حیاتچ تار ربابس
مِضراب دلُک نغمۂ لوُلُک ساز و نسنا

انسانِ کاؔمل رُت نمونہ چُھس خدا شاہد
خُلقِ عظیمک دل کُشا انداز و نسنا

بَــلَــغَ اَلُــعُــلٰـی ییمۍ لولہ گُلن مال بنووُن
نحوؔی تمس بُوبلبلِ شیرآز و نسنا

نورِ رحمانی

جشن میلادؐ عید لا ثانی
جلوہ زن آو نورِ رحمانی
رونق افزایِ بزمِ امکانی

جلوہ زن آو نورِ رحمانی

کائناتک فضا چُھ محوِ سرور
آو ییٚلہِ نجمِ احمدی بہ ظہوٗر
ملک و ملکوت اوس پرٲرانی

جلوہ زن آو نورِ رحمانی

پیوو جہانس فروغِ صبح امید
گوو ہُویدا رسا لنگ خورشید
دراو نوّن از جبالِ فارانی

جلوہ زن آو نورِ رحمانی

پوُر گوو وعدہ خُدائے جلیل
تھوو منظور تمیٔ دعائے خلیلؑ
خوشخبر از مسیحِ عمرانی

جلوہ زن آو نورِ رحمانی

گوو بدل دوُرِ آلِ اسرائیل
برگزیدہ زوُلدِ اسمٰعیل
رونقِ دُودمانِ عدنانیٔ

جلوہ زن آو نوُرِ رحمانی

بڼہِ لوٚگ امن و آتشی ہُند سنز
کوہسارن تہٕ ریگزارن منز
ہیتھ مساواتِ نسلِ انسأنی
جلوٕہ زن آو نوٗرِ رحمأنی

دراو تعبیر خوابِ مُطَّلَبی
دورگوو اِضطرابِ تشنہٕ لبی
پوٗر برسیوو ابرِ نیسأنی
جلوٕہ زن آو نوٗرِ رحمأنی

بُت پرستی پھٹ سپُن تردید
فاش گوو رازِ کلمہٗ توحید
عام گوو جذبہٗ خُدا دأنی
جلوٕہ زن آو نوٗرِ رحمأنی

قصرِ کسریٰ تمیک ژو داہ کنگر
بر زمیں پیّے مدانیسؔ اندر
ژھبۂ گوو نارِ جبرِ ایرائنی
جلوہ زن آو نوٗرِ رحمائنی

بے زبان جانور وحوٗش و طیوٗر
آیہ بر نُطق از کمالِ سروٗر
کعبۂ ساجِد بہ شکرِ یزدائنی
جلوہ زن آو نوٗرِ رحمائنی

زاو یہِّلہِ فضل ورحمتُک مطلب
آو فَـلْـیَـفْـرَحُـوا ندا ازرب
باو دلسے رموٗز فُرقائنی
جلوہ زن آو نوٗرِ رحمائنی

تس ثنا خواں چُھ کردگارِ عظیم
مومن ہستی سُے رؤف و رحیم
عام و خاصن تسنز، مہربانی
جلوہ زن آو نوٗرِ رحمانی

نحوؔیا یوٗد سکونِ دل ژاڑکھ
با رضا وَتھ مدینہ چی گارکھ
کاسہِ ہی غم تہٕ بیٚیہ پریشانی
جلوہ زن آو نوٗرِ رحمانی

ثنائے نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم

دل و عقل و نگہہ پر نقش ہے اس نور مجسم کا
صفت جس نور لاثانی کی ہے والشّمس والضحٰا

اسی تخلیق نے خالق کی عظمت کو جِلا بخشی
یہ وہ تصویر ہے جس پر مصوّر بھی ہوا شیدا

خودی کی سربلندی ہے عیاں اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ سے
قیادت کے لئے ہر دور میں وہ ذات ہے زیبا

نہ کیوں ہو آج انساں گامزن ماہ و ثریّا پر
شبِ معراج نے کھولی ہے راہِ عالمِ بالا

ادب سے عرش بھی اس دَر پہ اپنا سر جھکاتا ہے
''نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا'' ۱؎

بجا اقبالؔ کا وہ جذبۂ جوشِ عقیدت ہے
کہ جس سے آپ نے وصفِ محمدؐ میں یہ فرمایا

''نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طاہا'' ۲؎

۱؎ یہ مصرعہ عزت بخاری کی ایک نعت سے ماخوذ ہے۔

۲؎ یہ شعر علامہ اقبالؔ کی ایک تصنیف بال جبرئیل سے لیا گیا ہے۔

بہارِ خارِ مُغلیانِ وادیٔ بطحا
مراخوش است ز گلزارِ جَنَّۃُ الْمَاویٰ

زمامِ ہوش زد ستم ربود اشہبِ شوق
حمام خانۂ رنگیں بر اَوجِ عرش پرید

فروغِ صبح ازل از صباحتِ رویش
سوادِ شامِ ابد تارِ عنبریں مویش

ذکرِ خلیل الرحمان علیہ السلام

از چُھ تمۍ سُند دوہ دلس منز یاد پاو
با ادب یَس ناو ابراہیمؑ آو

از چُھ تمۍ سُند دوہ تیمٚس رأضی جلیل
پاک ذاتن یس لقب تھوٗن خلیلؑ

نعرہ تیمۍ دیُت لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِین
تیمۍ پرن وَجَّھْتُ وَجْھِی بالیقین

واحد القہار سُند یس اوس بیم
سُے تمِس نِشہِ آو با قلب سِلیم

تیٚمی نۂ مہمانس سوا افطار کوٚر
شانِ وحدت پوٗر تیٚمی اظہار کوٚر

بائطلس یہندِ عزمہ ہستن ہوش ڈلی
نارِ نمرودس رنگا رنگ پوش پھلی

ہوٚل گنڈِتھ یُس دراو ہتھ دِیْنچ عَلَم
رہنما پیغمبرن تیٚمی سُند قدم

لاٗے تیٚمی ووڈھ بے خطر نارس اندر
تیٚمی بنو وُن کعبہ کنہِ آرس اندر

یُس چھُ جدِّ رَحمَۃ''لِلعٰلَمِین
مُقتدائے اولین و آخرین

رَبّ ہَــب لِــیٛ تیمی موٗنگُن کمہٕ گُل پھٔلِس
بوٗز تمی صدّقتَ سأری غمہٕ ژٔلِس

سینہٕ دارن مشکلن پوٗز وَتھ سٔرِن
قربِ حق ژھوٗرُن تہٕ قوٗربأنی کرِن

پیر مرداہ ٹوٗٹھ یوٗد تس خانہٕ مول
تہند کھوٗتَن ربہٕ ہُند تس زیادٕ لول

ذبح اسماعیل ییٚلہِ تس امر آو
حُبّ غیرُ اللّٰہ ماتَس برونٛٹھ آو

شورِ محشر گوو بپا اندر فلک
حأرَس منز گے بوٗڈِتھ سأری ملک

یا اِلاہی گو و یہٕ بے شک کامیاب
کیاہ دیکھ اَتھ مخٕتس اَنہندِس ثواب

گوو ندا ہاقُدسیو رُوزِ و گواہ
تا ابد بس گوو یوہَے ملت پناہ

آخر ینن منز میہٕ تھو وُس احترام
تا قیامت روزِ لوکن ہُند امام

سلامِ بحضورِ امام عالی مقام علیہ السلام

السّلام اے شہسوارِ کربلا
السّلام اے تاجدارِ کربلا

السّلام اے سروِ بُستانِ رسولؐ
السّلام اے راحتِ جانِ بتولؑ

السّلام اے بوسہ گاہِ مصطفےٰؐ
السّلام اے نورِ چشمِ مرتضیٰؓ

السّلام اے پیکرِ صبرو رضا
السّلام اے رہبرِ راہِ ہُدیٰ

السّلام اے تشنہ کامِ ارجمند
السّلام اے مبتلائے قید و بند

السّلام اے پاسدارِ انقلاب
السّلام اے جانشینِ بُو تُرابؓ

السّلام اے سرفروشِ بے بدل
السّلام اے ناصرِ خیرُ الملل

السّلام اے سیّدِ روشن ضمیر
السّلام اے بے کساں را دستگیر

السّلام اے معنئ ذِبحِ عظیم
السّلام اے مَعدنِ لُطفِ عمیم

نذرانۂ عقیدت بحضور حضرت خواجہ معین الدین چستیؒ

خواجہ اجمیر میرے جسم و جاں میں آپ ہیں
مرکزِ حق الیقین سارے جہاں میں آپ ہیں

نغمہ سنج معرفت کون و مکاں میں آپ ہیں
نائبِ ختم الرسُل ہندوستاں میں آپ ہیں

گا رہا ہوں گیت تیرا اک نئے انداز میں
راز کی تاثیر مضمر ہے تیری آواز میں

سوز، وحدت کا ہے پوشیدہ تمہارے ساز میں
نائب ختم الرسل ہندوستان میں آپ ہیں

چشتؔ سے آکر سنایا ہندؔ میں پیغام دیں
بے بہا قربانیوں سے ہوگئے ثابت معیں

آپ نے واضح کیا اپنے عمل سے بالیقیں
اسوۂ پاکِ جنابِ رحمت للعلمینؐ

راہِ حق میں آپ کا اخلاص ہے روشن دلیل
اس صنم خانے سے گذرے آپ مانندِ خلیل

سرزمینِ کاشغرؔ سے تاحدودِ رودِ نیلؔ
سالکوں کے قافلے میں کون ہے تیرا عدیل

راہ حق میں گھر لٹانا آپ کا دستور تھا
فیضِ باطن سے تیرا قلب و نظر معمور تھا

سامنے تیری نگاہوں کے فروغ طورؔ تھا
پیر کاملؒ کو ترا آنا یہاں منظور تھا

لَیلۃُ القدرس کرم اُمیدوار

یا الٰہی چھوک ژِ میانوی غمگسار
لَیلۃُ القدرس کرم اُمیدوار

ناتوانی میانہِ پیٹھ تیی نے ژِ عار
لَیلۃُ القدرس کرم اُمیدوار

ہائے یژھ ساں ماہِ رمضاں دوٗر نہ مے
وائے یژھ سان پاک قرآں پُر نہ مے

حال پتُوی باوِکس رُودم نۂ وار
لَیلۃُ القدرس کرم اُمیدوار

نفسِ امّارن بُو کرنس پائمال
زال لاگت پوونس وُڈلنم میے نال

کِینہ وَرشیطان چھوم سینس سوار
لَیلتہُ القدرس کرم اُمیدوار

زندگانی راورم اندر گناہ
نوجَوانی غفلتس منز گئی تباہ

زیوٹھ منزل چھُم تہٕ چندس چھمنہٕ ہار
لَیلتہُ القدرس کرم اُمیدوار

قبرِ ہُندوی کریوٹھ چھُم برونہہ کُن سفر
ییٚر گامژ ناو طُوفانس اندر

تھامہِ گو وُمُت چھُس دِیم کُس ناوِ تار
لَیلتُہ القدرس کرم اُمیدوار

وَتھ میہ راوم لُوس دوہ آوارٕ گوس
یتھ وَتے منز بے سروسامانہٕ پیوس

سَتھ دِلس چھَم، آغہ چھُم بڈٕ نامدار
لَیلتُہ القدرس کرم اُمیدوار

آخرت پٹوٗی کرم پانے خراب
واحُد القہارسی دمہٕ کیا جواب

حدٕ روستی وڈٕ نا بدکرمیہ کار
لَیلتُہ القدرس کرم اُمیدوار

چَھم ندامت دوٗد پٹوٗی باوِکس
گوس بوٗتھ پھیور ماجہِ مالس مُرشدس

پنجہ مژرت رنزٕ نووم جاندار
لَیلتہُ القدرس کرم اُمیدوار

باغ وَیران کئت گئے میانیو اَتھو
شیشہٕ دل کئیت پھُٹ میانیو اَتھو

خشمہ کی دیون گُرس بے اختیار
لَیلتہُ القدرس کرم اُمیدوار

یوٗ دمیہ یمہٕ شبہ آغہٕ اکھ نظراہ کرم
موٗ دمُت چھُس قُمْ بِاِذْنِ اللہ پرم

ساس ریتھ لبۂ آسہہ یُد شب زندٕ دار
لَیلتُہ القدرس کرم اُمیدوار

روز حاضر تھندسی منز خدمتس
بختہ بڈسی کیاہ گرٛھس کم رحمتس

بُوز ناوُم خوشخبر چھوک رستگار
لَیلتُہ القدرس کرم اُمیدوار

آش چھم عرشس کھسن رٕت ساتھ میانی
گاش لبہِ یمہِ عمرِ ہنز گٹہٕ راتھ میانی

کاش ییہ نا دڈونس بیہ نَو بہار
لَیلتُہ القدرس کرم اُمیدوار

ماہِ رمضان از میہ چھُم رخصت ہیوان
کیاہ سنا دِییہ میون ربّس نشی بیان

گراو یُد کرِ چھُم میہ تِلی کیاہ اعتبار
لَیلتُ القدرس کرم اُمیدوار



مرحبا ماہِ مبارک

روز قائم اے مُسلماں در دعا
مرحبا، ماہِ مبارک مرحبا

بوز ارشادِ محمد مصطفےٰؐ
مرحبا ماہِ مبارک مرحبا

عمر منز آسان غنیمت چھُوی ییہ ریتھ
سیت پانس گرژھتہ رُت سامانہ ہیتھ

تھاو پڑھ حاصل گرژھی فضل و عطا
مرحبا ماہِ مبارک مرحبا

روزداری چھی فرشتن ہُندِ نشان
روزدارس حق تعالیٰ مہربان

وقتِ افطارن کرانی چھُس ندا
مرحبا ماہِ مبارک مرحبا



سون حال

رخصت ہیوُنہِ ٹاڈھی مہمانئے
ماہِ رمضانی وُچھتہ سُون حال

گراوسانی ینہٕ کرکھ پیش رحمانے
ماہِ رمضانے وُچھتہ سون حال

چانہِ ینہٕ کیٛتھ کُر شادیانی
کہنہ گیہ زانت زن پامال

وُچھ یلہِ نیکو چون تھُد شانی
وتہٕ نی چھکہ ہی مہر تہٕ لال

لوله سأت کُرہے جان قربانی
ماہِ رمضانی وُچھ تۂ سون حال

رحمتکی نبینٛ کُر اعلانی
لیلۃُ القدرُک استقبال

ربہٕ میانی امت چھَم ناتوانی
ماہِ رمضانی وچھتہٕ سون حال

دنیا ہٕک آرام چھُونہٕ پُوشانی
آدمس کیوتھ یہ چُھ مکرک زال

یتہٕ گے ساری اتھ ہاوانی
ماہِ رمضانی وچھتہٕ سون حال

کامیاب سوٗی یم گُر سامانی
خرچوٗن یلہِ دولت تۂ مال

یم وُٹ موٗڈھ تس رود ارمانی
ماہ رمضانی وچھتہ سون حال

آرام طلبی یم کر پانٔی
غفلت سی منز رود یڑ کال

ناد آس آخر گوو پشیمانی
ماہِ رمضانی وچھتہ سون حال

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا چھُ قرآنی
بس روزِ باقی ذاتِ ذُوالجلال

یتہِ یورنیسؔ رٹہٖ دامانی
ماہِ رمضانی وپھتہ سون حال

عاشقو چانہِ ینہٖ گُور شادیانی
رالتس دوہس رود خوشحال

نیرنہٖ چانہِ چھکھ چشمہ گریانی
ماہِ رمضانی وپھتہ سون حال

ماہِ رمضانس الوداع

یہ چھا رُخصت مہہِ رمضانہٕ سانے
گرٕ ھک کوٚت پایہِ بڈِ مہمانہٕ سانے

قسم چھُے مخشرکہِ سامانہٕ سانے
گرٕ ھک کوٚت پایہِ بڈِ مہمانہ سانے

دلس آسٕ ستھ تہٕ جانس مای چانی
وجودس ہوش روحس زندگانی

جُدائی کیاہ زرَو جانانہ سانے
گرٕ ھک کوٚت پایہِ بڈِ مہمانہ سانے

یَہے تَھر چھَم میہ ہنہِ ہنہِ مُشتِ خاکس
گرٛھت اسی نِش ونکھ کیاہ پاک ذاتس

مشتھ ییٚ اسّ گرٛھوی نُورانہٕ سانے
گرٛھک کوٚت پایہِ بڈِ مہمانہٕ سانے

چھُ ازداغ جُدائی روزٕ دارن
دِوانی ونی وَتَن چانن چھِ گارن

چھوکن مَہلامہ تہٕ درمانہٕ سانے
گرٛھک کوٚت پایہِ بڈِ مہمانہ سانے

فِراقاہ عاشقن قرآن خوانن
تمن یم قدر چانی پُورٕ زانن

دواں آلوٚ ڑٕکن اَرمانۂ سانے
گرڑھک کوٚت پاپۂ بڈٕ مہمانہ سانے

تیِ کتھ کیاہ فکرِ ترَ کم عقل خامس
چُھ کوتاہ قدر و قیمت ییتھ صیامس

نجاتکی رحمتکی پروانۂ سانے
گرڑھک کوٚت پاپۂ بڈٕ مہمانہ سانے

شب معراج

شب معراج جبرئیلِ امین
چُھے جلودارِ سیّدُ الکونینؐ

تا اَبد نو بہار باغ بلاغ
تازہ گلزارِ سیّدُ الکونینؐ

پوُرِ مریم حوارین باوان
شانِ انصارِ سیّدُ الکونینؐ

شبِ اَسریٰ براہِ اَوادنیٰ
تیز رفتارِ سیّدُ الکونینؐ

زہد و تقویٰ کمالِ صبر و رضا
صوم و افطارِ سیّدُ الکونینؐ

قدُسین ستےٍ پانہٖ اسرافیل
غاشیہ دارِ سیّدُ الکونینؐ

یادِ حق زان یوؔد بہٖ شوق پرکھ
ذکر و اذکارِ سیّدُ الکونینؐ

پاک کرِ نحویسؔ خطا کارس
بحرِ ذخّارِ سیّدُ الکونینؐ

شبِ برات

مرحَبا اَز چُھہ نا بَرا تُک شب
عاصین کُیت یوہَے نجاتُک شب

رات دوہ یم چھ در دُعا مشغوٗل
اَز چَھپے عرضی تِہنز گڑھان قبوٗل

پانہ ءِ موٗلیٰ دِوان چُھ بندن ناد
پَرِٕ ھ والیٖن چُھ از کراں امداد

چھا گونہگار کانہہ کریم فریاد
مغفرت بو کرس گرن آزاد

تنگ دستا چُھ ما گومُت مجبوٗر
رزق منگنم کرس بہ سختی دوٗر

دأ دی لد مُبتلا چُھ ما در غم
عافیت بو عطا کرس یکدم



حضرت ابوالفقراً بابا نصیب الدین غازیؒ [1]

غم زُدا ایں بارگہہ ہر سائل محروم را
ناز بر ایں مردِ کامل خاکیؒ و مخدومؒ را

اعتقادِ راستاں بر علم و بر کردار او
حامئ دین متیں ہم داد را مظلوم را

زندہ دل نعمانؒ ثانی، صاحبِ فقرِ غیور
وانمائے رازِ وحدت اُمّت ِ مرحوم را

یادِ ایں سنگیں عمارت چار دہ صد چار دہ
یار بادا رحمتِ حق، ہر زا ئرِ مغموم را

---

[1] حضرت بابا نصیب الدینؒ کم عمری سے ہی ریاضتوں اور اولیاء اللہ کی صحبتوں میں مشغول رہے

اور اکثر رفقاء پر سبقت پائی۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری مشہور فارسی تاریخ واقعاتِ کشمیر میں حضرت نصیب الدینؒ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

"آپ ایک باعمل عالم تھے۔ اور اہل علم کے قدر دان۔ مسکین لوگ آپ کی طرف بہت رجوع کرتے تھے۔ اپنے زمانے میں غریبوں اور بے چاروں کی جائے پناہ اور مرجع تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام سے اکثر صحبت رہتی تھی۔ مریدوں نے اپنے اس مرشد سے طئی مکان اور تصرف موجودات کا مشاہدہ کیا۔ آپ رشد و ہدایت کے لئے اکثر پرگنوں اور دیہات میں جایا کرتے تھے اور ہر جگہ مسجدیں بنانے اور شرعی احکام کو جاری کرنے کا کام انجام دیتے تھے۔ اواخر میں آپؒ نے قصداً شہر میں آکر وقت کے تمام مشائخ اور درویشوں سے ملاقات کی اور فرمایا کہ شاید پھر سے آنا اور ملاقات کرنا ممکن نہ ہو۔ شہر سے نکل کر بجبہاڑہ چلے گئے اور وہیں پر رحلت فرمائی۔ شہر کے لوگوں اور خلفاء نے چاہا کہ حضرت مخدومؒ کے جوار میں دفن کریں، لیکن بجبہاڑہ کے لوگ غالب آگئے۔ سال ۱۰۴۷ھ میں محرم کی ۱۴ تاریخ کو آپکی وفات ہوئی۔ "وَھُوَ خَیرُ الصَّالِحِین" سے آپ کے شاگرد مولانا ملّا حیدر چرخی نے تاریخ نکالی۔



بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ حمّامِ ثانی رازیؒ
حبِ میلادِ سرورِ تازیﷺ

وقت بنیاد زد ندا ہاتف
یاد کن درج مسجدِ غازیؒ

سنگ بنیاد تعمیر جدید مسجد و حمام غازیؒ

دوشنبہ ۱۴/۱/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

مطابق ماہ جولائی ۱۹۹۶ء

نظر نواز و دل آرا بصورتِ گلزار
حمام و رفعتِ مینارِ مسجد بازار

وحید، روزِ بنا، ہست از مہِ پنجم
یسارِ ساحل جہلم زیارتِ فنکار

تاریخ سنگِ بنیاد تعمیر جدید مسجد بازار بجبھاڑہ

روز شنبہ ۲۸ جمادی الاوّل ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۶ء

نزولِ امَـــنَ بِـــا لـلـــه درقرآن تحریر
حُصول خدِمتِ مسجد اصُولِ خیرِ کثیر

وُصولِ ہشتم ماہِ رجب بہ یکشنبہ
یقینِ عزم مسلماں بقا ازیں تعمیر

۸رجب المرجب ۱۴۰۵ھ
مسجد شریف نیو کالونی بجبہاڑہ

خواہرم

خواہرم اَز پرسمت معیوب نیست
بہر زن بے پردہ بودن خوب نیست

گرچہ از مشرق بر آید آفتاب
با تجلّی ہائے شوخ و بے حجاب

باز خواہی رفت چوں سوئے وطن
گوئی از کشمیریانِ ناتمام

بر مزار سعدیؔ و حافظؔ سلام [1]

---

[1] یہ چند اشعار ایک گمشدہ طویل فارسی نظم ''مکالمہ مابین خواہر ایران و برادر کشمیر'' سے یادواش

بناء پر درج کئے جاتے ہیں۔ایک ایرانی خاتون فرخ دیبا فارسی ریفرشر کورس کے سلسلے میں بی۔ایڈ کالج میں کشمیر کے فارسی اساتذہ کو پڑھانے کے لئے ایران سے تشریف لائی تھی۔ایران میں رضا شاہی دور تھا اور خواتین جدیدیت کے نام پر بے پردہ گھوم پھر رہی تھیں۔والد صاحب نے کورس کے آخری دن الوداعی تقریب میں ایک نظم پڑھی تھی اور ایران و کشمیر کے قدیم تہذیبی ولسانی رشتے کو ابھارا تھا۔مرحوم صادق صاحب نے اسی جلسے میں والد مرحوم کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ایران بھیجنے کی ترغیب دی تھی۔

رک گیا میرا قلم!

لکھتے لکھتے کیا خبر کیوں رک گیا میرا قلم
ماتمی دھن سی بجی کیوں؟ کیوں بجا یہ سازِ غم

ہاں الم انگیز لائی ہے خبر بادِ صبا
شعبۂ تعلیم کا ہے سرنگوں جس سے علَم

وہ شریف الدین اندرابی ہمارے ہمسفر
ہوگئے ہیں وا دریغا راہیٔ ملکِ عدم

جس کے حُسن خلق سے دل ہو رہے تھے باغ باغ
صبح محشر تک جدا ہم سے ہوئے وہ صبحدم

دل ہمارے سوگوار آنکھیں ہماری اشکبار
فرطِ ماتم سے ہماری گردنیں ہیں آج خم

دل کی دھڑکن گو بڑھاتی ہے حسیں یادوں کی موج
آخرت کی یاد سے ثابت ہیں مومن کے قدم

اس طلسم رنگ و بُو پر دل لگانا چھوڑ دے
نحوؔیا رنگیں دھوکہ ہے جہانِ بیش و کم

---

[1] شریف الدین اندرابی مرحوم سنٹرل ہائی اسکول اسلام آباد میں میرے والد کے ہم پیشہ وہم عصر تھے۔ بڑے ہی خلیق اور سیادت وشرافت کی قدروں سے آراستہ تھے۔ والد صاحب نے ان کی وفات پر یہ چند اشعار قلمبند کئے تھے اور اسکول میں منعقد تعزیتی اجلاس میں سنائے تھے۔

اہرہ بل

زانہٕ دۓ کوت کاًل گوس
تَم دِنٛگ مأ خیاًل پیوٚس

زنتہٕ مَلُرن اندر وُپِٕنتھ
وِگنہ وَنہٕ ونوٚ گرٛھاًن شرپِٕنتھ

نقشِ حیاًت مستِقل
محوِ نظّارہ اہلِ دِل

جوش نغمک چھوٚ دلنواز
ہوشدارن وناًں چھوٚ رأز

حُسنِ ازل چھوؙ آشکار
نظرِہ توئے چھۂ بیقرآر

فطرتک تآزہ شآہکار
اہرہ بلک یۓ آبشار



گذرتی ہے جوانی

درِ دولت پہ تیرے ایک سائل ایسا آیا ہے
جسے جوہر شناسی نے تیری یاں کھینچ لایا ہے

سخن فہم و سخنور ہے مگر بے طالع و بے زر
تخیُّل عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر

ہوئی حاصل نہ جسکو کامرانی اپنے مطلب میں
گذرتی ہے جوانی جسکی اک پرائیویٹ مکتب میں

مگر امید ہے اے طرہ دار ہمت عالی
نہ جائے آج یہ سائل ترے دربار سے خالی [1]

---

[1] نوٹ:۔ والد صاحب نے کئی سال ایک پرائیویٹ مکتب میں بحیثیت استاد کے گذارے

ہیں۔ مرحوم بخشی غلام محمد وزیر اعظم سے مستقل سرکاری ملازمت کے لئے ان کے پرائیویٹ آفس میں ملنے گئے۔ بخشی مرحوم سے جب انہوں نے یہ کہا کہ میں عربی، فارسی، اُردو اور کشمیری چار زبانوں میں یکساں دسترس کے ساتھ شعر کہہ سکتا ہوں تو علم دوست اور جوہر شناس وزیر اعظم نے انہیں اپنی عرضی برجستہ نظم میں کہنے کی ہدایت کی۔ والد صاحب نے ۱۶ اشعار پر وزیر اعظم کے آفس کے لان میں خوبصورت خط میں ایک منظوم عرضی تحریر کی جو والد صاحب کے ریکارڈ میں کہیں درج نہیں تھی۔ نظم کے چار اشعار ایک دفعہ انہوں نے سنائے۔ جو میرے حافظے میں محفوظ ہو گئے۔ بخشی صاحب نے علم دوستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے والد صاحب کو ریڈیو کشمیر میں کام کرنے کی پیشکش کی تھی۔ لیکن گھریلو مسائل کے سبب والد صاحب ٹیچر پوسٹ پر بضد رہے۔ چنانچہ وزیر اعظم نے اُس وقت کے ناظم تعلیمات کو انہیں بحیثیت اُستاد تعینات کرانے کے احکامات دئے۔

شبِ تار کا اک سہانا سماں تھا
لبِ چشم تھا اور آب رواں تھا

مری فکر تب روح کو لے اڑائی
کہ تاریخ عالم کی مجلس دکھائی

آشوبِ زمانہ

مُڈٔ چھُنۂ کانہہ ییٔتۂ چوبۂ ہتھاہ رَٹۂ
گُنہِ پاٸٹھی ترآوِتھ لاگہِ اَذاناہ

چَھم مبہ ترُ کھِس اکھ کتھ ییتِہ باؤنی
گو نماتَن منز یئُن چھُ بہاناہ

گام ستہٕ مو قدم ستیٚ مبہ اوسُم
ییٚلہِ انصافس کاژٕ تمبرپیٚیے

واڈ ستہٕ ڈوٗنٛی گُل توٚتی تمی نیو
نحقَے نیا ییٚک روٗد فسانہ

ووٰنی مبہ عباِسس چھے ژ ٕدور نگی

نبٖر ژ نیجبر اندر گو لأ بٖ

دوٓ پنم کتھ چھُکھ یم کتھ ٕآندران

وٗتم کس چھُے کُن ایماناہ

میاٸنی سیٸہ تسبیح چھَے ژ ازرِونی

یونس پننس چیرِ کرٸتھ تھَف

لۓ چھَم لوسان وچھِنہ گُن از

مایہ بۆرُت کانٛہہ پۆز انساناہ

نحوٓی مژرس چائٖنس گاٹلي

زانہِ خُدا کیاہ معنہِ چھِ ژاران

نتہٖ چھا کم پیٚتہِ یِر وِنی گاٮٔمژ

بٚلہٖ وُز نوٗوٗک نوو طوٗفاناہ

کشمیر یا باغ سلیمانی

مبارک چھُے ژٕ بے اے کشمیر اے باغِ سلیمانی

ژٕ بے منز بالحنِ داوٗدی عنادل آے بولانی

ہٕہ کتہٕ انٕہٕ لفظ کرٕ تشریح چانن ناو کٮ۪ن حرفن

دیٚتُھ سمیٚس ژٕ بے پرٕ تھ وِزٕ اِتحادُک درس لافانی

شکوۂ زمانہ

مٹہِ بھائگی آو خدایا زمانہ ناہموار
نہ رؤد پَتھ ژَلنَس نہ برونٹھ پکنَس وار

یہ کُمی وؤنُم زِخدا ہاوِنے بدن ہُند بُتھ
بجان و دل اَدِہ زانکھ ژٕے قدرِ نیکو کار

نَہ رؤد شرم و حیا پأری زان ماے تٕہ لول
نَہ کانسہِ اتھٕ شہلاون نہ یُن اکار بکار

مرزا عارفؔ بیگ

زبرفِ موے سرش گرمیٔ شباب پدید [1]
اگر چہ عمر بہ ہشتاد و چار سال رسید

گماں مبر کہ نحوؔی قصیدہ خواں باشد
کہ اعترافِ عمل را جہاں کند تائید

---

[1] مرزا عارف کشمیری زبان کے کہنہ شاعر گزرے ہیں۔ وہ ریڈیو کشمیر اور محکمہ سریکلچر سے عمر بھر وابستہ رہے لیکن کشمیری زبان و ادب کے فروغ اور اقبالیات سے انکی گہری دلچسپی ادبی حلقوں میں ان کے احترام کو دوبالا کرتی تھی۔ عارف صاحب جب چوراسی سال کی عمر کو پہنچے تو انہوں نے اپنے اسکول نیو کانونٹ گوگجی باغ میں ایک ادبی تقریب کا انعقاد کیا۔ تقریب کی صدارت کشمیر یونیورسٹی کے اس وقت کے وائس چانسلر پروفیسر حامدی کاشمیریؔ نے انجام دی۔ عارف صاحب مرحوم نے والد صاحب کو اس موقع پر کچھ لکھنے کی تحریری استدعا کی تھی، چنانچہ والد صاحب مرحوم نے فارسی میں ایک نظم تحریر کی، جس میں عارف صاحب کی ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ یہ نظم بھی ریکارڈ میں موجود نہیں۔ سوائے اوپر کے دو شعر جو راقم کے حافظے میں اتفاقاً محفوظ ہو گئے تھے والد صاحب بذاتِ خود تقریب میں شامل نہیں ہوئے، تاہم وہ نظم مجھ سے تقریب میں پڑھوائی گئی۔ مُرتّب

مثنوی خطاب بہ کشمیر

آفریں اے سرزمینِ کاشمیر
تاجِ تہذیبان و ایرانِ صغیر

اے کشمیر کی سرزمین تجھ پر آفرین ہو۔ تو تہذیبوں کا تاج اور ایرانِ صغیر ہو۔

جاوِداں اے گلشنِ گیتی نواز
سرزمینِ ایشیا را بر تو ناز

اے دنیا کو لُبھانے والے دائمی باغ۔ ایشیا کی سرزمین تجھ پر ناز کرتی ہے۔

مشرق از حُسنِ نگاہت سربلند
گشتہ مغرب از فیوضت بہرہ مند

تیری خوبیٔ نگاہ سے مشرق سربلند ہے۔ تمہارے فیوض سے مغرب بہرہ مند ہے۔

خوانِ نعمت بہرِ عالمؑ ذاتِ پاک
گُسترانیدہ ز تُو برفرشِ خاک

ذات پاک نے دنیا کے لئے نعمت کا دستر خوان۔ روئے زمین پر تجھ سے ہی بچھوادیا ہے۔

منظرت سرمایۂ لُطفِ ازل
نوعِ انساں یافتہ نِعُم البَدل
تیرا منظر ازل کی مہربانی کا سرمایہ ہے انسان نے تیرے توسُّط سے بہترین بدلہ پایا ہے۔

گر بہارت بُو البشر نِگریستے
از فراقِ خُلد کے بِگر یستے
اگر حضرت آدمؑ تمہاری بہار کو دیکھ لیتے تو وہ جنت کی جدائی میں کیوں رو لیتے۔

اللہ اللہ خوبیٔ لیل و نہار

درچمن ہائے تو وقتِ نَو بہار

بہار آتے ہی تمہارے باغوں کے صبح و شام کی عمدگی قابل تعریف وتوصیف ہے۔

از شبِ تارت سوادِ زُلف حور

وز نَہارت بر فلک اُفتادہ نُور

تیری کالی رات سے حور کے زلفوں کی سیاہی قائم ہے تمہارے دن کی روشنی سے فلک پر نور کی بارش ہے۔

قدرِ تُو اہلِ نظر بِشناختند

چشم ہا در راہِ تُو انداختند

اہل نظر تمہاری قدر ومنزلت کو پہچان گئے ہیں لہٰذا تمہاری راہ میں اپنی آنکھیں بچھاتے ہیں۔

دُرِّ مِدحت حضرتِ عُرفیؔ چہ سُفت
درثنایت ہر چہ گفت و راست گفت

حضرت عرفیؔ نے تمہاری تعریف میں کیا ہی موتی پرویا ہے تیری تعریف میں جو کچھ کہا ہے سچ ہی کہا ہے۔

سوختہ جاں گررسد مرغِ کباب
درفضایت بال وپَر یابد شتاب

جلا بھُنا ہوا پرندہ کباب بن کر تیری فضا میں نئے بال و پر لیکر اُڑے گا۔

بہرِ غور و فکر ہر فرزانۂ
ہستی از قدرت عجائب خانۂ

ہر ایک عاقل غور و فکر کی خاطر قدرت کی طرف سے ایک عجائب خانہ ہے۔

خیمہ ات را کار پردازِ حیات
ہر طرف آویخت سرمائی قنات

تیری چادر کو زندگی کے منتظم نے ہر طرف سے پردہ بنا کے لٹکایا ہے۔

بر زمیں نقشے چنیں زیرِ فلک
کو کبے نشنیدہ نادیدہ ملک

آسمان کے نیچے زمین پر ایک ایسا نقش ہے جسکے بارے میں کسی ستارہ نے نہ کچھ سنا ہے اور نہ ہی کسی ملک نے کچھ دیکھا ہے۔

از کمالِ شہرت و محبوبیت
یُمن و راحت پنج وصفِ خوبیت

بے پناہ شہرت اور محبوبیت فیض و برکت اور راحت کے یہ ہیں پانچ وصف

کز نخُستین روز دادارِ عزیز
ساخت نامت مجمعِ ایں پنج چیز

خالقِ ہستی نے روزِ اول کو تمہارا نام ان پانچ چیزوں سے بنایا۔

عالمے را سوئے تو تسخیر شُد
نامِ تو از دلکشی کشمیر شُد

ایک دنیا تیری جانب مسخر ہوئی اور دلکشی کے سبب تیرا نام کشمیر پڑا۔

سیرِ ہر باغت سبق آموزِ ما
رہ نُمائے دولتِ نَو روزِ ما

ہر باغ کی سیر ہمارے لئے سبق آموز ہے ہر نیا دن ہمارے لئے رہنمائے دولت ہے۔

دل رُبا گُسترده از مخمل بساط
باغِ شالامآر و ہم باغِ نشآط

ایک دلکش مخملی بساط بچھائی ہے شالیمار باغ اور باغِ نشاط نے۔

وصفِ کوہسارت رَوَاشی شَامخات
زینت دریا جَوَارُالمنشآت

تیرے کوہسار کی خوبی تیرے بلند و بالا پہاڑوں میں ہے دریا کی زینت تیرے پیدائشی گھرے اور بھرے پانی میں ہے

صحت افزا سایۂ باغِ چنار
لُطفِ طُوبیٰ در ہوائے بید زار

چنار باغ صحت افزا ہے بیدزار کی ہوا طوبیٰ کا لطف دیتی ہے

چون دمِ عیسیٰؑ نسیمت جانفزا
زندگی حاصل زآبت خِضر را

تیری جانفزا ہوا دمِ عیسیٰ کی مانند ہے حضرت خضرؑ کو تیرے پانی سے زندگی حاصل ہے۔

زعفران زارت حسین و نازنین
زرنگاری کرد بردیبائے چیٖن

تیرے زعفران زار حسین اور نازنین ہیں دیبائے چین پر زر دُوزی کئے ہوئے ہیں۔

شانِ فطرت آبشارِ اہرہ بل
رشکِ تسنیمِ بہشتی جھیل ڈل

اہرہ بل کا آبشار فطرت کی شان ہے جھیل ڈل بہشت کی نہر تسنیم کے لئے باعثِ رشک ہے۔

بدر از آبِ وُلر آئینہ یافت
عکس بر پیغولۂ اَمواجِ تافت

چودھویں کے چاند نے جھیل وُلر کے پانی سے روشنی پائی لہروں کے گوشہ پر منعکس ہوگیا۔

بہرِ تو ہر مرغکے کردہ سوال
دور یارب باد! چشمِ بدسگال

تیرے لئے ہر پرندہ یہ سوال کر بیٹھا خُدا تجھے ہر کمینہ کی نظر بد سے محفوظ رکھے۔

ذکر ہُدہُد جاں فزائد بامداد
ازصفیرِ طائراں دل گشتہ شاد

صبح سویرے ہدہد کا ذکر زندگی میں تازگی ڈالتا ہے پرندوں کی چہچہاہٹ سے دل خوش ہوتا ہے۔

نغمۂ غوکاں زآبِ کشت زار
ارغنوں زن ہر صدائے جوئے بار

مینڈکوں کا نغمہ کھیتی کے پانے سے جھرنے کی ہر صدا باجا بجاتی ہے۔

شورِ کبکاں بر قُدومِ نوبہار
انقلاب آرد برسمِ مرغزار

نوبہار کے آنے پر چکوروں کا شور مرغزار کے طریقے پر انقلاب بپا کرتی۔

در چمن آزادئ لبلاب بین
با فروغِ کرمک شب تاب بین

چمن میں عشق پیچان کے بیل کی آزادی دیکھ رات کو چمکانے والے جگنو کی چمک بھی دیکھ۔

ہست از تابانیِ صِدق و صفا
آشیاں افروز مرغِ بے نوا

صدق وصفا کے نور سے بے نوا بلبل کا آشیاں چمک اٹھا ہے۔

چُوں زَمَرُّد گلستانت سبز پوش
در بہاراں ہر درختے گُل فروش

تیرا باغ زمرد کی مانند سبز پوش ہے بہاروں کے موسم میں ہر ایک درخت گل فروش ہے۔

بر کنارِ سبزہ زاراں ہر طرف
رُستہ نسرین و ضمیراں ہر طرف

ہر طرف سبزہ زار کے کنارے پر نسرین وضمیران کے پھول کھل اُٹھے ہیں۔

اَشکِ شبنم بر رُخ ہر لالۂ
خالِ مشکیں داغ، یا تبخالۂ

ہر گل لالہ کے چہرے پر شبنم کے قطرے سیاہ تل کا داغ لئے ہوئے یا کہ چھوٹے چھوٹے آئینے ہیں۔

از تپِ اُو تشنہ گردد نونہال
باغباں ریزد براُو آبِ زُلال

اُسکی گرمی سے نونہال تاؤ کھاتا ہے باغبان اُس پر صاف وشفاف پانی ڈال دیتا ہے۔

یا زبالا ساقیش گرد سحاب
باز آرد باغ را عہدِ شباب

یا یہ کہ اوپر سے ساقی بادل بن کر باغ کو اپنے جوبن پر دوبارہ لاتا ہے۔

زندگی بخشد گُل پژ مردہ را
دل نوازد بلبلِ آزردہ را

ادھ مرے پھول کو زندگی بخش دیتا ہے رنجیدہ بلبل کو تسلی دیتا ہے۔

برسرت دُربارئے ابرِ مُطیر
سود مندو گہہ بود امرِ خطیر

تیرے سر پر برسنے والے بادل جو موتی برساتے ہیں وہ فائدہ منداور کبھی پُر خطر ثابت ہوتے ہیں۔

از جنوں جہلم شود دراضطراب
کف بہ لب' پابستہ در زنجیرِ آب

جنون کے مارے دریائے جہلم پیچ وتاب کھاتا ہے اُسکے کناروں پر جھاگ اور پاؤں میں پانی کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔

موجِ ہائلِ نغمہ ہائے بے رباب
اَوجِ ساحل رقصِ کشتی زورِ آب

ہولناک لہریں بغیر رباب کے نغمے ہیں ساحل کی بُلندی، کشتی کا رقص اور پانی کا بہاو (دیکھنے کی چیزیں ہیں)۔

شورِ ملاّحاں کہ جہلم زندہ باد
ہم چو دجلہ می رود درباغِ داد

کشتی بانوں کا نعرہ کہ جہلم زندہ باد دریائے دجلہ کی مانند بغداد میں بہتا ہے۔

اے حسین وادی مُزیّن سیرگاہ
عالمے بُردہ بدامانت پناہ

اے حسین وادئ (کشمیر) اور سجی ہوئی سیر گاہ ایک دنیا تیرے دامن میں پناہ لئے ہوئے ہے۔

ہر درختِ بیشہ اَت گردن فراز
ہر ادائے گُلشنت مہماں نواز

تیرے جنگل کا ہر درخت سر بُلند ہے تیرے گلشن کی ہر ادا مہمان نواز ہے۔

برلبِ ہر دہ سفید ارو چنار
بہرِ سیّاحاں دُو روید درقطار

ہر راستے کے کنارے سفیدے اور چنار کھڑے ہیں سیاحوں کی خاطر دونوں طرف اُگے ہیں۔

ایستادہ بہرِ استقبال شاں
نعرہٗ دادہ زبانِ حالِ شاں

اُنکا استقبال کرنے کے لئے کھڑے ہیں اپنی زبان حال سے نعرہ بازی کرتے ہیں۔

نام ملک مانشانِ اتحاد
تا ابد سیرِ شُما پائندہ باد

ہمارے ملک کا نام اتحاد کی علامت ہے تمہاری یہ سیر ہمیشہ قائم رہے۔

ہر شب پُر کیف و لطفِ نورِ ماہ
ہم ز مخموری سرورِ صبح گاہ

ہر رات مستی سے بھری ہے اور چاند کی روشنی لطف دیتی ہے صبح کے وقت کی خوشی بھی متوالی ہے۔

آبِ شیریں، بُوئے گُل فصلِ بہار
زندگی بخشندہ بادا خُوشگوار

میٹھا پانی، موسم بہار کے پھولوں کی خوشبو زندگی بخشنے والی ہے یہ ہمیشہ خوشگوار رہیں۔

این ہمہ کیفیت و شانِ جلیل
آمدہ بر دعوئے حُسنت دلیل

یہ ساری کیفیت اور عظیم مرتبہ تیرے حسن کے دعویٰ پر دلیل بن کے رہ گئی ہے۔

خوبی تو شُد دلیلِ اضطراب
حُسن تو شُد باعثِ صد انقلاب

تیری خوبی بے چینی کی دلیل بنی تیرا حسن سینکڑوں انقلاب کا باعث بنا۔

دیدۂ آغاز ہا انجام ہا
مدّ و جزرِ گردشِ ایّام ہا

آغاز و انجام کی آنکھیں جو ہیں وہ جو ایام زمانہ کا مدو جزر ہیں۔

ابن داوٗد آمدہ اینجا فرود
نام تو باغِ سلیماں زاں نمود

ابن داوٗد (سلیمان) کا گذر یہاں سے ہُوا اسی وجہ سے تیرا نام باغ سلیمان پڑ گیا۔

از کشپ ریشی دلت آباد شد
خاطرت از بندِ غم آزاد شد

کشپ ریشی سے تیرا دل آباد ہُوا غم واندوہ کی پابندیوں سے تیرا ضمیر آزاد ہُوا۔

بر اَدیمت چوں کرشن جی گام زد
سرزمینت را بہ پاکی نام زد

تیری سرزمین پر جب کرشن جی گامزن ہوئے تیری مٹی پاک نام سے پکاری جانے لگی۔

گوتم آمد سوئے تو از راہِ دور
شُد حصولِ خاطرش لطف و سرور

گوتم دور ودراز راستہ سے ہوتے ہوئے تیرے پاس آئے اُسکے دل کو لطف وسرور میسر آیا۔

نانکؔ از نظّارہ ات آرام یافت
عزم تبت باعثِ اکرام یافت

نانک نے تیری نظارگی سے لطف پایا تبت کا ارادہ کر کے عزت وتکریم کا باعث بنا۔

درضمیرت موجزن از ابتدا
بود در ہر دور ذوقِ ارتقا

تیرا ضمیر ابتدا سے ہی موجیں مارتا تھا ہر ایک دور کو ارتقا کا ذوق دامن گیر تھا۔

گوش دادی بلبل توحید را
لب کُشادی غنچہ امید را

بلبل توحید کے نغمہ کو کان لگا کر سنتا تھا غنچہِ امید کے لب کو وا کرتا تھا۔

راہ جُویاں از نسیمِ بُوئے تو
آمد از ہمداں علائی سوئے تُو

تیری خوشبودار ہواؤں کی تلاش میں ہمدان سے حضرت سید علی ہمدانیؒ تیری جانب آئے۔

چُوں قدم بر خاک تو آں میر زد
خاکِ پاکت طعنہ بر اِکسیر زد

جب تیری سرزمین پر وہ میر قدم رنجہ ہوئے تیری پاک مٹی، اکسیر کو طعنہ دے گئی۔

دانشِ آں مومنِ نیکو منش
یافت چوں دُر در کنارت پرورش

اُس نیک صفت مومن کی عقل و دانش نے تیری آغوش میں موتی کی طرح پرورش پائی۔

باطنت از نورِ حق روشن نمود
ظاہرت از علم و فن گلشن نمود

تیرے باطن کو نورِ حق سے روشن کیا تیرے ظاہر کو علم و فن کی پھلواڑی بنایا۔

نورِ دیں از خاکِ تو برخاستہ
دینِ حق را ہر طرف آراستہ

تیری خاک سے حضرت نور الدینؒ اٹھے دین حق کو ہر سو جلا مل گئی۔

حضرت مخدومؒ شمسُ العارفین
عالم و عابد اِمامُ المتقین

حضرت مخدومؒ عارفوں کے وہ آفتاب عالم و عابد اور متقیوں کے وہ امام۔

در وجودت شد پناہِ اتقیا
سینہ اَت آرام گاہِ اولیاَ

تیرے وجود میں متقیوں کو پناہ ملی تیرا سینہ اولیاَ کی آرام گاہ بنا۔

اندرونت منبعِ برکات شد
سرزمینت مرجعِ سادات شُد

تیرا باطن فیض و برکت کا منبع بنا تیری سرزمین مرجع سادات بنی۔

از کلیماں طُور پُر انوارِ تو
ہر فرازِ قُلۂ کُہسار تو

تیرے طور کلیموں کی روشنیوں سے منوّر ہیں تیرے ہر کہسار کی بلندی چوٹی لگ رہی ہے۔

بے گماں از اہل اسلام و ہنود
خاکِ تو آغازِ مردم خیز بود
بے شک مسلمانوں اور ہندوؤں سے تیری مٹی ابتداء سے مردم خیز تھی۔

کالیداسؔ از خوبیٔ اشعار خود
بر جہانے سِکّۂ گفتار زد
کالیداس نے اپنے اشعار کی خوبی سے دنیا میں گفتار کا سکّہ جما دیا۔

باز پُرسید از زمین کانکنؔ
یاد از یلہنؔ بسے دارد سخن

کانکن اس سرزمین سے پھر گویا ہوئے یلہن سے اُسے بہت ساری باتیں یاد تھیں۔

ناگ ارجن در مقام ہارونؔ
شد ز کنشک خواستگارِ انجمن

ناگ ارجن ہارون کے مقام پر کنشک کی محفل آرائی کے خواستگار ہوئے۔

شیخ صرفیؔ سرنمود از خاکِ تُو
نور بخشِ دیدۂ ادراکِ تُو

شیخ صرفی تیری سرزمین میں پیدا ہوئے تیرے فہم وادراک کی آنکھوں کو بینائی بخشی۔

آں غنی کز جذبۂ گفتار اُو
آمدہ صائبؔ پئے دیدارِ او

وہ غنی جسکے جذبۂ گفتار سے صائب اسکی زیارت کو آئے۔

خواستند از خاکِ تو فرزانگاں
شاعر و صورت گرو تاریخ داں

تیری مٹی سے فضل و دانش والے اُٹھے شاعر صورت گر اور تاریخ دان۔

باتو نسبت حضرتِ اقبالؒ را
فخرِ ہندوستاں جواہر لال را

حضرت اقبالؔ کو تجھ سے نسبت ہے اور فخر ھندوستان جواہر لعل کو بھی۔

اے وطن یادِ کہن آید مرا
برزباں از تو سخن آید مرا

اے وطن مجھے ایک پُرانی بات یاد آتی ہے زبان پر تیری یاد آتی ہے۔

چوں بتاریخِ قدیمت بنگرم
عظمتِ ماضیٔ تو یاد آورم

جب میں تیری قدیم تاریخ کو دیکھتا ہوں تیری عظمت رفتہ کو دہراتا ہوں۔

از تمدّن دیدۂ تقریب ہا
در تنت پرورده شد تہذیب ہا

تمدن کے سبب بہت سی تقریبیں تیرے ساتھ وابستہ ہیں۔ تیرے وجود میں تہذیبیں، پرورده ہوئیں۔

دیدۂ تغیئر رنگِ صبح و شام

گہہ شُدی آزادو گہہ بودی غُلام

صبح وشام کے رنگ کی تبدیلی تو نے دیکھی۔ کبھی تو آزادرہااور کبھی غلام۔

گشتۂ اے مرکزِ علم و یقین

فیض یاب از دانشِ یونان و چین

اے علم و یقین کے مرکز تو یونان اور چین کی دانش وری سے فیض یاب ہوا۔

خاکِ تو شد غیرتِ خُلدِ بریں

در مبارک عہد زینُ العابدین

تیری سرزمین بہشت بریں کا غیرت بنی زین العابدین کے مُبارک عہد میں۔

دیدۂ دورِ خوانینؔ و مغولؔ
خاطرت از یورشِ افغاں ملول

خانوں اور مغلوں کے دور کو تو نے دیکھا افغانوں کی یورش سے تیرا دل رنجیدہ ہوا۔

حُسنِ تو شد نذرِ تاراجِ فرنگ
جنگ ناکردہ بتو آویخت جنگ

تیرا حسن فرنگیوں کے تاراج کا نذر ہُوا جنگ نہ کرنے پر بھی تجھے جنگ میں جھونک دیا گیا۔

زاں ''سفیداں'' شُد سیہ تصویرِ تو
ثبت شُد محکومیٔ تقدیرِ تو

اُن سفید فاموں سے تیری شکل وصورت سیاہ ہوئی تیری تقدیر پر غلامی راس آئی۔

چشم ہا ز انجام خود بردو ختند
چوں مہہ کنعاں تُرا بفروختند

اپنے انجام سے آنکھوں کو سی لیا مہہ کنعان کی طرح تجھے فروخت کر ڈالا۔

چوں مُسلّط بر تو ڈوگرراج شد
عظمتِ تو جملگی تاراج شد

جب تجھ پر ڈوگرہ راج مسلّط ہوا تیری عظمت مکمل طور لٹ گئی۔

شُد زَرت بر قُوّتِ غاصب تلف
بہرِ تیر جور شُد زورت تلف

تیری دولت غاصب کی طاقت سے تلف ہوئی تیری قوت ظلم و جور کے تیر کا نشانہ بنی۔

چہرہ دستی بر ہمیں منوال شُد

رَو نقت تاراجِ یک صد سال شد

یہ چہرہ دستی اسی طرح برقرار رہی تیری رونق ایک سو سال تک کے لئے لٹ گئی۔

دفترِ تاریخ عالم باز کُن

پردہ دور از عارضِ ایں راز کُن

تاریخ عالم کا دفتر کھول دے اس چہرہ سے راز کا پردہ ہٹا دے۔

انتہا چوں می رسد بیداد را

آہ و اَشک و نالہ و فریاد را

جب ظلم اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تو آہ وزاری اور نالہ وفریاد ہوتی ہے۔

لرزد از یک نعرۂ آہنگرے
قلعۂ شاہنشہے طاقت ورے

کسی ایک لوہار کی فریاد سے ایک طاقت ور شاہنشاہ کا قلعہ لرز اٹھتا ہے۔

بازوئے فولادِ مزدور و کسان
زاریت راختم سازد از جہان

مزدور اور کسان کے آہنی بازو دنیا سے اُسکی زور زبردستی کو ختم کرلیتا ہے۔

پس زآہِ دردمندے نیم شب
گر بسوزد آب و گِلِ نبُوَد عجب

ایک دردمند سے آدھی رات کو نکلنے والی آہ کے بعد اگر پوری دنیا جل کر راکھ میں بدل جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

آں شنید استی کہ دہقاں زادۂ
پیشِ شاہے دید قدحِ بادۂ

کیا تم نے نہیں سنا کہ اُس دہقان زادہ نے ایک بادشاہ کے پاس شراب کا ایک پیالہ دیکھ لیا۔

چوں فراز آمد بخوبی گفت راست
نیست صہبا بلکہ خونِ قوم ماست

جب آگے بڑھا وہ اپنے آپ سے کہتا تھا یہ شراب نہیں بلکہ ہماری قوم کا خون ہے۔

شہہ حدیثِ پُورِ دہقاں گوش کرد
شربتے از حسرتِ دل نوش کرد

بادشاہ نے کسان زادہ کی بات گوش گذار کر لی حسرت دل کے ساتھ وہ شربت نوش کر لی۔

از دلیری خاطرش بیمار شُد

خفت سلطاں چوں کساں بیدار شد

بہادری کی وجہ سے اُس کا دل بیمار ہوا بادشاہ کی طرح سویا لیکن کسان کی مانند بیدار رہوا۔

ہم چنیں چوں حکمراں مغرور شد

باعثِ بیداریٔ جمہور شُد

اسی طرح سے جب حکمران مغرور ہوا یہ بات لوگوں میں بیداری کا باعث بنی۔

از فروغِ مشرقت صبحِ امید

داد ازخورشیدِ آزادی نوید

مشرق کی روشنی سے امید کی کرن نے آزادی کے سورج کو خوشخبری دے دی۔

بے سر و پاگشت شخصی اقتدار
شُد دگر گوں راہ و رسمِ روزگار

شخصی اقتدار بے سروپا ہو گیا زمانے کے طور طریقے بدل گئے۔

لرزہ پیدا شد بکیوانی قصُور
در نظر آمد گمانِ نفخِ صُور

بادشاہی محلوں میں لرزہ برپا ہوا قیامت آجانے کا گمان پیدا ہوا۔

سر کشیدہ بے خطراز جیبِ خاک
مردگاں ازتن کفن کردید چاک

مٹی کے دامن میں بے باک سر اُبھارے ہوئے مردوں نے اپنے جسموں سے کفن کو چاک کیا۔

کاروانِ نوجوانان سربکف
هم چو سیلابے رواں شد ہر طرف

نوجوانوں کی ٹولیاں سر ہتھیلی پر لے کے سیلاب کی طرح ہر طرف اُمڈ پڑیں۔

تا ثُریّا رفت چوں آوازِ کوس
نعرہ ہائے انقلاب اندر جلوس

جلوس میں نعرۂ انقلاب نقارے کی آواز کی طرح ثریّا تک جا پہنچا۔

بر ہجومِ داعیانِ انقلاب
چیرہ شد دستِ ستم گر برعذاب

انقلاب بپا کرنے والوں کے ہجوم پر ستم گر کا ہاتھ ظلم کرنے پر تیار ہوا۔

یک ہزار و نُہ صدوسی یک بدی
سیزدہم ماہِ ہفتم عیسوی

ایک ہزار نو سو اور اکتیس کا سال تھا عیسوی سَن کے ساتویں مہینہ کی تیرہویں تاریخ۔

از ستم بر سرفروشانِ وطن
گرم شد ہنگامۂ دار و رَسن

وطن کے سرفروشوں پر ظلم وستم سے دارورسن کا بازار گرم ہوگیا۔

از جلا وطنی و تعزیر و قیود
اِمتحان بر مرد ماں آمد فرود

جلاوطنی، قیدو بند اور مظالم سے لوگوں پر امتحان کی گھڑی نزدیک آ گئی۔

یاد داری کُشتگانِ خویش را
در رہت جاں داد گانِ خویش را

وہ اپنے مرے ہوئے لوگوں کی کچھ یاد ہے تجھے تیری راہ میں جان قربان کرنے والوں کی یاد تجھے آتی ہے۔

خونچکاں تن ہائے ایشاں از تفنگ
زاں سبب شد بیرق تو لعل رنگ

اُنکے جسم بندوق کی گولیوں سے لہو بہاتے رہے اسی وجہ سے تمہارا جھنڈا لال رنگ کا ہوگیا۔

جنگِ آزادی ز بعدِ چند سال
ختم شد آمد غُلامی را زوال

آزادی کی جنگ کچھ سال بعد ختم ہوئی اور غلامی زوال پذیر ہوگئی۔

اے وطن دارم بتو روئے سخن
شد ز نامت نامور ہر انجمن

اے وطن میرا روئے سخن تیری طرف ہے ہر محفل تیرے نام سے مشہور ہوگئی۔

از تو فضلِ ما ز ما اعزازِ تو
بر تو فخر ما واز ما نازِ تو

تجھ پر ہمارا فضل ہے اور ہم سے تیری تکریم ہے تجھ پر ہمیں فخر ہے اور ہم سے تو نازاں ہے۔

از عقیق و نیلم و از زروسیم
دامنت پُر ساخت فیاضِ قدیم

عقیق ، نیلم اور سونے چاندی سے خداوند عالم نے تیرا دامن بھر دیا ہے۔

سینہ ات پُر ز حکمت بیضا کُنیم
رایتِ تو بر ہمالہ می زنیم

تیرے سینہ کو حکمت و دانائی سے روشن کریں گے ہمالہ کی چوٹی پر تیرا جھنڈا گاڑ دیں گے۔

با ہمہ ہمسائیگاں الفت کنیم
سرزمینِ امن را وسعت دہیم

سبھی ہمسایوں سے محبت کریں گے امن کی سرزمین کو وسعت دیں گے۔

در جہاں از پرتوِ حسن و جمال
کور گردانیم چشم بدسگال

دنیا میں حسن و جمال کی پرتو سے کمینہ کی آنکھ کو بے نور کر دیں گے۔

دور سازیم از کمالِ عدل و داد
غربت و بیکاری و جہل و عناد

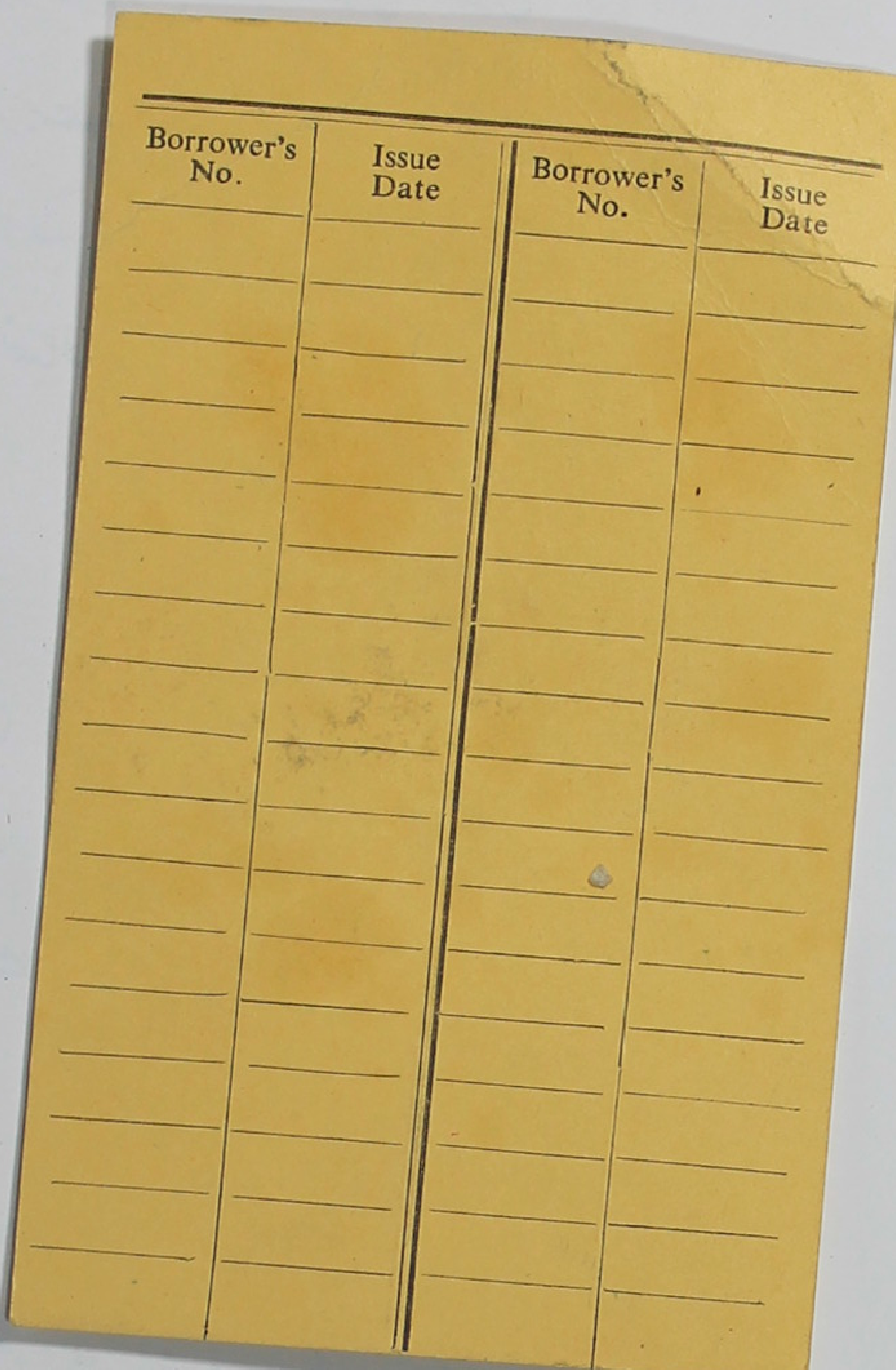
انتہائی عدل وانصاف سے غربت، بے کاری اور جہل وعناد کو دور کریں گے۔

می کنیم از کوشش خود کامیاب
در تو پیدا اقتصادی انقلاب

اپنی جدوجہد سے تیرے اندر اقتصادی انقلاب برپا کریں گے۔

کام یابد ہردلِ اندوہ گین
نامِ تو نحوؔی نہد خُلدِ برین

ہر غمگین دل کامران ہوگا اور شاعر نحوؔی تیرا نام خلدِ برین رکھے گا۔



Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

حصہ دوم

گوشۂ مضامین و مقالات

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

پروفیسر عبدالحق
سابق صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی

شعریاتِ نحوؔی

کشمیر کے قیام میں دانش گاہوں سے دور چند ایسے ذی علم بزرگوں سے ملنے کا شرف حاصل ہوا جن کے تبحّر علمی کی مثال کم دیکھی۔ ان کے اخلاص و عمل میں دل کشی کے ساتھ قاب وطرب کی فراوانی بھی دیکھی۔ پھر ان کے مزاج میں قابلِ رشک خاکساری بھی پائی۔ ان برگزیدہ شخصیتوں میں خواجہ غلام حسن نحوؔی کو سب سے بلند و بالا پایا۔ حینِ حیات میں ان سے تین بار نیاز حاصل کر سکا۔ ان مختصر ملاقاتوں نے بہت زیادہ متاثر کیا بلکہ مرعوب کیا۔ بدن ہلکا پھلکا تھا مگر بارِ علم سے جسم ناتواں پیکر جلال بنا ہوا تھا۔ پہلی بار اکتوبر ۲۰۰۳ء کے پہلے ہفتے میں حاضر ہوا۔ وہ خاک نشیں تھے۔ ناچیز نے ندامت کے ساتھ عاجزانہ سلام پیش کیا۔ مرحوم نے اُٹھ کر بزرگانہ شفقت کے ساتھ دعا دی۔ خیریت معلوم کی۔ مختصر گفتگو کی۔ میں مودّب سنتا رہا۔ ہر جملے سے ان کی انکساری اور رضائے الٰہی پر

صبر وسکون کی تلقین بڑی جاں گداز تھی۔ تکیے کے سہارے دیوار سے لگے بیٹھے تھے۔نرمِ دم گفتگو کا یہ منظر پہلی بار محسوس کیا۔فرشِ خاک کی یہ نشست اور مسندِ رشد کا یہ سماں دیدنی تھا۔

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

ان کے چہرے کی بشاشت اور پیشانی پر انوارِ بندگی نے بڑی تقویت بخشی۔مزید بارِ خاطر نہ بننے کے احساس کی وجہ سے رخصت ہونے کی اجازت لی۔دوسری بار بھی باریاب ہوا۔تیسری بار انتقال سے ایک دن قبل حاضر ہوا۔اب کی باران کی دید اور دعا دونوں سے محروم رہا۔وہ آرام جاں اور مالکِ حقیقی کے آخری فرمان کی بجا آوری میں دمِ واپسیں کے منتظر تھے۔چہرہ چادر میں چھپا ہوا، زبان حرفِ توحید میں مشغول عالم ارواح کے لئے سامانِ سفر کی تیاری مکمل کر چکے تھے۔سرِ شام سرینگر واپس آیا۔صبح کی خبر سوگوار تھی۔تعزیت کے لئے بجبہاڑہ حاضر ہوا۔بستی کے خورد و بزرگ جمع تھے۔مقامی آداب کے ساتھ طرزِ تعزیت میں اسلامی شعائر کی پاسداری دیکھ کر اطمینان ہوا۔یہی ان کی بزرگانہ شخصیت کے لئے موزوں بھی تھا۔بستی کے باشندوں کا جذبۂ احترام اور ان کی عقیدت

مندی نے بڑے تاثرات پیدا کئے۔ محسوس ہوا کہ ہماری ثقافت میں ہر قریہ وشہر میں عالم کی موجودگی کو کیوں لازمی قرار دیا گیا ہے۔ مرحوم نحویؔ صاحب کو علم ونور کی یہ آگہی اپنے والد سے دست بدست حاصل ہوئی تھی۔ جسے انہوں نے بڑے اہتمام سے اپنے صاحب زادے پروفیسر نحویؔ کو سونپی ہے۔ گویا دانش وبینش کی پاسبانی یا نگہداری میں یہ خانوادہ تین پشتوں سے امتیاز رکھتا ہے۔ ہماری حیرت فزائی کے لئے یہ کافی ہے۔ اسلاف کی روایت کو آگے بڑھانا کیا، برقرار رکھنا بھی مشکل ہوتا ہے اور اخلاف سے اُمید رکھنا اکثر وہم وگمان ہی ثابت ہوا ہے۔ توقع رکھنے کے لئے خود کو آتشِ نمرود سے گزارنا پڑتا ہے۔ پھر بیٹے سے باپ کے خواب کی خاطر نذرِ جاں کرنے کی امید کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ نحویؔ صاحب مرحوم کے والد ایک عالم بے بدل تھے۔ وہ شعر وادب کا بلند ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے انبیائے کرام کی تاریخ منظوم کی جو تقریباً چالیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے گویا یہ کشمیری زبان میں ایک طویل مثنوی ہے۔ جسے دوسرا شاہ نامہ کہا جاسکتا ہے۔ اتنی طویل نظم تخلیق کرنے کے لئے بلا کی قوتِ بیان اور قدرت زبان درکار ہوتی ہے۔ غلام مصطفٰے مصفاؔ اپنے دور کے نابغۂ روزگار عالم وشاعر اور مدّرس کے طور پر محترم تھے۔ درس وتدریس مشغلہ تھا۔ اسی میراث کے مالک خواجہ غلام حسن نحویؔ مرحوم تھے۔ جو دارالعلوم شرقیہ میں زبان وادب کی کارشناسی

کے علاوہ اخلاق وشرافت اور حسنِ سلوک کے لئے مشہور تھے۔ وہ تزکیۂ نفس اور کردار کی تعمیر وتربیت پر خاص توجہ دیتے رہے۔ نبی اعظم وآخر ﷺ سے ان کی محبت جذب وشوق کی منزلیں طے کر چکی تھی۔ان کی نعتیہ شاعری سے ان کے اس سوز وساز کی دروں بینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

انہیں زبان و بیان کے مختلف اسالیب پر بھر پور قدرت حاصل تھی۔ قادرالکلامی، زود گوئی یا برجستگی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اظہار پر عبور حاصل ہو اور بے کم وکاست یا برملا ابلاغ پر دست رس ہو۔زبان اور اس کے ذخیرۂ الفاظ کے بغیر شکوہِ بیان مشکل ہوتا ہے۔نحویؔ صاب مرحوم کو کشمیری کے علاوہ اردو، فارسی اور عربی زبانوں پر مہارت حاصل تھی۔ ظاہر ہے کہ ان زبانوں کی گہری واقفیت قوتِ اظہار کو سیل بے اماں کی طرح رواں دواں رکھتی ہے۔ وہ سہ لسان شاعر ہیں۔ کشمیری، اردو اور فارسی میں ان کی تخلیقات موجود ہیں۔ راقم کا خیال ہے کہ اول الذکر دونوں زبانوں کے مقابلے میں فارسی سے انہیں تعلق خاطر تھا۔ ان کی شاعری کا بڑا حصہ فارسی میں ہی موجود ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ اردو اور کشمیری پر انہوں نے کم توجہ دی ہے۔ ہونا بھی چاہئیے تھا فارسی میں کسب کمال کے جوہر آشکار کرنے کے امکانات کہیں زیادہ ہیں۔ یہ سچ بھی ہے کہ ان کی فارسی تخلیقات اردو وکشمیری سے کہیں زیادہ دلاویز ہیں اور دل کشی رکھتی ہیں:۔

فروغ صبحِ ازل از صباحت رویش
سواد شامِ ابد تارِ عنبریں مویش
بہارِ خارِ مغیلانِ وادیٔ بطحا
مرا خوش است ز گلزارِ جنۃ الماویٰ

فکر وعقیدت کے ساتھ کیف وجذبات کے امتزاج اور آہنگ کی ایسی خوب صورت صورتیں ان کی فارسی تخلیقات میں بکثرت موجود ہیں۔

محسوس ہوتا ہے کہ وہ پابندی اور انہماک سے شعری تخلیق کی طرف زیادہ متوجہ نہیں تھے۔ شاید اسی لئے وہ اس کی جمع وتدوین سے بھی بے نیاز تھے۔ چونکہ مقصدِ حیات کچھ اور تھا جس میں شاعری یا تخلیقات کی گنجایش کم از کم تھی۔ اس لئے فنِ شعر پر زیادہ التفات نہ تھا۔ کبھی کبھی جذب وشوق کے تقاضے مجبور کرتے یا فرمایش ہوئی تو اس طرف رجوع فرماتے۔ حالانکہ قدرت نے بڑی فیاضی سے انھیں تخلیقی ثروت سے سرفراز کیا تھا۔ وہ تزکیہ نفس اور تطہیر باطن کے عملی پیکر تھے اور یہی معمول پیشِ نظر تھا۔ معمولِ زندگی کے اس محاسبے میں شعر وفن کی مہلت بس نفس یک دونفس کی ہوتی ہے جس میں بڑی تخلیق کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ پھر

دنیاوی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے معاش و معیشت بھی دامن گیر ہوتی ہیں۔ اور رہِ حیات پر اپنی ایما سے چلنے میں مانع ہوتی ہیں۔ مرحوم کے سینۂ سوزاں میں ایک کسک تھی کہ انہیں کاش فرصت و فراغت میسر آتی تو فن کی تزئین کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے۔ شاعری منت پذیر شانہ ہی نہیں ہوتی بلکہ نہاں خانۂ دل کو شعلۂ سوزاں میں تبدیل کر کے اظہار کے سیل میں نمایاں ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تشنگی تحریک پیدا کرتی ہے۔ مگر شرط ہے کہ دوسرے اسباب معاون ہوں:

سخن فہم و سخنور ہے مگر بے طالع و بے زر
تخیل عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر

ہوئی حاصل نہ جس کو کامرانی اپنے مطلب میں
گزرتی ہے جوانی جس کی اک پرائیویٹ مکتب میں

مگر امید ہے اے طرّہ دار ہمتِ عالی
نہ جائے آج یہ سائل ترے دربار سے خالی

ایجاب واثبات کا اعتماد بھی قابل ذکر ہے جس کا بڑا خوب صورت اظہار آخری شعر میں ہو رہا ہے۔ اس سے ان کی فکرو نظر کے مثبت زاویوں پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ یوں بھی بندۂ حق محرومیوں سے نہ گھبراتا ہے اور نہ ہی شکوہ سنجی کرتا ہے۔ رضائے حق کے ساتھ زندگی کی کشاکشوں کو مردانہ وار انگیز کرتا ہے۔ نحوؔی صاحب مرحوم کی زندگی انہیں مثبت قدروں سے معمور تھی۔

نحوؔیا رنگین دھوکہ ہے جہانِ بیش و کم

حوصلے جب عزمِ جواں سے ہم آہنگ ہوں تو طلسم رنگ و بو کی تسخیر مشکل نہیں ہوتی۔ بلکہ کامرانیاں استقبال کرتی ہیں اور انسان خود ایک تقدیر ساز قوت کا مالک بن جاتا ہے۔ کائنات کے مظاہرے اسی نکتے کی آگہی بخشتے ہیں:

مرا دل ہی نہ گر آشفتۂ رنگِ چمن ہوتا
نہ پھولوں میں مہک ہوتی نہ بلبل نغمہ زن ہوتا

دلاویزی نہ ہوتی یار کی خمدار زلفوں میں
تو کب تک گرم یہ ہنگامہ دارورَسن ہوتا

مرحوم کی ایک شاہ کار تخلیق ہے جو بہت ہی مسلسل اور مربوط ہے۔ ساتھ ہی مکمل اور بہت ہی معنی آفریں ہے۔ یہ ان کی شعری صلاحیت اور صنّاعی کا بڑا دلکش نمونہ بھی ہے۔ وہ جنت نظیر ارضِ کشمیر کی خاک سے اٹھے تھے۔ ان کے خمیر میں ارضِ وطن سے والہانہ عشق کا ہونا ایک فطری تقاضا تھا۔ اس احسان کی ادائیگی میں انہوں نے بیش بہا اشعار کہہ کر اپنا حق ادا کر دیا۔ ''مثنوی خطاب بہ کشمیر'' ایک بیانیہ نظم ہے اور طویل نظم کے ذیل میں شمار کی جاسکتی ہے۔ اسے بہ سہولت کشمیر نامہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مرحوم نے اگر خاطر خواہ توجہ دی ہوتی تو یہ کشمیر نامہ ایک طویل اور مبسوط تخلیقی شاہ کار ہوتا۔ ان میں قوتِ بیان کی کمی نہ تھی اور نہ شکوہِ الفاظ کی تشنگی۔ ان کو لفظیات پر بڑا عبور تھا اور شعری تخلیق کے رموز سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھے وہ اگر مائل ہوتے تو ہزاروں اشعار میں یہ کشمیر نامہ مکمل کر سکتے تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ وادی کے کوہ و کمر اور سبزہ و چمن کی سیر سے بے انتہا شوق رکھتے ہیں۔ تنہائی کے ساتھ لطف اندوز ہوتے۔ پایان عمر میں بھی اکثر و بیشتر وقت مختلف وادیوں میں بسر کرتے اور سکون و عرفانِ نظر حاصل کرتے۔ یہ ان کے معمولات میں شامل تھا۔ موسم خوشگوار ہوتے ہی وہ کسی نہ کسی مقام پر فروکش ہوتے اور پُر کیف انبساط حاصل کرتے۔ مشاہدات کی ایک دنیا آباد تھی۔ بہت ہی کم حصہ تخلیق کی جلوہ نمائیوں کا جز بن سکا۔ فردوسی عجم کو زندگی نو بخشنے کا دعویٰ کر

سکتا ہے۔

عجم زندہ کردم بایں پارسی

اسی زبان اور لہجے میں خواجہ غلام حسن نحوی مرحوم بھی کشمیر کی جلوہ فروشیوں کو صفحۂ کاغذ پر اُتار سکتے تھے۔ بہرحال اس نظم میں اختصار ہی سہی وادیٔ گُل کا بہت ہی دل کشا منظر پیش کیا گیا ہے۔

مشرق از حسن نگاہت سربلند
گشتہ مغرب از فیوضت بہرہ مند

قدرِ تو اہلِ نظر بشاختند
چشم ہا درراہِ تو انداختند

کشمیر کی دل آویز کیفیات کے ذکر میں شاعر نے فن کے احساسِ جمال کو بھی قائم رکھا ہے۔ مظاہر فطرت کے آغوش سے پیدا ہونے والی محسوسات کی دنیا کو الفاظ و معنی میں محفوظ کرنے کی بڑی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ یہ کام بڑی دقّت نظر کا طالب ہوتا ہے۔ ایک تخلیقی حسن کو دوسرے فنِ لطیف میں ہو بہو پیش

کرنا بڑا آزمایشی ہوتا ہے۔ دنیائے ادب میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ ''مسجدِ قرطبہ'' فنِ تعمیر کی شاہ کار ہے۔ جو سنگ وخشت سے تیار کی گئی تھی۔ فنِ لطیف کے دوسرے اظہار میں اس کی تمام رعنائیوں کو قلم بند کرنے کا ہنر اقبالؔ نے سیکھا تھا۔ چنانچہ ان کی نظم فنِ شعر میں فنِ تعمیر کی ترجمان ہی نہیں حریف آہنگ بن کر شعر میں معجز نما مسجد کا مقام رکھتی ہے۔ ''خطاب بہ کشمیر'' نظم میں اکثر مقامات آتے ہیں جہاں ان کیفیات سے سابقہ پڑتا ہے۔

ہست از تابانی صدق و صفا
آشیاں افروز مرغ بے نوا

بر کنارِ سبزہ زراں ہر طرف
رُستہ نسرین و ضمیراں ہر طرف

شاعر ان افراد و اعلام کا عقیدت سے ذکر کرتا ہے جو ماضی میں مدح خوانِ کشمیر رہے ہیں۔ یا بود و باش کے لئے اس سرزمین کا انتخاب کیا اور اس خاک کا حصہ بن گئے وہ ایمان وعقائد کے اختلاف کے باوجود وادئ گل میں

اختلاط کا انوکھا منظر پیش کر گئے۔ ایسے افراد لائق صد آفریں ہیں جن کے لئے شاعر سلام تہنیت پیش کرتا ہے۔ عرفیؔ، شاہ ہمدانؒ، شیخ نورالدینؒ، مخدوم پاکؒ، شیخ صرفیؔ، غنیؔ، صائبؔ، اقبالؔ، کالیداس، نانک، کرشن، کشپ وغیرہ کئی نامورانِ تاریخ وتہذیب کے اسمائے گرامی عقیدت و احترام کے ساتھ منظوم کئے گئے ہیں۔ جنہوں نے کشمیر کو رشکِ جناں بنایا۔ مروتاً کچھ نام ایسے بھی در آئے ہیں جو اس سرزمین کی پامالی اور آویزشوں کا سبب بنے۔ خود شاعر معترف ہے کہ شان و شکوہ سے معمور اس بستی کو ستم شعار ساقی کا غمزۂ خون ریز ویران کر گیا۔ تاریخ کا جبر کہیے یا بداعمالیاں کہ یہ خطۂ بے نظیر بار بار روندا گیا۔ اور اس کی سخت جانی کہیے کہ سبزہ وگل کی شادابی بحال ہوتی رہی۔

حسنِ تاراجِ نذرِ توشد فرنگ
جنگ ناکردہ آویخت بتو جنگ

زاں سفیداں شد سیہ تصویر تو
ثبت شد محکومئی تقدیر تو

چوں مسلّط بر تو ڈوگرا راج شد
عظمتِ تو جملگی تاراج شد

فن کی زبان میں یہ دل دوز کہانی تاثرات کی حامل ہوگئی ہے فن کار اپنی سینہ شگافی کو موٹے قلم کی مرثیہ خوانی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جو قاری کے لئے عبرت آفرینی کا سوز و ساز اور جزوِ تقدیر بن جاتا ہے۔ شاعر ایک اضطراب سے دوچار ہے۔ وہ کشمیر کی ثنا خوانی سے یکایک گریز کر کے اصل صورت حال کے تجزیے پر آمادہ ہوتا ہے۔ وہ نشاط سے وادی کی نحوستوں پر متفکر ہو جاتا ہے۔ ملک کی درماندگی پر گریہ وزاری کا خوں چکاں احوال بیان کرتا ہے۔ نحوؔی مرحوم ایک مثبت فکر اور رجائی طرزِ احساس رکھتے تھے۔ لہٰذا ماتمِ زیست کو ایک اضطراری یا لمحاتی حادثہ سمجھ کر دوسرے گریز کی طرف مائل ہوتے ہیں جو حرکت و حرارت سے سیراب ہے اور جاں بخش توانائی کا مرکز بھی ہے۔ احتجاج و انقلاب کی بشارت بھری آوازیں اس نظم کے اختتامی حصے کو رفعتوں تک لے جاتی ہیں اور ایک پیغام دیتی ہیں۔ جس میں آفاقی اور ابدی حقیقتیں سربلندی کے اسرار سکھاتی ہیں اور باطل کی قوتوں کو سرنگوں کرنے کے گر بتاتی ہیں۔ شعری اظہار نے جذبہ و اضطراب کو آتشی آہنگ سے ہم کنار کر دیا ہے۔

بے سروپا گشت شخصی اقتدار
شد دگرگوں راہ و رسم روزگار

لرزہ پیدا شد بکیوانی قصور
درنظر آمد گمانِ نفخِ صور

سر کشیدہ بے خطر از جیبِ خاک
مردگاں از تن کفن کردند چاک

مردہ تنوں کا یہ منظر شعری تلازمات میں بہت ہی معنی آفریں تصویر پیش کرتا ہے۔ جبر و استبداد سے نبرد آزما ہو کر ایک نئے دور کی ابتدا کا پیغام دیتا ہے۔ طاغوتی نظام کو درہم برہم کر کے امن و آشتی کی صدائے عام سے جینے کی جرأت پیدا کرتا ہے۔ یہاں شاعر کا خروشِ احساس تلاطم سے ہم کنار ہوتا ہے۔

کاروانِ نوجواناں سربکف
ہم چو سیلابے رواں شد ہر طرف

تا ثریّا رفت چون آوازِ کوس

نعرہائے انقلاب اندر جلوس

آزادی جمہور کا احساس فطری مطالبات پر شامل ہو جاتا ہے اور طلوعِ صبح کا پیغام لاتا ہے۔ سرشاری کا یہ پیغام شعری پیکروں میں ڈھل کر لطف اندوزی بخشتا ہے۔ نحویؔ صاحب مرحوم نے یہ نظم کہہ کر بہت سے احوال واسرار کو قوتِ نمو سے مالا مال کر دیا ہے۔ اس صدی میں اقبالؔ کے بعد انہوں نے کشمیر پر فارسی زبان میں ایک اچھی تخلیق پیش کی ہے۔ جو فن کی لطافتوں اور غزالانِ افکار سے ایک خاص امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ اِس میں منظر کی دل فریبی، ثقافت کی تقدیس، گردشِ ایام کی ستم رانی، حکمرانوں کی جاں سوز فرماں روائی اور بیداری و سرفروشی سے حاصل ہونے والی کامرانیوں کی اجتماعی تصویر پیش کی گئی ہے۔ یہ فن کی دل کشی رکھتی ہے۔ تصورات فن سے ہم آہنگ ہو کر نظم کو رواں دواں رکھنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ کاش وہ چند اور نظمیں قلم بند کرتے۔ تو اس دور کی فارسی شاعری میں فرزانگی کا چراغ فروزاں ہوتا۔ غیر موجود سے سروکار لا حاصل ہے۔ اس نظم کے مطالعہ سے ان کی شاعرانہ دل چسپی کا یقین ہوتا ہے۔ ان کے اسلوبِ

بیان میں ایک خاص کشش محسوس ہوتی ہے۔ لفظوں کا انتخاب اور ان کا متناسب استعمال بھی ان کی زبان دانی کی بڑی دلیل پیش کرتا ہے۔ وہ صوفی منش ہی نہیں صوفیانہ معمولات کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن شاعری میں ان افکار کا پرتو نظر نہیں آتا۔ ہاں نعتوں میں ان کی عقیدت والہانہ وارفتگی کی مظہر بن گئی ہے۔ اس میں بسط وکشاد یا وحدت وشہود کے دقیق مسائل نہیں ہیں۔ انہوں نے بزرگوں کے قول کہ شعر گوئی کے لئے تصوف اچھی شے ہے، سے انحراف کیا۔ جذبہ واحساس کی ترجمانی تک ہی اسے محدود رکھا۔ اقبالؔ کے افکار وآہنگ سے بھی انہیں ایک گونہ قربت تھی۔ جس کی مثالیں کم ہیں مگر نشان دہی کرتی ہیں۔ ان کے مخصوص اور محدود اشعار تک ہی ناچیز کی رسائی ہو سکی۔ دوسری تحریریں دیکھنے کو نہیں ملیں۔ اسی وجہ سے ان سے سروکار نہیں رہا۔ شاعری کا بھی بہت کم حصہ سامنے آیا۔ جس کی بنیاد پر چند ذاتی تاثرات قلم بند کئے جا سکے۔ ان میں بھی ان کی شخصیت اور شفقت کے بہت سے پہلو جمع کر کے راقم نے نیاز مندانہ نذرانۂ تحسین پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ یہ صرف حرفِ شوق ہے جسے شعری حوالوں سے مرحوم کے حضور پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پروفیسر مرغوب بانہالی

چُھپے رہیں گے زمانہ کی آنکھ سے کب تک
گُہر ہیں آبِ وُلر کے تمام یک دانہ

(اقبالؒ)

اپنے آبائی وطنِ عزیز میں رہنے والوں کی ذکاوت وذہانت اور شرافت و صلاحیت کو پیش کیا گیا علامہ اقبال کا یہ خراجِ تحسین کوئی جذباتی نعرہ یا شاعرانہ تعلّی نہیں ہے بلکہ یہ اپنے آباء کے علم وفضل کی جانب نئی نسل کو متوجّہ اور مُتشکر کرنے کا بہت ہی سنجیدہ اقدام ہے۔ جس میں تاریخی بصیرت بھی موجود ہے اور تحریکِ جستجو بھی۔ اسی تحریکِ جستجو اور دعوتِ تحقیق کی پذیرائی علامہ اقبالؔ کے عقیدتمند عبدالاحد آزادؔ نے کشمیری ذہانت کے چند علمبرداروں کے نام لے کر یوں کی ہے:۔

کلہنؔ، غنیؔ تہ صرفیؔ سیراب کری یمی آبن
سُی آب سانہِ باپتھ زہرِ ہلال آسیا؟

ہماری یہی ذہانت جب پورے اِنہماک ویکسوئی کے ساتھ اپنی توجہ تقدّس مآب ''نعت''، جیسی موضوعی صنف پر مبذول کرتی ہے تو نظامیؔ، جامیؔ اور عُرفیؔ جیسے عظیم عنادِل نبوی کی یاد کشمیری شعراء بھی تازہ کر دیتے ہیں۔ اِس مخصوص ذہانت اور سعادت کا ثبوت دینے والوں میں ہمارے بزرگ ہم عصر خواجہ غلام حسن نحویؔ کا اِسم گرامی بھی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔ یوں تو والہانہ عشقِ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرنے والے مرحوم نحویؔ صاحب نعتیہ مشاعروں میں شمولیت کرنے پر بھی آمادہ نہ ہوتے تھے البتہ اپنے کُنجِ عافیت میں اسلاف کی نعتیں خصوصاً اپنے فاضل والدِ محترم مولانا غلام مصطفٰی مصفاؔ کی اور اپنی نعتیں آہستگی کے ساتھ گنگنا کر اکثر اپنے اشکوں کے چراغ روشن کرتے رہتے تھے۔ حالانکہ جنوبی کشمیر کے بجبہاڑہ جیسے عہد قدیم سے مشہور علمی مرکز کا درجہ رکھنے والے قصبے میں اپنے آپ کو علمی اور ادبی حلقوں کے مناظروں اور مباحثوں سے دور رکھنا زبردست خُود ضبطی کا متقاضی تھا۔ اُسی خُود ضبطی کے تحت ریا، نمود و نمائش اور فضل فروشی سے بیزار نحویؔ صاحب نے اپنی اُس وضع کو ہمیشہ قائم رکھا جو سات پُشت سے تبلیغِ دین مُبین کرنے والے علماءِ کرام سے اُن کو ورثے میں مِلی تھی۔ سات پشت سے میری مُراد درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ سے وابستہ رہے ہوئے اُن کے والد محترم یعنی چالیس ہزار اشعار پر مُشتمل تاریخِ انبیاء کے مُولّف مولانا مصفاؔ صاحب، اُن کے والدِ

بزرگوار حکیم خواجہ محمد صاحب اُن کے والدِ مکرم خوشنویس اور حافظ قرآن حکیم قدوس صاحب، اُن کے والد محترم سرکردہ عالم قرآن مولانا ارشد صاحب اور اُن کے والد بزرگوار یعنی فتح کدل سرینگر سے بجبہاڑہ منتقل ہونے والے عالمِ دین مولانا حمزہ صاحب سے ہے، الحمدللہ بمصداق ''این خانہ تمام آفتاب است'' اِس خاندان میں تعلیم و تبلیغ کا یہ امتیازی ورثہ برابر آگے بڑھ رہا ہے اور مرحوم غلام حسن نحوؔی صاحب کے فرزندِ ارجمند پروفیسر بشیر احمد نحوی بھی اُس روشن وراثت کو بطریقِ احسن چار چاند لگا رہے ہیں۔ اپنے والدِ محترم کے نعتیہ کلام اور دیگر اصناف میں کی گئی طبع آزمائی کو منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کرنے پر میں اِن کو دِلی مُبارکباد پیش کرتا ہوں۔

مرحوم نحوؔی صاحب کے نعتیہ کلام کے چند محاسن پر بات کرنے سے پہلے میں تحقیق پر مبنی اپنا وہ حُسنِ ظن بھی یہاں درج رکھنا چاہوں گا جو علم دوست قصبہ بجبہاڑہ کے ساتھ مجھے بہت پہلے سے وابستہ رہا ہے۔ اِس ضمن میں آج سے ۳۲ رسال پہلے کا وہ واقعہ یاد آرہا ہے جب کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے ایک اُستاد کی حیثیت سے میں جرمنی کے ڈاکٹر ایجرٹن اور پروفیسر ہرٹل نامی دو مُحقّقوں کے اِنکشافات کا موازنہ شاہنامہ فردوسی میں دئے گئے بیانات سے کر رہا تھا۔ خصوصاً اس بات کے تناظر میں جب اس سال ایرانی تاجروں نے ہندوستان

کے متّصل پہاڑوں میں ایسی جڑی بوٹی دریافت ہونے کا انکشاف کیا کہ اُس کے استعمال سے مردہ لوگ زندہ ہورہے ہیں تو شہنشاہِ ایران نوشیروان نے فوراًدربار میں یہ بات زیرِ بحث لائی کہ کیا ایسا ممکن ہوسکتا ہے؟ درباریوں نے بیک آواز یہ بیان دیا کہ ایسا ہونا نوشیروانِ عادل کے دور میں ہی ممکن ہے۔ بقول فردوسی اُن کے الفاظ تھے:

تنِ مردہ گر زندہ گردد رواست
کہ نوشیّروان بر جہاں پادشاست

یہ سُنتے ہی نوشیروانِ عادل نے اپنے ذاتی معالج حکیم برزویہ کو مال ومتاع سمیت ایک کاروان کے ساتھ سنسکرت جاننے کے ناطے روانہ کردیا۔ وہ کئی سال تک سنسکرت کے قنوج اور کشمیر جیسے مشہور مرکزوں کے گِردونواح میں مطلوبہ جڑی بوٹی تلاش کرتا رہا، آخر اُس کو وسطِ کشمیر کے ایک علاقے اِمکانی طور بجبہاڑہ میں ہی ایک بُزرگ مِلا جس نے کہا کہ پہاڑوں سے مراد کشمیر کے عالم اور اُنکی جڑی بوٹیوں سے مُراد اُنکی بیش بہا باتیں ہیں۔ اور اُن ہی باتوں کا مجموعہ ''تانترا کھیایک'' نام کی کتاب ہے۔ جو شاہی خزانے کے ہیروں اور جواہرات میں رکھی گئی ہے۔ پھر اِس کتاب کو حاصل کرکے حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت

کے آس پاس ہی ایران میں حکیم برزویہ نے نوشیروان عادل کی فرمائش پر پہلوی میں ترجمہ کیا۔ جس کو بعد میں خلیفہ ہارون رشید نے ابن مقنع سے عربی میں اور بعد میں مشہور فاتح محمودِ غزنوی کے پوتے بہرام غزنوی نے فارسی میں ترجمہ کروایا تھا۔ میں نے ایک متاعِ گم گشتہ کو واپس کشمیری زبان میں لانے کی کوشش کی تھی اور یوں میری پہلی کشمیری کتاب چھ سو صفحات پر چھپ گئی تھی۔ اِس طرح کے قدیم علمی دفاتر تک ممتاز رسائی بھی بجبہاڑہ کے علماء کو حاصل رہی ہے۔ اور پھر دینِ حق کی ترویج و اشاعت کے بعد بجبہاڑہ کا یہ امتیاز خصوصاً للِ عارفہ اور حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ کی وُرودگاہ پھر حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کی قرارگاہ بن جانے کے بعد اور بھی نمایاں ہوگیا ہے۔ جِس کے نتیجے میں کشمیری نعت گوئی کی سنہری زنجیر بھی عبدالاحد ناظم صاحب اور مُقبل صاحب اور مُصفاؔ صاحب کے بعد خواجہ غلام حسن نحویؔ صاحب کو منتقِل ہوگئی۔ اب اعلیٰ پایہ نعت گوئی کی روایت کو ملحوظ رکھ کر مولانا احمد بانہالی کی طرح جِدّت کے دلکش تجربے نحویؔ صاحب کے ہاں اُن کے انتخابِ بحور سے واقعات سیرتِ اقدس کے نورو سرور تک ملاحظہ فرمایئے۔ مشتے نمونہ ازخروارے پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ پہلے چار دلکش اور دلنواز بحروں کے درجِ ذیل دو دو شعروں میں زبان کا اُستادانہ رچاؤ اور دروبست دیکھنے کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشقِ رسولؐ کے پاکیزہ خیالات و اعتقادات کی جھلک بھی دیکھئے:

یِیو تہ جلوہ دِیو' لاعلاج دادی بلن!
مِزاج بدلہِ زمانس تہ پرأ نی داغ ژلن!
تُلِو نقاب یمانی' بہار یِیہ چمنن!
نظر کرُو تہ خزاں دیدہ لولہ باغ پھولن!

☆☆☆☆☆

یا نبی لولہ تب مے چھُمنہ ہمن
زولنم دُورِرَن دِلک خِرمن
لولہ چانے چھِ یم کھَسان دارس
دولتس کُن ضمیر چھُکنہ برمن

☆☆☆☆☆

جلوہ نے دِیتمت سَرِ اربابِ ہوشن آسہِ ہے!
کرفروزاں ماہ وانجم' مہرِ روشن آسہِ ہے؟
یژ ٹکٓ ساقی اگر نے چاوِ ہے جام رحیق!
کر یہ مستی معرفتہ کن بادہ نوشن آسہِ ہے؟

ذِیشانِ بطحیٰ داعیٰ ممتاز ونسنا؟
مِہمانِ اسریٰ ربّہٖ سُند ہمراز وَنسنا؟
چھَم سوزہ تمی سندِ رگ حیاتچ تار ربابس!
مضراب دِلُک نغمہ لولُک ساز و نسنا؟

اِن چار چھوٹی بحروں میں بیان کیے گئے رموزِ عاشقانہ پر غور کیجیے اور نحویؔ صاحب کی زبان دانی وترکیب سازی کا اُستادانہ عمل ملاحظہ کیجیے۔ تو آپ کو فنی طور پر چار خصوصیتوں کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

اوّل یہ کہ مدینۂ پاک سے دُوری کا جو احساس سرزمینِ عرب سے باہر پیدا ہوئے نعت گوشعراء خصوصاً عجمی وکشمیری شعراء میں بہت گہرا دکھائی دیتا ہے اُس کی زیریں لہر نحویؔ صاحب کی ایسی ہی درجنوں نعتوں میں بڑی شفافیت اور نفاست کے ساتھ قارئین وسامعین کے دلوں کو آسودہ کرتی ہے۔ دوم یہ کہ آغوشِ فارسی میں پروان چڑھی ہوئی کشمیری زبان کی نعت گوئی بہرحال اُس روایت اور سلیقہ مندی کو حرزِ جاں بنائے رکھتی ہے جو فارسی آمیز اظہار سے ہی سوزِ عشق کو مے دوآتشہ بنا سکتی ہے۔ چنانچہ نحویؔ صاحب کی فارسی آمیز تراکیب خصوصاً ’’لاعلاج دادی بلن‘‘ ’’خزان دیدہ لولہ باغ پھولن‘‘ ’’دِلک خرمن دزُن‘‘

''سَر اربابِ ہوش'' ''داعیٔ ممتاز'' ''مہمانِ اسریٰ'' ''ربّہ سُند ہمراز'' اور'' مضرابِ دِلُک نغمہ'' جیسی ترکیبیں اِسی اعلیٰ سلیقہ مندی کی مُنہ بولتی تصویریں ہیں۔تیسری خصوصیت عبارت ہے نحویؔ صاحب کی روانی طبع، برجستگی اور نکتہ سنجی سے۔صرف مذکورہ چار نمونوں کے دائرے میں رہ کر بھی دیکھئے کہ تمام لا علاج بیماریوں کا علاج دیدارِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں مُضمر ہونے کا راز اتنے شیرین الفاظ میں بیان کرنا'' ییو تہ جلوہ دِیو لاعلاج دادی بلن'' یا ہجر اور جُدائی کی آگ سے سکون دل کا خرمن جل اُٹھنے کا تجربہ یہ کہہ کر بیان کرنا کہ لازمی طور پر عشق کا تبِ مُحرّقہ فوری دیدارطلبی کا متقاضی ہے یعنی'' یا نبیؐ لولہ تب مے چھمُنہ ہَمن'' یا یہ نکتہ کہ اگر مدینہ پاک کا ساقی صلی اللہ علیہ وسلم انسانِ کامل بن کر احباب و اصحاب کو اپنا پاکیزہ اور خوشگوار جام (جام رحیق) نہ پلاتے تو مدتوں سے پریشان نسلِ انسانی پریشانیوں کے گرداب سے باہر نہ آسکتی تھی۔چوتھی خصوصیت بھی ان ہی چیدہ اشعار کے تناظر میں ملاحظہ کیجئے۔وہ خصوصیت ہے دِل نحوی میں موجزن وہ لاہوتی لے اور دِلنواز موسیقی جو کہیں پر حرف ''ی'' کی تکرار سے پیدا ہوگئی ہے مثلاً'' ییو تہ جلوہ دِیو تلِو نقابِ یمانی بہار ییہِ چمنن اور'' یثرِ ٔبک ساقی اگر نے چاوِ ہے جام رحیق'' جیسے فی البدیہہ اظہار ہیں اور کہیں پر حرف را کی حسین تکرار سے مثلاً'' مہمان اسریٰ ربّہ سُند ہمراز ونسنا'' اور چھُم سوزہ تمی سندِ

رگ حیات تج تارر بابس''، جیسی خود کلامی کے تحت۔

معاصر شعراء میں گمنامی پسند نحویؔ صاحب کی یہ امتیازی خصوصیت بھی بھینی خوشبو کی طرح دِلوں کو معطّر کرتی ہے کہ وہ بہت سے نامور ہم عصروں کے مقابلے میں عربی، فارسی، اردو اور کشمیری نام کی چاروں زبانوں کے ادب عالیہ سے گہری وابستگی اور دستگاہ رکھتے تھے اور اعلیٰ پایہ سلیقہ مندی ''عظیم شعراء کے مطالعہ یا بہ اصطلاح خواص ''دیرینہ صحبتِ اولیا'' سے نصیب ہو جاتی ہے۔



پروفیسر غلام محمد شاد

مرحوم نحویؔ صاحب اپنی نعتیہ اور دیگر شاعری کے تناظر میں

مرحوم خواجہ غلام حسن نحویؔ صاحب اپنے عنفوانِ شباب میں ہی مدرسۂ دارالعلوم شرقیہ میں ادب وعلوم والسنۂ شرقیہ کے استاد مقرر ہوئے۔ غالباً وہ ۱۹۵۰ء تک وہاں رہے۔ اس عرصے میں ان کے علم وفضل کے جوہر کھلتے گئے۔ اگرچہ ۱۹۴۷ء کے دورِ تسلّط کے شروع ہوتے ہی عربی اور فارسی ادب وعلوم کے درس وتدریس کا انحطاط شروع ہوا لیکن پھر بھی مابعد دور میں کہیں کہیں ان گنج ہائے گراں مایہ کے امین، ان بے بہا لآلی وجواہر کے محافظ اور ان دُرہائے ثمین کے پرونے والے اور ان علوم کے درس وتدریس کی مسانید کو زینت بخشنے والے عالم وفاضل موجود تھے۔ مولوی غلام مصطفٰے مُصفا اور اُن کے خلف الرّشید مولوی غلام حسن نحویؔ بھی انہی نوابغ اور نادرروزگار شخصیتوں میں سے تھے۔ اس سارے

علاقے میں یہ دونوں اصحاب ایک لحاظ سے علم وفضیلت کے آخری نمائندے تھے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد ہی دس بیس سال کے عرصے میں علم وادب کے شاداب سبزہ زار بے آب وتاب ہوئے اوراب دور دور تک ایسی جامع علوم کی حامل کوئی ہستی نظر نہیں آتی ہے۔ بقول مرحوم جگر مرادآبادی۔

جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے

پھر وقت گذرتے گذرتے مدارس میں اساتذہ، اور تلامذہ کی جونئی کھیپ آتی گئی ان میں حصول علم وادب کے لئے کوئی والہانہ تشنگی تھی نہ ہی کوئی جذب القلوب والا ذوق وشوق۔ نیا دور علوم والسنۂ وادب شرقیہ کے خیموں کی طنابیں کاٹتے ہوئے اپنی تمام تر جہالت وتخریب کے ساتھ شروع ہو چکا تھا۔ تہذیب و شائستگی اور ذوق علم وادب سے بالکل کورے گُلّے ٹھلے قسم کے لوگ تعلیمی اداروں اور سماج کے لئے قانون اور پالیسی سازی پر براجمان ہوئے۔ ایسے چاروں طرف محیط ظُلمت بدوش دورِ جمہوری میں بقیۃ الصالحین میں جو بھی جہاں پر معتکف تھا، بسا غنیمت تھا۔

عربی و فارسی علوم و ادب میں مرحوم غلام حسن نحوؔی کی فضیلت اُن کے اپنے والد محترم مصفاؔ کی طرح مُسلمہ اور مستند تھی۔ وہ علوم قرآن، تفسیر، فقہ و حدیث کے علاوہ ادب و شعر، زبان اور صرف ونحو پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے تحریری طور پر کم ہی اثاثہ چھوڑا ہے لیکن وہ بقامت کہتر اور بقیمت بہتر کی بہترین مثال ہے۔ نامساعد حالات، غم وآلام روزگار اور غیر موافق گردشِ ایام میں وہ نہایت ہی بُری طرح اُلجھے رہے۔ اس لئے انہیں خصوصی طور پر کاکل شعروادب کو کماحقہ، سنوارنے کی فرصت میسر نہیں ہوئی۔ نحوؔی صاحب نے عربی، فارسی اُردو کے علاوہ کشمیری زبان میں بھی اپنی تخلیقات چھوڑی ہیں۔ ان زبانوں کے وہ مستند عالم تھے۔ اس لئے وہ کشمیری اور اردو شعر کہتے وقت عربی فارسی کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ ان میں عربی و فارسی الفاظ ردیف و قافیہ لازماً استعمال ہوتے تھے۔ یہ بات نحوؔی صاحب کی تخلیق کردہ نعتوں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ کبھی کبھار وہ برجستہ اور سلیس کشمیری شعر بھی کہتے تھے۔

متداول اور روایتی کشمیری شاعری نحوؔی صاحب کے ہاں نہیں ملے گی۔ نعت وحمد ومناجات کے بغیر کشمیری زبان میں اُن کی دیگر تخلیقات بیانیہ شاعری کے زُمرے میں آتی ہیں۔ ان میں رومانوی یا صوفیانہ عشق و عاشقی اور روایتی تصوف کے مضامین نہیں ہیں۔ نہ ان جیسے عالم دین سے ان چیزوں کی توقع کی

جاسکتی تھی۔ نحوؔی صاحب ایک موحدانہ خالص مذہبی اور اخلاقی ماحول میں پروان چڑھے جہاں قرآن و آثار رسول برحق ﷺ فقہ و سیر اصحاب نبی ﷺ کے چرچے تھے۔اس لئے خصوصیت کے ساتھ انہوں نے نعت و مدح رسول ﷺ مقبول کو ہی ترجیحاً منتخب کیا۔نعت و مناقب لکھتے وقت ضلالتِ شرک ومشرکانہ غلو آمیزی سے محفوظ مُوحّدانہ صحیح القلب اپروچ اور فکر کی ضرورت لازمی ہے۔ورنہ توحید کا دامن اگر تخلیق کار سے ذرا بھی چھوٹ جائے تو وہ کفر وشرک اور ظلمت و تعدی کی تاریک ترین گلیاروں میں بھٹکتے ہوئے ایمان سے بھی ہاتھ دھوسکتا ہے۔

حقیقت میں نعوت و مناقب وہی قرآنی مزاج کے موافق اور مطابق مناسب اور دُرست کہلائے جانے کے قابل ہیں جن میں غُلو اور شرک آلودہ عقیدت مندی کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ورنہ غلو آمیز متجاوز عَنِ التوحید، عقیدت مندانہ خیال آرائی محض مشُرکانہ تُک بندی بن جاتی ہے۔مرحوم نحوؔی صاحب کو نعت و مناقب تخلیق کرتے وقت ان باتوں کا خصوصی لحاظ تھا۔اسی لئے وہ نعت و مناقب لکھتے وقت روایتی ڈگر اور سوچ، پامال طرز و اسلوب، فرسودہ خیال آرائی اور پاسِ توحید سے عاری مدح لکھنے سے انحراف کرتے رہے۔

نحوؔی صاحب کا اسلوب اور طرز بالکل منفرد ہے۔ اُن کی نعتوں میں اچھوتے مضامین، نرالی بندشیں، دل چسپ ترکیبیں، باوقار زبان کا

بے ساختہ اور برمحل برتا و نظر آتا ہے۔ ان کی تخلیق کردہ نعوت، مبالغہ آرائی سے پاک مبنی بر حقیقی واقعاتِ سیرت رسول ﷺ اور اُسوہ حسنہ کے صحیح اور مستند ترین پہلوؤں سے مملو ہیں۔ چند نعتوں کے اشعار سے یہ بخوبی واضح ہوگا۔

سر وَندَے ژیے نازنینس یا محمد مُصطفےٰ
والضُحیٰ روشن جبینس یا محمد مُصطفےٰ

تاجداری کائناتس پیٹھ عطا کرنے حقن
لاج ژیے تھاوتھ یقینس یا محمد مُصطفےٰ

گئے ملک حیران وُچِھتھ ییلہِ مورسلو کور اقتِدا
ژیے امامُ المتقینس یا محمد مُصطفےٰ

آو دستورِ خلافت مُلک و دینکُ امتزاج
ناو پیوو مسجد زمینس یا محمد مصطفےٰ

بادشاہن نامہ سوزتھ تھامہ گوشخصی نظام
مَعنہِ گو معلوم دینس یا محمد مصطفےٰ

مرحوم حفیظ جالندھر کا سلام (شاہنامہ کے حوالے سے) نظر میں رکھئے اور پھر نحویؔ صاحب کی یہ نعت سیرتِ پاکِ رسول مقبول ﷺ کے تناظر میں دیکھئے۔

خدا ین کائناتس پیٹھ عطا کرنے ژے سلطانی
ژے اد باوتھ شتربانن رموزِ سلطنت رانی

اونتھ نور ہدایت آدمیت آس وتہ رامژ
یہ احساں چون نکھ والیتھ ہیکیازاہ نوع انسانی

اوللعزمن ہندے سردار ہیمتہ سان بوڈھ لاجتھ
زمانچ ناو گامژ آس نذرِ موجِ طوفانی

پتھر پیی رنگ نسلکی اسی یم دیوار مصنوعی
کنی گیئے جشی و رومی، عرب ہندی تہ تورانی

سرودے نغمۂ توحیدِ ذاتِ کبریا بوزتھ
کنن ژلی ٹھری تہ دل گیہِ محرم اسرارِ پنہانی

زآدم تا مسیحا پرتھ نبیؐ پننس زمانس منز
کراں گامتی بہ امرِ حق اداچانی ثناخوانی

اب اس نعت شریف کو ملاخط فرمایئے۔ اس کا مجموعی ڈکشن فارسی آمیز ہے۔ لیکن اس میں ایک بھی قافیہ عربی یا فارسی کا نہیں ہے۔ مختصر بحر اور جذبۂ محبت وعقیدت سے مالا مال زبان کا برمحل استعمال بھی قابلِ تحسین ہے۔

یِیو تہ جلو دیو لاعلاج دادی بلن
مزاج بدلہ زمانس تہ پرانی داغ ژلن

ٹلو نقاب یمانی بہار ییہ چمن
نظر کرو تہ خزان دیدہ لولہ باغ پھولن

ووتھوتہ سرو سہی پابہ گل گرشھن روزتھ
ییوتہ تازہ چمن برگ برگ غازِ ملن

تھوو قدم بزمیں بوفتبیس لب تسکین
کھسوبہ عرش برین زنتہ نورواق الن

وچھتھ سہ مہر صباحت نپان مہہِ کنعاں
کرو کلامِ بلاغت کلیم ہوشہ ڈلن

یہ نعت شریف بھی اسی اسلوب اور طرز کی حامل ہے مختصر بحر میں ہے۔ درود واذکار کے ساتھ ایسی بحر کی نعتیں اکثر پڑھی جاتی ہیں۔ اس زمین میں بھی نحوؔی صاحب کا اپروچ عام ڈگر سے ہٹ کر ہے۔ اس میں مدح بھی ہے، محبت کا اظہار بھی اور بھی کچھ ہے پُرخلوص جذبے کی صورت میں۔

یا نبیؐ لولہ تب مے چھمنہ ہمن
زولنم دورِرَن دلک خرمن

نازنینا چھے اکھ نظر کافی
تاز گژھ ہن خزاں رسید چمن

مُشکبو چانہ گئے معطّر باغ
رشک جنت بنیائے کوہ و دمن

وود اچھو لولہ چانہ مثلِ سحاب
تھود تلونا نقابِ بردِ یمن

لولہ چانے چھ یم کھساں دارس
دولتس کن ضمیر چھکھ نہٕ بریمن

ٹاٹھی چھم چانی ؒ تم سیکلی صحراو
ٹارِ ماچھم کھسان گنگؔ و جمنؔ

مرحوم نحویؔ صاحب کی نعتوں کا آہنگ اور پورا دروبست بالکل غیر روایتی ہے۔ انکی نعتوں کا ہر شعر حقیقت بیانی کا مزاج لئے ہوئے ہے۔ نہ مبالغہ آرائی

ہے اور نہ کہیں پر بھی حدِ ادب سے تجاوز ہے۔ ان چند نعتوں کے اقتباسات کو دیکھیے، ان کا موسیقی آمیز، اور درود وسوز سے لبالب انداز دل کی گہرائیوں میں اُتر کر روح کو سرورِ سرمدی سے سرشار کرتا ہے۔

ذی شانِ بطحا داعیٔ ممتاز وَنَسنا
مہمانِ اسرے ربہ سند ہمراز ونس نا

سیکہ سون بناواں نظر، کنین لعل جواہر
مازاغ چشمن ہند مولل اعجاز ونسنا

یتہِ حسن ازل پیکر نوری بنتھ نون دراو
تتھ کائناتچہ عمل ہند آغاز ونسنا

یتہِ جبرئیلس پرِ دزان تمہ جایہ سیٹھاہ دور
پرواز کرنس عرشہ کۓ شہباز ونسنا

یس اُدنُ مِنّی یا جَیبی، تور گو آلو
یہ چھ امتیازی طرہ اتھ اعزاز ونسنا

اسی قبیل کی یہ نعت بھی ملاحظہ ہو۔ بعثتِ رسولِ برحق سے عالمِ انسانیت کے چمن میں بہار کس کس شاندار طریقہ سے جلوہ گر ہوئی۔ اور بنی نوع انسانی کن کن برکات اور فیوض سے سرافراز ہوئی، نحوؔی صاحب نے بڑی چابکدستی کے ساتھ اشاروں اور کنایوں میں ادبی نزاکت کے لوازمات پورے کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

جلونے ڈیت مُت سراریاب ہوش آسہِ ہے
گرفروزاں ماہ وانجم مہرِ روشن آسہِ ہے

چشمہ گرزاہ ڈیشہ ہَن یتھ زندگی ہُند نوبہار
وُوتمت کر کاف ونونک نوکتہ گوش آسہِ ہے

نازنینس سیر چمنک نے دلس ییہ ہے خیال
بوش حسنس کر، نزاکت پیڑ پوشن آسہ ہے

یِثرِ بُک ساقی اگرنے چاوِہے جام رحیق
گریہ مستی معرفتہِ کِین بادہ نوش آسہِ ہے

نیر ہے نے باطلس بُتھِ پانہ بدرکؔ شہسوار
حق پرستی ہنزِ ادا کتہ سرفروشن آسہِ ہےِ

مدح ونعت ومناقب نبی ﷺ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مناقبِ حرمین کو بھی اکثر شعرائے کرام نے خصوصی طور پر اپنا موضوع بنایا ہے۔ اُمت محمدی ﷺ کے ہر فرد کے لئے مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنوّرہ کا ذرّہ ذرّہ مقدس اور محترم ہے۔ ان دونوں شہروں کی گلیاں، کوچہ و بازار، تا قیام قیامت خوشبوئے محمدیؐ سے مہکتے رہیں گئے۔ وہاں کے ہر کوچے اور گلی اور ہر میدان وکوہ کی راہیں۔

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

کا زندہ جاوید سماں باندھے ہوئی ہیں۔

نحویؔ صاحب نے بھی آرام گاہ نبی ﷺ یعنی مدینۃ المنورہ کی مدح سرائی، قلبی عشق ومحبت سے مملو، عام روایت سے ہٹ کر اپنے منفرد انداز میں کی

ہے۔ اس میں بھی توحید و رسالت کے صحیح آداب ولوازم کو ملحوظ نظر رکھا گیا ہے۔ مدینہ مُنوّرہ دارِ ہجرت بھی ہے اس لحاظ سے اس شہر پر نبی برحق ﷺ کا احسان ہے کہ انہوں نے اس کو اپنا مسکن اور اپنی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف بخشا۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام چمک دمک والے شہروں کی تمام تر رونقیں بنتی بگڑتی رہیں گی تمام قسم کی شہنشاہیاں اپنے تمام طمطراق کے ساتھ فنا کے گھاٹ اُتریںگی لیکن پیغمبر برحق ﷺ کی حکمرانی اور فیض اور مدینہ الرّسول کی شان، کُل یوم ھوفی شان کے غلغلہ کے ساتھ قائم ودائم، تاابد جاری وساری رہیگی۔ تمام دیگر ادیان تو نامعلوم زمانے سے اپنے اصلی محور ومدار سے ہٹکر عجیب وغریب متضاد اور منتشر تاویلات وتحریفات اور مرورایام کی پیوندی حکایات کا ملغوبہ بن گئے ہیں۔ نحوؔی صاحب نے مدح مدینہ منورہ بیان کرتے ہوئے ایک شعر میں ایک دل چسپ نکتہ بیان کیا ہے کہ دارالسلام (مکہ مکرمہ) کا میز بان ہی مدینہ منورہ کا مہمان ہے۔ یعنی دونوں جگہ شان توحید رب کبریا اور شانِ رسالت کی جلوہ گری ہے۔ نحوؔی صاحب پھر کہتے ہیں کہ سفر حرم پاک کے لئے اگر کوئی سروسامان ہوسکتا ہے تو وہ صرف ''زادُالتقویٰ'' ہے۔ ایک شعر میں بیان ہوا ہے کہ کعبے میں توحید روح مومن کو رب ذوالجلال کی وحدانیت، صمدیت اور احدیت کا عرفان بخشتے ہوئے شرک کی تمام آلودگیوں سے پاک ومُنزہ کرتا ہے۔ اور ایسے ہی صاحب

دلوں کومدینہ منورہ ذاتِ مقدسِ پیغمبر برحق ﷺ کا صحیح عرفان وادراک بخشتا ہے۔

نعت شریف ملاحظ ہو۔

تھزروو حقن عالمس منز شان مدینک
جبریلِ امین ہیھ ملک دربان مدینک

سے دارِ ہجرت یمی وچھس منز جائے دڑ دینس
نکھ زاہ وسیادون عالمن اِحسان مدینک

رولوسہ، سمندر ہوکھن دری یا گرِھن نابود
جاری تہ ساری تا ابد فیضان مدینک

دوبہٕ ریو و کے کال گرِھتھ خوانِ مسیحاؑ
تا شامِ محشر پوشہ ون بس خوان مدینک

یہ چھ نوکتہ نازک زانہ سے لیس آسہ نظر تیز
دارالسلامک میزباں مہمان مدینک

تقویٰ چھ خیرُ الزاد اگر قصدِ حرم چھے
پُر سوز دل آسُن چھ بس سامان مدینک

کعبس اندر توحید دِواں تازگی روحس
لولس پُچھ بخشان زندگی عرفان مدینک

مرحوم نحوی صاحب کی نعتیہ شاعری کے شاداب چمن کی سیر کرتے ہوئے ہم ایک اور نعت پیش کریں گے۔ دیکھئے کہ اس نعت میں والہانہ جذبۂ محبت رسول ﷺ اور مدحت وعقیدت کس دل نشیں پیرائے میں جلوہ گر ہے۔

آں حضور ﷺ محسنِ انسانیت ہیں اور حقیقی طور پر رونق افرور بزم کونین ہیں۔ اس نعت میں بھی نحوی صاحب اپنے منفرد اسلوب اور طرز کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

ذات چانی محسنِ اولاد آدم یارسولؐ
چانہ سیتن رونقِ بزم دوعالم یارسولؐ

چانی نورن آدم خاکی نژادس دیت شرف
جوہر نُوری ملک تس رودی سرخم، یارسولؐ

پورِ عمرالتس تمنا امّتی چونے بنن
چانہ میلادک مبشر ابنِ مریم یارسولؐ

خلعتِ مازاغ وۆ لنے سالہِ یۣیلہِ نیونکھ حقن
کھورتمی مینارِ عرشس چون پرچم یارسولؐ

حال باونہ آوُیس گوشِ مبارک تھووتھس
بیکسن ہندِ عارِ سبزے چشمہِ پرنم یارسولؐ

لاعلاجن رحمتک دارُالشّفا دربار چون
گئے بلتھ چھوکہِ داوئ دل کورتھک ژے مرہم یارسولؐ

پایہِ بڈِ نحوؔی چھ بردر، رحمتچ امید ہیتھ
ضایہ متہٕ کرتس دلچ ستھ کیاہ گرٕشھی کم یارسولؐ

ایک اور نعت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔اس میں بھی مرحوم نحوؔی صاحب نے سیرتِ رسول برحق ﷺ کے کئی نورانی پہلوؤں کو اچھوتے اور منفرد انداز میں بیان کرنے کا حق اچھی طرح سے ادا کیا ہے۔نعت عام روش اور اسلوب سے بالکل الگ ہے۔توحید اور قرآنی مزاج کے لوازم کو مدنظر رکھتے ہوئے مدح رسولِ مقبول ﷺ میں اشعار رکھنا زبردست ادب اور احتیاط کا متقاضی ہے۔

بات کے اس پس منظر میں نحوی صاحب کی یہ نعت قابل ذکر ہے۔تاریخ وسیرت نبویؐ کے کئی روشن اور ایمان افروز پہلو اس نعت میں جلوہ گر ہیں۔

محبوبِ مکیؐ مرحبا چھے خُلقِ عظیمس
مرغوب چانی ہرادا معبودِ کریمس

دِئ لابہٕ سۓ عدلک سبق بوتھ ژٕرے جہانَس
ییلہ دچھنہ طرفے شیر کو رُتھ نوش حلیمس

بدلیوس دُنیا آس اُچھن گاش، فداگو
دستِ دعا برسینہ تھووتھ یام غنیمس

وُچھ طائفکی وفدن تہنز میہمان نوأزی
دشمن تہِ لگّی دنہِ داد، چائنس لطفِ عمیمس

ہبتھ آکھ حرمس عفوعامچ ڈالی لاتثــریـــب
فاتح بنتھ بخشتھ شرف کعبس تہ حطیمس

اُستادِ حق آسن تہِ الــم نشرح صدر چھُے
تھُدِ درجہ دیتُ نے درسِ ادب دُرِّ یتیمس

کُس سنگِ اسود تھاوِ کعبس وقت عمارت
اونزرُتھ یہ مشکل آفریں چھُے عقلِ سلیمس

اعجاز چانے اوسؔ و خزرجؔ شِیر وشکر گئے
ناکام سازش گئے پتو، شیطان رجیمس

فضہ ہس چھ مشکنی دار، نحویؔ، ٹوری پھولتھ آے
سُلہ ماچھے لج مژ طیبہؔ منزی وتھ بادِ نسیمس

نحویؔ صاحب کی ساری نعتوں کو پیش کرنا، مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا وہ زبردست خطیب بھی تھے۔ اور خطابت کے دوران اُن کا استحضار قابل دید ہوتا تھا۔ حالات و واقعات بیان کرتے وقت ان کی حیرت انگیز یادداشت پر رشک آتا تھا۔ ایسے موقعوں پر اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ موقعہ ومحل کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے وہ مکمل نعت یا مدح فی البدیہہ کہہ دیتے تھے۔ ایک شب قدر کے موقعہ پر خطاب کرتے کرتے لیلۃ القدر کی مدح میں انکی زبان پر فی البدیہہ ایک پوری مدح جاری ہوئی۔

ووتھ لولہٖ والبوٖ گنڈ کمر
شبِ قدرِ ہنزٕے قدر کر

لبہِ چون دل قربک تھزر
شبِ قدر ہنزِے قدر کر

وچھتن یہ شب کیاہ شوبِ دار
زن ددونس آمُت بہار

مژراو دلہِ کی دار بر
شبِ قدرِ ہنزِے قدر کر

برجستہ پھولی متی لالہ زار
ہر طرفہ زن مشکے تتار

محوے ترنّم جانور
شبِ قدر ہنزِے قدرکر

حاصل چھے یتھ منز بندگی
نازل کتابِ زندگی

کامل چھ تاوقت سحر
شبِ قدرِ ہنزِ ے قدر کر

ہتھ آو نورے لازوال
رتھ ماہ رمضاں بے مثال

ہتھ رفعتِ فکر و نظر
شبِ قدرِ ہنزِ ے قدر کر

نعت و مناقب اور مدح کے علاوہ نحوؔی صاحب نے کبھی کبھی دیگر عام موضوعات پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ مثال کے طور پر انکی فارسی مثنوی خطاب بہ کشمیر وغیرہ۔ کشمیری شاعری میں انہوں نے عوامی دکھ درد، اور عوام کی پسماندگی ولاچاری کو اجاگر کرنے کیلیے یا ذہنی وسیاسی بیداری پیدا کرنے کیلئے بھی کچھ نظمیں وغیرہ کہی ہیں۔ لیکن ایسے موضوعات سے انہیں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اسی لئے

ایسی نظمیں اور غزلیں دست بُر دز مانہ سے کم ہی محفوظ رہ سکی ہیں۔ بہت ہی کم کچھ اشعار اور نظمیں تلاش بسیار کے بعد ملی ہیں۔ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء میں برِ صغیر میں آزادی کی تحریکیں عروج پر تھیں۔ غیر ملکی استعمار، سامراجی استحصال اور آمرانہ بالا دستیوں کے خلاف ساری فضا گونج رہی تھی۔ نحوی صاحب کی نوجوانی کا دور تھا، کسی خاص موقعہ کی مناسبت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے چند اشعار قلم بند کئے جو شاید انہوں نے کسی عوامی جلسے میں بھی پڑھے۔

وِوتھ انقلابکہ ہا علم بردار جوانو
نُو و مشرقی دنیا سَپُد بیدار جوانو

بأطل مٹاون چھے پزیک دنیا ژبساوُن
پانے بناوُن چھے نوُوِے سمسار جوانو

اکہ زلزلہ آلہ راو ژ سرمایہ پرستی
پزِ ولولہ ستین ژاَن یلغار جوانو

کری چانہ میٔخژ پأدِکم مندورِ، محلہٕ خان
حق چون چھی تم، حق پنن وِوتھ ژھار جوانو

مَشعالہِ زالتھ کرہٕ روشن ظلمہٕ کی ظلمات
بییِہٕ شولہِ وطن باغ تےَ گلزار جوانو

چھیلہ نوبہار چہ ویرتن ژلہ داغ گولاس
پھولہ باغ چمنن پھیر بیہ سبزار جوانو

کرِ فخر بییہ تاریخ چانن کار نامن پیٹھ
پَرِ پانہٕ نحوؔی تازتَر اشعار جوانو

اسی پس منظر کے تناظر میں نحوؔی صاحب کی ایک طویل نظم ''پسماندۂ طبقن ہند فریاد'' بھی قابل دید ہے۔ اس نظم کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ نحوؔی صاحب اپنے گردو پیش میں ہوئے اور ہورہے واقعات استحصال ظلم و جبر اور اس کے ہولناک نتائج سے آگاہ تھے۔ سماج کا ایک ذہین ترین فرد ہوتے ہوئے وہ ایسے حالات کو کس طرح سے نظر انداز کر سکتے تھے۔ وہ حسّاس قلب و ذہن رکھتے تھے۔ اور وہ زیادہ گہرائی کے ساتھ ان واقعات و حوادث سے متاثّر ہوتے تھے۔ نظم کے چند شعر پیش کر کے مضمون کو اس کے پایان تک پہنچا کے آپ سے

رخصت چاہوں گا۔

یہ کیاہ بُنیلاہ تۂ واواہ تیز ناراہ
چھِنا پسماندۂ طبقن دأ دی داراہ

بجرچھا، پتھرِ پیومت وارِ پاون
گُلِس کھارتھ کرنی گوڈرب تہ ساون

اندری اندری وٹھان اوس یار کوکل
یہ گواز حال بُرونھ کن کیا پھولن گل

بوپتھ رودس مے ما آسم رسائی
مے کِثر گیئے بندگی تس کثر خدائی

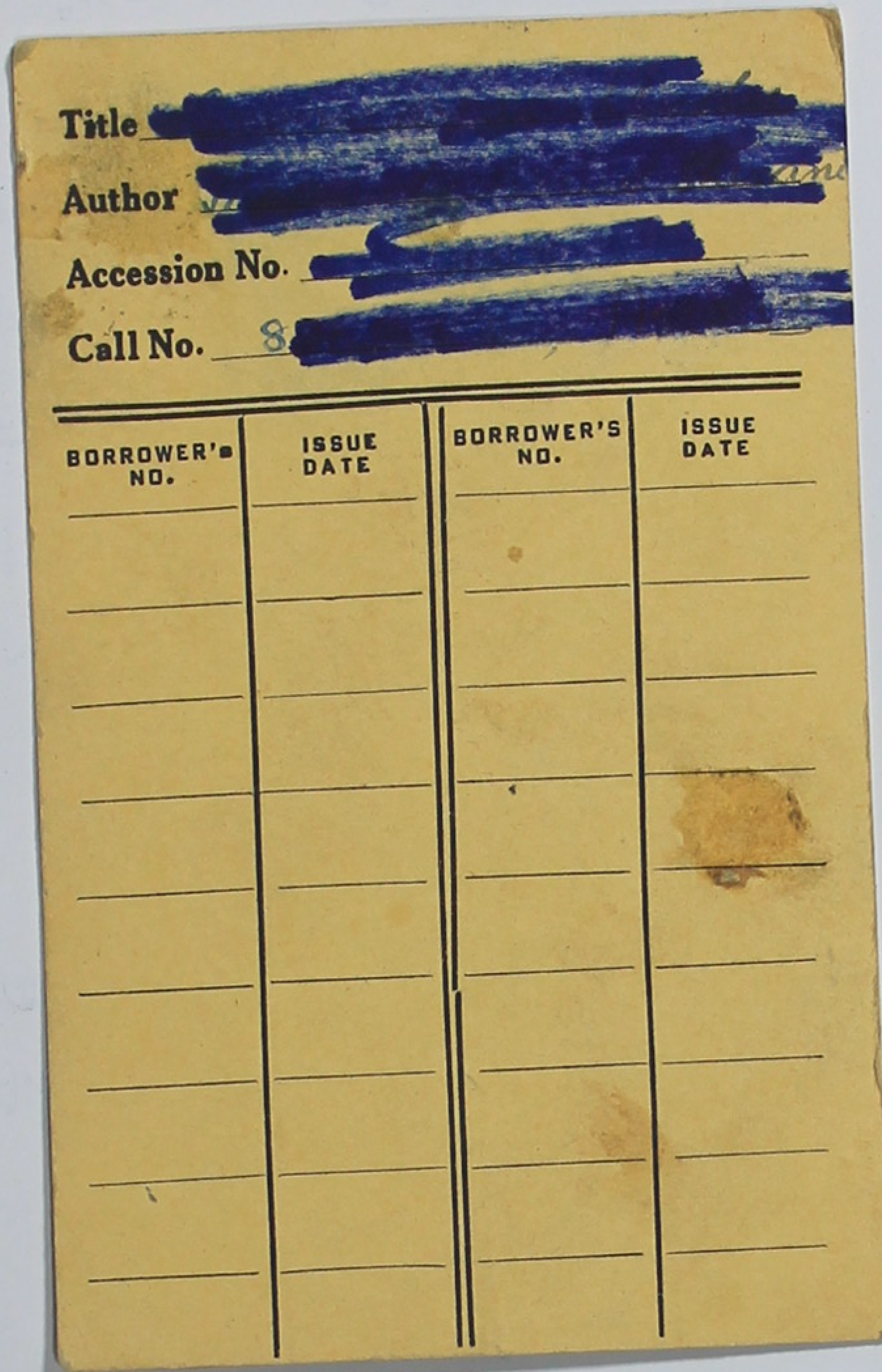
یہ کیاہ انزاہ تہ مثرراہ ساز بازاہ
یہ گوننہِ وانہ نِسلی امتیازاہ

مانجنو بانہ دانس راز چھاؤنہ مے
گبڑدنی گاسہ کاکس واسہ چھاونہ مے

سارتھ خربور گہہ آیہ پدی تل مے
دارتھ شانہ رازس روزِ تام بوکوت

ہارتھ کیازِ روزو تۂ وتھ رٹونو
لأرتھ ماچھ کھاسن گونہ ونہِ وچھو

گمراہ چالاک کراں سادن سیدن
گبو اوٚنگجہِ سیٚرِ کھوتا ونیستامتھ


Title [redacted]
Author [redacted]
Accession No. [redacted]
Call No. [redacted]
BORROWER's NO.
ISSUE DATE
BORROWER'S NO.
ISSUE DATE

مولانا سید محمد اشرف اندرابی

حبیبِ کبریاؐ کا ایک عاشقِ صادق۔۔ مولانا نحویؔ

قصبہ بجبہاڑہ کو وادی کشمیر میں اس لحاظ سے ایک امتیازی مقام حاصل ہے کہ قدیم زمانہ سے یہ قصبہ علم وادب کا گہوارہ رہا ہے۔ دور اسلامی میں بھی اس کے باکمال فرزندوں نے علم وفن اور شعر وادب کی روایت کو برقرار رکھا اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت میں شاندار کارنامے انجام دئے، اسی مردم خیز سرزمین کے ایک قابلِ فخر فرزند مولانا غلام حسن نحویؔ مرحوم ومغفور تھے، وہ ایک معروف علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں وہ اپنے اسلافِ کرام کے سچّے جانشین تھے۔ ان کے والد ماجد مولانا غلام مصطفیٰ مصفّاؔ اپنے دور کے جیّد عالم دین، ادیبِ لبیب اور نعت گو تھے۔ ان کے فرزندار جمند مولانا غلام حسن نحویؔ کو اللہ تعالیٰ نے علوم ومعارف، دینداری اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے حصہٴ وافر ودیعت فرمایا تھا۔ وہ بیک وقت ایک متبحر عالم دین، ایک بلند پایۂ شاعر و ادیب، ایک کامیاب مدرّس اور اعلیٰ درجہ کے مبلّغ اور شریں بیاں خطیب وواعظ

تھے، انکی اِن گونا گوں حیثیات پر ان کے احباب ، تلامذہ اور ہم عصر اصحابِ ذوق تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔ میرا اُن کا تعارف اگرچہ بہت پُرانا تھا، تاہم یہ رسمی اور سرسری قسم کا تھا، تفصیلی ملاقات کا پہلا موقعہ آر ی ہل پلوامہ کے ایک جلسہ میلادالنبیؐ کی تقریب سعید میں ملا۔ یہ غالباً ۱۹۸۰ء کی بات ہے، اجتماع کی کاروائی شروع ہونے سے پہلے تفصیلی تعارف ہوا۔ دوران گفتگو میں نے ان کے والدِ مرحوم کی نعت گوئی کا ذکر چھیڑا، انہوں نے مولانا مصفّاؔ (والد صاحب) کے چند اشعار سُنائے جو عشق ومحبت اور سوز وگداز کا بہترین نمونہ تھے۔ میں نے عرض کیا مولانا آپ بھی شعروشاعری کا کچھ شغل رکھتے ہیں؟ (اس وقت تک میں آپ کی اس خوبی سے واقف نہیں تھا) پہلے تو کسرِ نفسی سے میرے سوال کو ٹال گئے، پھر میرے اصرار پر اپنا نعتیہ کلام سُنایا۔ اسی سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ محض ایک رسمی مبلّغ اور پیشہ ور استاد نہیں ہیں بلکہ ان کا دل عشق رسالت مآب ﷺ کی شمع فروزاں سے منوّر رہے۔ ان کے کلام کا بہت کم حصہ میری نظر سے گذرا ہے، وہ بلاشبہ شعر وسخن کی تمام اصناف پر ماہرانہ گرفت رکھتے تھے فارسی، کشمیری اور اُردو زبانوں میں ان کے سینکڑوں اشعار اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں، سخن سنجی کے ساتھ ساتھ مبداءِ فیض نے اُنہیں سخن فہمی کا بہترین ذوق بھی عطا فرمایا تھا۔ اساتذہ کے عربی، فارسی، اردو اور کشمیری زبانوں کے ہزاروں

اشعار ان کو از بر تھے اور وہ ان کا برمحل استعمال کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتے تھے۔ لیکن میری نظر میں اُن کی قابل رشک خصوصیت، سرورِ کونین فداہ روحی ﷺ کی ذات والا صفات کے ساتھ ان کی والہانہ محبت و عقیدت ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے منظورِ نظر کامیاب مدّاحین اور نعت نگاروں میں اُن کا نام بھی شامل ہے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔

''نعت'' اگر چہ معنوی لحاظ سے قصیدہ کی ہی ایک صورت ہے، تاہم اصطلاحِ نعت مدح و ثنا ممدوحِ الٰہ و محبوب خدا ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ قصیدہ میں جس قدر مبالغہ آرائی ہوگی فنی لحاظ سے اُسی قدر اس کی کامیابی کا درجہ مُتعیّن ہوگا۔ اس کے برعکس نعت کی راہ بڑی دشوار گذار راہ ہے۔ یہ پُل صراط کی طرح تلوار کی دھار سے تیز اور بال سے باریک ہے۔ اس میں افراط و تفریط کی کوئی گنجائش نہیں، اس کا موضوع اُس ذاتِ سراپا نور ﷺ کی مدح و ثنا اور محاسن و محامد کا پُرخلوص اظہار کرنا ہے، جو جمال و کمال کا لامثال مرقّع اور صورت و سیرت لاشریک شاہکار قدرت ہے۔ خالق کائنات کی تمام مخلوقات میں کسی صفت اور کسی خوبی میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں، بقول امام بوبصریؒ:

منزّہ عن شریکٍ فی محاسنہٖ

فجوھر الحسن فی غیر منقسم

آپ ؐ اپنے محاسنِ عالیہ اور کمالاتِ فاضلہ میں شریک و سہیم اور مثال و نظیر سے منزہ ہیں۔ سو آپ ؐ کا جوہر حسن نا قابل تقسیم ہے۔

بلاشبہ وہ اپنے خالق کا محبوب اور مقصود کائنات ہے، لیکن اس کے باوجود عبداللہ ہے۔ ایسا عبد جسکی عبدیت پر خود عبودیت کو بھی ناز ہے۔ پس آپ کی مدح و ثنا کرنے والے پر لازم ہے کہ آپ کے مقام عبدیت کو ہر وقت ملحوظ نظر رکھے، بیانِ محاسن میں اس قدر آگے نہ بڑھے کہ عبد کامل ؐ کی رسالت الوہیت کے دائرے میں داخل ہو جائے۔ دوسری جانب ملبوس مدح خواں اور نعت گو یہ خیال رکھے کہ میں کسی مجازی یا خیالی معشوق کی تعریف نہیں کر رہا ہوں، بلکہ لباس بشریّت میں اُس پیکر نُور کا ذکر جمیل ہے جس کے حُسن و جمال کی دلنواز اداؤں کو تشبیہ و استعارہ اور رمز و کنایہ کے اس اسلوب میں بیان کرنا، جس سے روایتی معشوقوں کی خوبی کو بیان کیا جاتا ہے، بسا اوقات اس بارگاہ رفیع میں گستاخی کے زمرہ میں آتا ہے اور سلب ایمان کا موجب بنتا ہے **اعاذ نا اللہ منھا**

اس مقام پر امام عاشقان فاضل بریلوی قُدس سرہ کا عقیدہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ عمر بھر اپنے رؤف و رحیم آقا ﷺ کی تعریف و توصیف میں رَطبُ اللّسان رہے لیکن اپنے پیشِ رو عاشقانِ صادقین کی طرح جب نعت نبی ؐ کی رفعتوں اور مدح و ثنا محبوب کی عظمتوں تک پہنچنے سے اپنے آپ کو عاجز و

درماندہ پایا، تو اپنے عجز کا اظہار اس طرح کیا۔

لیکن رضؔا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا مولیٰ کہوں تجھے

بات طویل ہوگئی میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ میں نے نحوؔی مرحوم کا جو نعتیہ کلام پڑھا ہے اس سے اندازہ لگایا ہے کہ افراط وتفریط سے ہٹ کر شاعر اپنے جذباتِ عقیدت کو توسط واعتدال کی روش پر چل کر بھی اس خوبی سے بیان کرتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ ان کی محبت وعقیدت کا والہانہ پن اور وارفتگی عشق کا اظہار لفظ لفظ سے ہوتا ہے، جب کہ اس قبیل کی شاعری میں اس کا التزام رکھنا بہت دشوار ہوتا ہے جہاں اصل مقصد وارادت قلبی کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

جیسا کہ میں نے ابتدا میں وضاحت کی ہے کہ میں نے نحوؔی صاحب مرحوم کی چند ہی نعتیں دیکھی ہیں تاہم مجھے اپنا یہ تاثر بیان کرنے میں کوئی ترڈ د نہیں ہے کہ وہ ایک سچے عاشقِ رسولؐ اور قادرالکلام نعت گو تھے۔ انہوں نے اپنے نعتیہ کلام میں اپنے عقائد کو بڑی خوبصورتی اور دل نواز پیرایہ میں بیان کیا ہے، مثلاً

ہے، مثلاً ''تاجدارِ مدینہ'' کے عنوان سے انہوں نے جو نعت لکھی ہے اس کا یہ شعر اہل سنت و جماعت کے متفق علیہ عقیدہ کا ترجمان ہے کہ حضور پُر نور ﷺ بحکم الٰہی ظاہری و باطنی اور دنیوی واُخروی خیر و برکات کے قاسم ہیں۔ فرماتے ہیں ۔

یہ چُھو نکتہ نازک زانہ سُوئے یَس آسہ نظر تیز
دارُالسلامک میزبانؑ، مہمان مدینہُک

اس حقیقت کا عرفان صرف اُن لوگوں کو ہوگا جنکی نگاہ تیز ہو، نگاہ سے مراد نگاہ بصیرت ہے پس جس طرح کور باطن ابو جہل وابولہب نے بصارت کی آنکھوں سے بار بار دیکھنے کے باوجود آفتاب عالم سے زیادہ روشن اور تابناک وجود ذی جود نور مجسّم سید عالم ﷺ کو نہیں پہچانا، اِسی طرح آج کے کور باطنوں کو بھی آپؐ کے مقامات رفیعہ کا ادراک نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید نے جنت کو دارالسلام سے تعبیر کیا ہے، حدیث نبوی اِنَّـما اَنَا قَاسِمٌ'' وَاللّٰہ یُعطی (خیر کا عطا کرنے والا اللہ جل شانہ ہے اور میں اس کا تقسیم کرنے والا ہوں) نیز احادیثِ شفاعت، مقام محمود اور حوض کوثر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اس عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تقسیم کرنے والا

حضور پرنور ﷺ ہیں، اسی طرح دار السلام کی نعمتوں کے قاسم اور ساقی کوثر بھی آپ ہی کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اسی مفہوم کو عارف جامیؒ نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

محمدؐ ہست مہمانِ خداوند
دو عالم ہست مہمان محمدؐ

ہمارے ممدوح شاعر نے اسی حقیقت کا اظہار درج بالا شعر میں کیا ہے اور جس طرح عارف جامیؒ کا شعر سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے، اسی طرح نحویؔ مرحوم نے اپنی مادری زبان میں سیدھے سادے لب ولہجہ میں ایک بڑی حقیقت کا اظہار کیا ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کا جو محاورہ سُنا ہے اس کی بہترین مثال یہ شعر ہے، نحویؔ مرحوم اور کچھ نہ کہتے تو بھی یہی ایک شعر اُن کے کمالِ فن اور صداقتِ عشق کی بین دلیل ہے۔

حدیث، اول ما خلق الله نوری اور اس معنی کی دیگر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جان عالم سید بنی آدم ﷺ کا نور مقدس تمام مخلوق سے پہلے حق تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے، اہل سنت کے اس متفق علیہ عقیدہ کو مولانا نحویؔ مرحوم نے کتنے

عام فہم، سادہ اور بے تکلف انداز میں بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے اور داد دیجئے۔

یتہِ حُسنِ ازل پیکرِ نوری بنتھ نو دراو
تتھ کائناتچہ عملہ ہند آغاز ونسنا

یہ دیکھئے ''لامکان'' کی حقیقت کو کتنے بلیغ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

یتہِ جبرئیلس پر وزن تمہِ جایہ سٹھاہ دور
پرواز کرنس عرشکوئ شہباز ونسنا

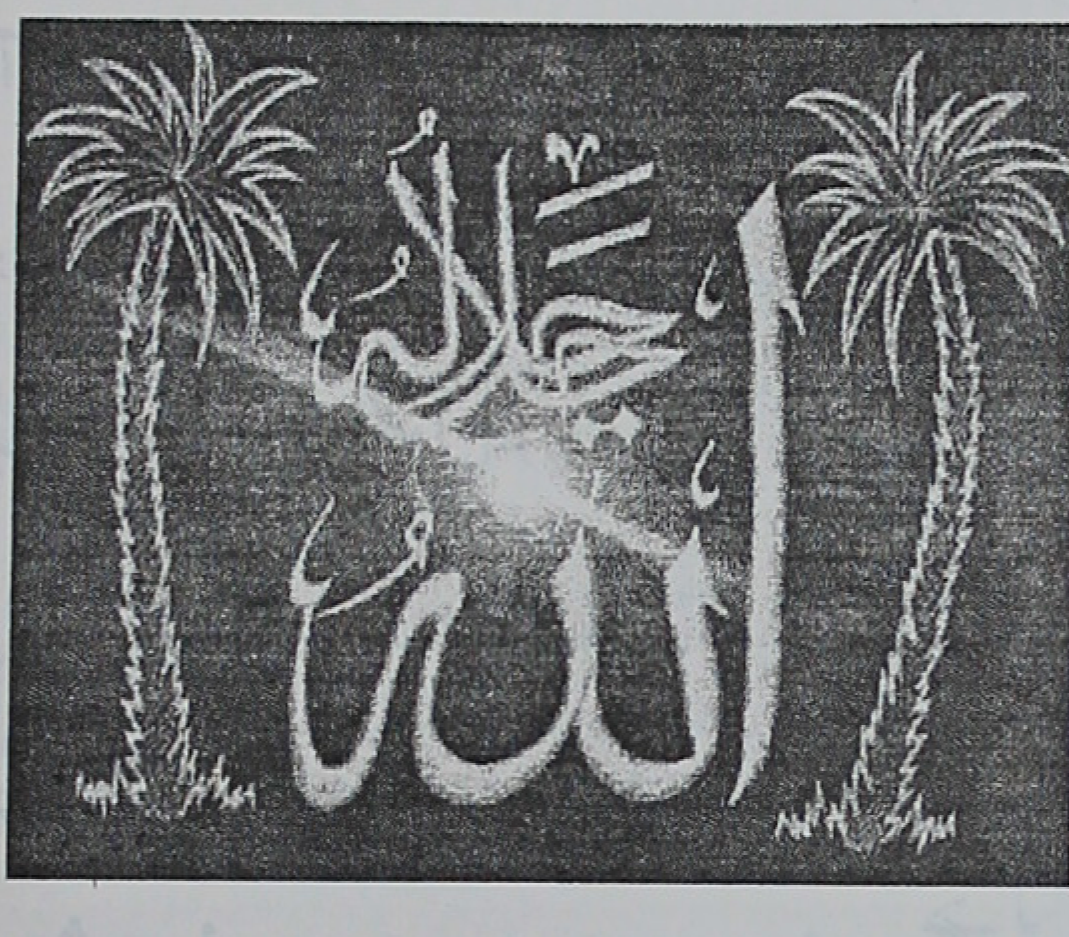
ایک اور شعر میں حضورؐ کا سفر معراج کرنا اور باعث تخلیق عالم ہونا اس طرح بیان کیا ہے۔

خلعتِ لولاک ولونے، سالہ یلہ نیونکھ حقن
کھول تم مینارِ عرشش چانو پرچم یا رسول

الغرض مولانا غلام حسن نحویؔ ایک قادر الکلام سخن ور ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بالغ نظر مفکر، کثیر المطالعہ عالم وادیب اور مبلّغ دین تھے، تقریباً نصف صدی تک وہ لتر شاہورہ پلوامہ کی مرکز جامع مسجد میں جمعہ کی خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور اپنے سامعین کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرتے رہے، ایک کامیاب اور دیدہ ور مدرّس کی حیثیت سے اُنہوں نے ہزاروں تشنگانِ علم کو اپنے علم و فضل کے چشمۂ صافی سے سیراب کیا۔ اپنی ان تمام متنوع خصوصیتوں، صلاحیتوں اور خوبیوں کے باوجود وہ فطرتاً ایک صوفی منش اور درویش صفت آدمی تھے، اُنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بھی کبھی طلب جاہ و منصب اور حصول مال و دولت کا ذریعہ نہیں بنایا اور اپنی علمی و شعری صلاحیتوں کو مشاعروں، ریڈیو یا ٹی وی پروگراموں اور اسی نوع کی تقریبوں کی نذر ہونے نہیں دیا۔ وہ صحیح معنوں میں بارگاہ رسالتؐ کے عاشق لااُبالی تھے۔

حق تعالیٰ اُنہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اپنے محبوب کریمؐ کی شفاعت سے مشرف فرمائے۔ یہ چند سطور میں نے عزیز گرامی ڈاکٹر بشیر احمد نحویؔ کی فرمائش پر بستر علالت پر بیٹھے تحریر کی ہیں۔ یہ مرحوم نحویؔ صاحب کی علمی، ادبی اور دینی خدمات اور ان کی دلآویز شخصیت پر کوئی جامع تبصرہ نہیں، ان کے عشق محبوب خداؐ کے حوالے سے مختصر الفاظ میں اپنے ناچیز تاثر کو بیان کیا ہے

اس امید پر کہ شاید اسی بہانہ سے مجھے بھی مدّ احانِ شفیع المذنبین ؐ کی محفل نورانی میں درآنے کا موقعہ ملے۔زندگی نے وفا کی تو ان کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد اپنے تاثّرات کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرونگا،ان شاء اللہ



سید رسول پونپر

خواجہ غلام حسن نحوی : میرے اُستادِ محترم !

قال رسول اللہ ﷺ لکلّ دین خلق'' و خلق الاسلام الحیآء

(بیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: رسول خُدا نے ارشاد فرمایا ہر دین کا ایک خُلق ہوتا ہے اسلام کا خُلُق حیا ہے۔

وقال النبی ﷺ۔ انّ الحیاء من الا یمان. ترجمہ: اور فرمایا نبی ﷺ نے حیا ایمان کا ایک جُزو ہے۔

مکمل مُسلمان وہی ہے جس کے اندر حیا ہو۔ جو خُدا سے بھی حیا کرتا ہو، جس نے اُسکو وجود بخشا اور اِنسانوں سے بھی حیا کرتا ہو، جن کے درمیان وہ زندگی بسر کررہا ہے۔ اُسکی طبیعت کو اُن باتوں سے انقباض ہو جو فحش اور ناشائستہ ہوں۔ وہ خدا کے حقوق اور بندگانِ خُدا کا بھی پاس ولحاظ رکھتا ہو۔

جہاں چراغ ہوتا ہے۔ اُس کے ساتھ لازماً اُسکی روشنی بھی ہوتی

ہے۔دونوں میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ چراغ تو نہ ہو مگر روشنی ہو۔ اِسی طرح ہم اِسکا تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ روشنی ہو مگر چراغ کے بغیر ہو۔ ٹھیک یہی حال ایمان اور حیا کا ہے۔ ایمان ہے تو اُسکی صفت حیا بھی ہوگی اور اگر آدمی کے اندر حیا نہیں تو اُسکا دِل ایمان کی اعلیٰ صفات سے عاری ہے۔ حیا کا پاس ولحاظ درحقیقت جمالیاتی احساس کی قدر شناسی کے مُترادف ہے۔

۱۹۵۳-۵۴ء کی بات ہے جب میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ سردی کے دِن تھے، جو روایتاً تبلیغ دین کیلئے موزون ومُناسب مانے جاتے تھے۔ ہمارے آبائی گاؤں حسن پورہ میں کبھی مولانا غلام نبی مُبارکی اور کبھی مولوی احداللہ جامی لوگوں کی دعوت پر آیا کرتے تھے۔ آس پاس کے دیہات کے لوگ بھی قُرآن وحدیث سُننے آتے تھے۔ مسجد کے اندر یا باہر جہاں جسکو جگہ ملتی ہمہ تن گوش ہوکر تبلیغ دین سے رات بھر مُنوّر ہوکر صُبح گھروں کو لوٹتے تھے۔ چھوٹی عمر کے بچے بھی اُن کے لحنِ داوٗدی کی طرف مُتوجّہ ہوتے اور درختوں پر چڑھ کر مبلّغین کے دیدار سے بھی فیضیاب ہوتے۔ محبتِ خُدا اور عشقِ رسول ﷺ کو واضح کرنے کیلئے شیخ العالمؒ کے پاکیزہ کلام اور شیخ سعدیؒ شیرازی کی گُلستان و بوستان سے اشعار کا حوالہ معانی کے ساتھ دیتے تھے۔ آنکھیں اشکبار ہوتی تھیں اور مجلس وعظ کے رُوح پرور مناظر دیدنی تھے۔ میں خود بھی وفورِ شوق میں صفِ سامعین میں

بصد اِنکسار بلا ناغہ حاضر رہتا تھا۔ مُجھے اُن ہی ایّام سے گُلستان سعدی کے یہ اشعار اب بھی یاد ہیں۔

گِلے خوشبوئے درحمام روزے
رسید ازدست محبوبے بدستم

بدو گُفتم کہ مُشکی یا عبیری
کہ ازبوئے دِلآویزِ تو مستم

بگُفتا من گِلے ناچیز بُودم
ولیکن مُدّتے باگُل نشستم

جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد
وگر نہ من ہُماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ: ایک دِن حمام میں ایک خوشبودار مٹی، میرے ہاتھ ایک محبوب کے ہاتھ سے آئی۔ میں نے اُس سے کہا تو مُشک ہے یا عبیر ہے (ایک مرکب خوشبو کا

نام جو صندل، گُلاب مُشک اور زعفران وغیرہ سے تیار ہوتی ہے) کیونکہ میں تیری دِلکش خوشبو سے مست ہوں۔ اُس نے (مٹی نے) کہا میں ایک ناچیز مٹی تھی، لیکن ایک زمانے تک میں پھول کے ساتھ رہی۔ ساتھی کے حُسن نے مجھ میں اثر کیا ورنہ میں وہی مٹی ہوں۔

اسی تناظُر میں، میں نے ایک شام اپنے ہی خانوادے کے ایک ذہین اور باصلاحیت نوعمر مُبّلغ کو اِن سطُور کی ابتدا میں درج حیا کے بارے میں احادیث پر مبنی مجلِس وعظ از بر یاد کرتے دیکھا۔ ایسے ہی جیسے کوئی مِنبر پر کھڑے ہو کر تبلیغ کر رہا ہو اور اللہ کے بندے ہمہ تن گوش ہوں۔ وہ تحریری مجلس وعظ کشمیری میں تھی اور نہایت خوشخط سیاہ رنگ کی سیاہی میں۔ میرے پوچھے جانے پر کہ یہ تحریر و ترتیب کس کی ہے؟ تو اُنہوں جواباً کہا، بجبہاڑہ کے خواجہ غلام حسن نحویؔ صاحب کی۔ میں کئی صفحات پر پھیلی اِس بصیرت افروز مجلس وعظ سے بڑا متاثر ہوا اور میرے دِل میں خواجہ صاحب سے مِلنے کا اشتیاق کروٹیں لینے لگا۔

حُسنِ اتفاق دیکھئے کہ مجھ ناچیز کے اُن ہی دنوں ہائی سکول بجبہاڑہ میں نویں جماعت میں داخلہ لئے جانے پر معلوم ہوا کہ خواجہ غلام حسن نحویؔ صاحب ہمارے فارسی اور اُردو کے اُستاد ہیں۔ یہ جان کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ جیسے کوئی موتیوں کا انمول خزانہ میرے ہاتھ لگا ہو۔ دو سال کا وہ شرفِ

تلمذ، بے لوث وپُر خلوص رشتہ راقم الحروف کا عمر بھر کا گرانقدر سرمایہ ہے۔ میں بلا تامّل وتوقّف کہہ سکتا ہے کہ میرے ادب وشعر کے جذبۂ تخلیق کو اُن ہی دِنوں تحریک ملی جب ہم اپنے طور جوابِ مضمون لکھتے وقت کُچھ کُچھ باتیں خود ہی گڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ اُن ہی کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ ہماری ناچیز تحریرات کو اللہ کے فضل سے کچھ نہ کچھ اعتباریت وتمکنت وتوقیر ملی۔ اس ضمن میں جن دوسرے اساتذہ کرام سے ہمیں شرف تلمّذ حاصل رہا اُن میں شری گنگا دھر بٹ ہیڈ ماسٹر، جناب غلام قادر جلالی، جناب مولانا کرمانی اور جناب غلام محمد سیفی بطور خاص قابل ذِکر ہیں۔ ہمارے اور اُنکے درمیان کا رشتہ یگانگت واپنائیت کا تھا جس سے ہماری فطری صلاحیتوں کو جِلا ملی اور ہم محدُود طریقہ پر ہی سہی ثابت قدمی، اِستقامت وایقان سے آگے بڑھے۔

بجبہاڑہ کی وادی کشمیر کی سیاسی اور علمی تاریخ میں اہمیت زمانۂ قدیم سے مسلّمہ ہے جو اِشاعت اسلام کے بعد بھی برابر قائم ہے چنانچہ ابُو الفُقراء بابا نصیب الدین غازیؒ کے نُورنامے (فارسی) کو لل دید اور حضرت شیخ نور الدین ولیؒ کے عارفانہ کلام کو محفُوظ کرنے کے ضمن میں اوّلین معتبر اور مُستند حوالے کی حیثیت حاصِل ہے۔ بجبہاڑہ کے علماء کے علمی تبحُّر کا تفصیلی ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں اِس لئے اکتفاء اسی پر کرینگے کہ خواجہ غلام حسن نحوؔی صاحب ایک بے مثال عالم

تھے جو لِتر پلوامہ (پرگنۂ شاہُورہ) کی مسجدِ جامع کے تادم آخر پچاس سال سے زائد عرصے تک مُبلّغ رہے۔ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ضعف ونقاہت کے باوجود تیس پنتیس ہزار اشعار بھی از بر تھے۔ اُن کے والد بُزرگوار مولانا غلام مصطفٰے مُصفّاؔ کشمیری میں سدا بہار مثنوی تاریخ الانبیاء کے مُصنف ہیں۔ وہ عربی، فارسی اور کشمیری کے جیّد عالم، خداترس بُزرگ اور مُمتاز سخن ور تھے۔

اس بات کا اعادہ کرنا یہاں بے محل نہیں ہوگا کہ ہمارے عِلمی اور تبلیغی خانوادے اور سرینگر و بجبہاڑہ کشمیر کے تعلیمی و تبلیغی خاندانوں سے قدیم روابط تھے جسکا ذکر میں نے اپنے بڑوں سے سُنا ہے۔ ہمارے آبائی گاؤں حسن پورہ، حُسن پورہ باغ اور شمسی پورہ کے نامُوں سے بھی یہ ظاہر ہے کہ اِن کا قیام چک دور کے دوران عمل میں آیا ہے، تینوں دیہات میں آج بھی پیرزادوں کے معتبر خانوادے اب بھی آباد ہیں۔ اِن کے آباواجداد کے علمی تبحّر، پارسائی واِتقا کے چرچے آج بھی زبان زدِ عام ہیں۔ قُرآن وحدیث کی تبلیغ ہی اِنکی زندگی کا مِشن رہا ہے جو آج بھی بطریق احسن جاری ہے۔

تازہ خواہی داشتن داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں قصۂ پارینہ را

نحویؔ صاحب جب بھی ملتے خندہ پیشانی اور تواضُع سے ملتے۔ دُنیوی یا علمی نُمود ونمائش کا کہیں شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔ دس بارہ سال ملازمت کے سلسلے میں شہر سرینگر میں ۱۹۷۸ء تک قیام کرنے کے بعد جب میں واپس بجبہاڑہ لوٹا تو میرے بچوں کو بھی اُنکی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ مُجھے پورا اطمینان تھا کہ میری اولاد کو بھی صحیح تعلیم وتربیت ملیگی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ فارسی اور اُردو زبانیں روایتی انداز میں سیکھنے کا موقعہ ملے گا۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ فارسی اور عربی کے کلاسیکی ادب کا مُطالعہ جدید دور میں بھی ضروری ہے کیونکہ برصغیر کی تواریخ کے مآخذ فارسی میں محفوظ ہیں اور اِس سے بالخصوص بے گانگی برتنا خود کو ناخواندگی کے گہرے اندھے کنویں میں دھکیلنے کے برابر ہوگا۔ شعروادب کا مطالعہ ویسے بھی اپنے آپ کو ایک شائستہ اور متمدن ومہذّب اِنسان کی حیثیت سے سنبھالے رکھنے کیلئے ضروری ہے۔

۱۱ نومبر ۲۰۰۵ء مطابق ۸ شوال المکرّم ۱۴۲۶ھ یومُ الجمعہ کو میں نے اُن کے واصل بحق ہونے کی خبر سُنی تو مجھے لگا کہ روایتی علم وآگہی اور تبلیغ واِشاعت دین کا سورج ڈوبا اور ہم بھی اندھیرے میں ڈوب گئے۔ قرآن وحدیث اور شعرو ادب کا رمز شناس ہم سے رُخصت ہو چکا ہے۔ مجھے سچ مچ اِس بات پر یقین ہی کرنا پڑا۔ ''کُل نفس ذائقة الموت'' ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا

ہے۔نحوی صاحب کی جُدائی کے غم میں ساری بستی ماتم کدہ بن گئی۔اُن کے شیدائیوں کا اُنکی قیام گاہ پر تانتا بندھ گیا۔کشمیر میں خاص کر بجبہاڑہ کے گردونواح میں تبلیغ کی روشن قندیل بُجھ گئی تھی۔میں نے بھی اپنے اِس رفیق محترم اور عالم بے بدل کے وِصال کی تاریخ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں یوں باندھی ۔

ماہ نومبر الجمعہ یومُ دراو
وصال سالِ پانژھ ساس ز سنہ

ہجری شتووَہ ۱۴۱۹ شتھ ژودہ گوو
شوال آٹھ اوس ۱۴۲۳ نحوی رُوش

بوز العالم مَوتُ چُھ العالم مَوت
احوال دِلگ وَنے ہم پرژھہ ژٕ کیا

بجبہاڑہ کی مُردم خیز مٹی سے بہت سے جید علما،فُضلاء،فُقہاء اور شعراء اُٹھے ہیں جن میں خواجہ غلام مصطفٰے مصفاؔ بھی شامل ہیں جو رسُول میر کے ہمعصر تھے اور عاشق رسُول ﷺ ہونے کے علاوہ اعلیٰ پایہ کے کشمیری شاعر بھی تھے۔

اِس طرح نحویؔ صاحب کو عرفان و آگہی کے سُوتے ورثے میں ملے۔ جنہیں وہ متاعِ عزیز سمجھکر آگے بڑھاتے رہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اُنکے فرزندِ ارجمند ڈاکٹر بشیر احمد نحویؔ اُنکے چھوڑے ہوئے ورثے کو محفوظ رکھیں گے اور اپنے خاندان کی صحت مند علمی، ادبی، شعری اور تہذیبی روایات کو اور زیادہ آب و تاب کے ساتھ آگے بڑھاتے رہیں گے۔

نحویؔ صاحب ہمہ جہت دینی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ عالم، فاضل، شاعر، اِنشاء پرداز، ادیب اور اعلیٰ پائے کے شعلہ بیاں واعظ اور مُقرّر تھے لیکن وہ تشہیر کے قائل نہ تھے، وہ مشاعروں میں کم ہی شریک ہوتے تھے۔ وہ مُشفق، دیانت دار اور ایماندار مُدرِّس تھے۔ جیسا کہ میں پہلے ہی عرض کر چُکا ہوں کہ اُنہوں نے شعر و شاعری کو کبھی بھی اپنی تشہیر کا ذریعہ نہیں بنایا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ آج تک یعنی تادمِ آخر کوئی شعری مجموعہ یا نعتوں کا کوئی ایک گلدستہ چھاپنے کی طرف راغب نہیں ہوئے۔ نحویؔ صاحب شعری روایات، رمز و ایما اور نعت کی باریکیوں سے واقف تھے۔ وہ بڑے شعر شناس تھے۔ وہ سرورِ کائنات حضرت محمد مُصطفٰےؐ کے سچے عاشق تھے، جسکا اندازہ اُنکی نعت گوئی سے لگایا جاسکتا ہے۔

ییو تہٕ جلوہ دیو لاعلاج دأدِ بَلَن
مزاج بَدلہِ زمانس تہٕ پرأنی داغ ژَلَن

ٹلو نِقابِ یَمانی بہار پیہ چَمنِن
نظر گرِو تۃِ خزاں دیدہ لولہٖ باغ پھولن

وِتھو تۃِ سَروِ سہی پا بگل گڑھنَ رُوزِتھ
بِہو تۃِ تازٕ چمن برگ بَرگ غازہ مَلَن

کرِوَ نگاہِ عنایت چُھ بَس تِتے درکار
سِیاہ نامۂ نحوؔی بۂ آبِ عفُو چھلن

مُصطفٰے یِوٚ دنعت خوانٛن منز تَمِس کر ہے شُمار
خوش نصیبی پَننہِ پٹھ نحوؔی تۃِ توشَن آسہے

رَولوسہِ' سمندر ہو کھنِ دریا گڑھن ناپید
جاری تۃِ سأری تا اَبد فیضان مدینٕگ

ہوش رومُت نحویٓس خاموش فریادی بنِتھ
گوش تھٲوی تو س دِلحزینس یا محمد مُصطفٰیؐ

تاجدٲری کایناتس پیٹھ عطا کرنے حقن
لاج ژیٚڈ تھاوتھ یقینس یا محمد مصطفٰیؐ

خلعتِ لولاک وۄلنے سالہٕ یئلہٕ نیوٗنکھ حقن
کھورتمی مینارِ عرشس چون پرٛچم یا رسولؐ

ایک عدیم المثال مبلّغ اور عالم دین و خادم مِلّت کی حیثیت سے جناب غلام حسن نحویؔ صاحب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قصبہ بجبہاڑہ اور اطراف و اکناف میں رہنے والے لوگ مساجد کی تعمیر کے مواقع پر مادہ ہائے تاریخ اُن ہی سے لکھوانے کو باعثِ برکت وسعادت جانتے تھے۔ یہاں چند ایک اُن میں سے قارئین کی دلچسپی کیلئے درج کئے جاتے ہیں

تا کہ فارسی زبان میں یہ مادہ ہائے تاریخ باندھتے وقت اُنکے اشتیاق، خشوع و خضُوع کا بھی بخوبی اندازہ ہو سکے۔ یہ محض الفاظ کے نگینے جوڑنے کا فن ہی نہیں 'عقیدت کی کرامت ہی ہے جو نحوؔی صاحب کے صریرِ خامہ میں شِدّت وحِدّت لاتی اور ایقان و ایجاب کو چھولیتی ہے۔ ہر قطعہ کے چار مصرعوں کے پہلے چار حروف سے تخلص بھی برآمد ہوتا ہے، فنِ شعر میں یہ ترشیح کہلاتا ہے۔

تاریخ سنگِ بُنیاد، تعمیر جدید مسجد بازار

روز شنبہ ۲۸ رجمادی الاوّل ۱۴۱۷ھ

مُطابق ۱۲/۱۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظر نواز و دِل آر بہ صورتِ گُلزار
حمام ورفعتِ مینارِ مسجدِ بازار
وجود داد بشنبہَ بنا مہہِ پنجم
"یَسارِ ساحلِ جہلمِ زیارتِ فنکار"

سنگ بُنیادِ تعمیر جدید مسجد و حمام غازی

دوشنبہ ۱۲؍ربیع الاوّل ۱۴۱۷ھ

مطابق ماہِ جولائی ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ حمامِ ثانی رازی
حُبّ میلادِ سرورِ تازیؐ
وقت بُنیاد زد ندا ہاتِف
''یاد کُن درجِ مسجدِ غازیؒ''

مادۂ تاریخ تعمیر جدید مسجدِ حافظ صاحبؒ

بروزِ چہارشنبہ ۱۱؍ماہ ربیع الثّانی ۱۴۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نُورِ قُرآں جلوہ گر شُد درممالِک چار سو
یادگارِ مسجدِ حافِظؒ قدیمی آرزو
حُبّ مسجد در قلوبِ اہل ایماں موجزن
وحدَت فکرو نظر درحق پرستاں گو بگو

یک ندا در گوشم از تاریخ تعمیرش رسید
''فرحتِ قلب و نگاہِ موموناں شُد یادِ ہو''

اِن مادہ ہائے تاریخ میں اطاعتِ خداوندی کے ساتھ ساتھ حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجزن ہے کیونکہ اُنکو مولانا جامی کی زبانی معلوم ہے کہ ۔

یا رسول ِ ہاشمیؐ دارُ السلامم روضہ ات
کعبۂ من قبلۂ مَن دینِ من ایمانِ من!

جہاں خود اللہ تبارک اللہ تعالیٰ ذاتِ اقدس کا مدح خواں ہو اگر وہاں نحوؔی صاحب کی نعت خوانی بھی تائید یزدانی کی مرہونِ منّت ہو تو کیا عجب کہ بارگاہِ ایزدی میں عجز و اِنکساری محبوب ترین شے ہے ۔

بیاں نعتِ نبی کر نک اوُنتھ کتہِ نحوؔیاہ طاقت
نہ چُھے علماہ، نہ کانہہ عملاہ، یہ گو و تائید یزدانی

پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی

مولانا غلام حسن نحویؔ کی نعت گوئی۔ایک جائزہ

مولانا غلام حسن نحوی صاحب مرحوم بجبہاڑہ کے مردم خیز علاقے کے ایک ایسے باکمال عالم، واعظ اور معلّم تھے کہ ان کے سامنے بلا مبالغہ سینکڑوں طالبانِ علم اور صاحبان ذوق نے زانوئے ادب تہہ کیا ہے۔ان کے بارے میں شہید حسن البنّاؒ کا یہ قول صادق آتا ہے کہ اَنَا اُصَنِّفُ الرِّجَال "یعنی میں شخصیتوں کو تصنیف کرتا ہوں جو بعد میں کتابیں لکھتے ہیں۔ حسن البنّاؒ نے یہ جواب اس سوال کے بارے میں دیا تھا جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ نے کون سی تصانیف تیار کی ہیں۔مولانا غلام حسن نحوی صاحب نے اگر چہ زیادہ مطبوعات شایع نہیں کی ہیں مگر ہزاروں طلبہ ان کے حلقہ درس میں رہ کر فیض یاب ہوئے ہیں۔آپ کے فرزندار جمند پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب کی دل نوازاور علم پرورذات میرے

اس دعوے کی سب سے بڑی دلیل ہے مولانا نحویؔ عربی، فارسی، اردو اور کشمیری چاروں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ لیکن نعتِ نبی ﷺ کی طرف طبیعت خاص طور پر مائل اور آپ کی نعتوں میں عربی نعت گوئی کے علاوہ فارسی اور اردو نعت گوئی کا عکس نظر آتا ہے اور جہاں تک کشمیری زبان کے اہم ترین نعت گوشعرأ کا تعلق ہے، ان سے مرحوم کی شناسائی کا پتہ چلتا ہے۔ مگر مرحوم کی نعت گوئی کا خاص امتیاز یہ ہے کہ تلمیحات اور اشعار کے علمی آب و تاب اور گہری بصیرت کا منہ بولتا ثبوت بن کر سامنے آتے ہیں۔ معراج، خلافت، معرفت، شفاعت، اور خلق عظیم جیسے بیسیوں موضوعات کو اپنی نعت گوئی میں مولانا نحویؔ نے بڑے خوبصورت اور تخلیقی انداز سے اجاگر کیا ہے۔ ایک طرف مولانا جامی کا عرفانی اور روحانی تخاطب نظر آتا ہے تو دوسری طرف علامہ اقبالؔ کا شکوہِ جلال و جمال مولانا نحوی کی شاعری میں جلوہ گر ہے۔

مرحوم نحویؔ صاحب نے سائنس کی تازہ ایجادات سے اپنی واقفیت کا ثبوت بھی اپنی شاعری میں پیش کیا ہے اور انسان کے تسخیر قمر کو آئندہ ہونے والی سائنسی پیش کاریوں کی تمہید قرار دیا ہے مگر ساتھ ساتھ انسانیت کی اس زبون حالی کا احساس بھی دلایا، جو آج کے مادہ پرست انسان کا مقدر بن چکی ہے۔ یہاں

بھی علامہ اقبالؔ کے اثرات کارفرما نظر آرہے ہیں۔ چنانچہ خلائی کولمبس (آرم اسڑانگ) سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں۔

وہ وقت دور نہیں اے فضا کے پردیسی
نظر میں تیری جو پہنائے مہرو ماہ رہے

بلندیوں پہ پہنچنے کا حق ہے انساں کو
مگر ہے شرط کہ پستی پہ بھی نگاہ رہے

ان اشعار کو پڑھکر بے ساختہ ذہن علامہ اقبالؔ کے ان اشعار کی طرف متوجّہ ہوجاتا ہے، جن میں علامہ نے فرمایا ہے کہ ستاروں کی گذرگاہوں کو تلاش کرنے والا انسان اپنی زندگی کی تاریک شب کو سحر کرنے سے قاصر رہا۔ اسی طرح حسنِ فطرت سے بے انتہا اثر پذیری لینے والا ان کا ''اہرہ بلک یہ آبشار'' کلام بے مثال ہے۔ مگر جیسے کہ پہلے کہا گیا مولانا نحویؔ مرحوم کی طبیعتِ سلیم نعتِ رسول ﷺ کی طرف زیادہ رجحان رکھتی تھی۔ خواجہ غلام حسن نحوی مرحوم اپنی ایک جاندار پُرمغز اور تاریخی و دینی معلومات کی ایک پوری کائنات اپنے اندر چھپانے والی

نعت میں رسول ﷺ کے ان عظیم کارناموں پر سے پردہ کشائی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسا باکمال وجلال حکمران بنایا کہ آپؐ کی رسالت سے عرب کے شتربان جو تہذیب وتمدن کی تمام علامتوں سے کوسوں دور تھے، دنیائے انسانیت کے مثالی سلطنت ران بن گئے اور ان کی مثالیں تاریخ میں نمونے کا کام دینے لگیں۔ آپؐ نے راہ ہدایت سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو نور اسلام سے منور کیا اور یہ اتنا بڑا احسان ہے، جس کا شکریہ پوری دنیا اور کائنات ادا کرنے سے قاصر ہے۔ آپؐ نے رنگ، نسل حبشی، رومی، عربی، ہندی اور ایرانی قسم کے تعصّبات اور تفوقات کو زمین بوس کر دیا اور تقویٰ کو انسانوں کے درمیان معیارِ فضیلت بنا کر پیش کیا۔ توحید کی عظیم تعلیم سے آپؐ نے دلوں کو راز ہائے سربستہ کا نہاں خانہ بنا دیا۔ آپ ﷺ کی مدح سرائی آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانے میں کرتے رہے ہیں۔ روحانی اقدار جن کی آبیاری تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانے میں کی تھی کو آپ ﷺ نے جامع انداز میں دوبارہ نہ صرف زندہ فرمایا بلکہ اس کو تکمیل تک پہنچایا بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مکارِمِ الاخلاق کا مژدہ پوری دنیا نے سنا۔ نعت نبی ﷺ کی اس عظیم سعادت کو تائید یزدانی قرار دیتے ہوتے مرحوم نحوی صاحب کہنا چاہتے ہیں کہ نعت لکھنا آسان نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے کی مدد و نصرت حاصل ہو تب جا

کے آدمی یہ عزت حاصل کرسکتا ہے۔

خداین کائناتس پیٹھ عطا کرنی ژ سلطانی
ژ اد باوتھ شتربانن رموز سلطنت رانی

اونتھ نورِ ہدایت آدمیت آسی وتہِ رأمژ
یہ احسان چون نکھِ والتھ ہکیاہ زاہ نوعِ انسانی

پتھر پی رنگ و نسلک آس یم دیوار مصنوعی
کونی گے حبشی و رومی،عرب ہندی تہٕ ایرانی

ز آدم تا مسیحا پرتھہ نبی پننس زمانس منز
کران گامت بامرِ حق ادا چانی ثنا خوانی

یہ مانن پیو زمانس اُوس فیضانِ نظر چونی
عیاں گوو زورِ حیدرؓ،فقرِ بوذرؓ صدقِ سلمانیؓ

بیان نعتِ نبی کرنک اونتھہ کتہِ نحویاہ طاقت
نہ چھوی علماہ، نہ کانہہ عملاہ، یہ گوو تائید یزدانی

اپنی ایک دوسری نعت میں خواجہ غلام حسن نحویؔ، جنابِ رسول اللہ ﷺ کے ان عظیم احسانات کی وضاحت فرماتے ہیں جو آپ ﷺ نے انسانیت پر کئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوری زمین کو مسجد کا مقام عطا کیا اور شخصی نظام کو ختم کر کے خلافت النبی کا عدل پرور دور شروع فرمایا۔ آپ ﷺ نے قیصر و کسریٰ اور فغفورِؔ چین کی غلامی سے دنیا کو نکالا اور اللہ کی عبادت اور غلامی کے حوالے انسانوں کو کیا تا کہ ان کی زندگی کا وہ مقصد پورا ہو جائے جس کے لئے ان کو تخلیق کیا گیا تھا۔

سر وندے ژے نازنینس یا محمد مصطفےٰ
والقمر روشن جبینس یا محمد مصطفےٰ

آو دستورِ خلافت ملک و دینک امتزاج
ناو مسجد پیو زمینس یا محمد مصطفےٰ

بوش وولتھہ قیصرؔ بستر بناوتھ بوریا
ہوش ڈول فغفورؔ چینس یا محمد مصطفےٰ

ایک اور نعت میں مولانا نحویؔ مرحوم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس دونوں جہانوں کی رونق اور آپ محسنِ انسانیت ہیں۔ آپؐ حضرت موسیٰؑ کی تمنا تھی کہ آپؐ کی امت میں شامل ہو جائیں اور حضرت عیسیٰؑ آپؐ کی ولادت کی بشارت دیتے رہے۔

ذات چانی محسنِ اولادِ آدم یا رسولؐ
چانہ سیتن رونقِ بزم دو عالم یا رسولؐ

پورِ عمرانس تمنا امّتی چانوی بُنن
چانہ میلادک مبشّر ابن مریم یا رسولؐ

زیب تن چھون جامہ کورمت چانہ ہجرانہ سیاہ
کعبہ اوش ہاراں بشکل آبِ زم زم یا رسولؐ

بے سرو ساماں یوان چھی یاد گٹھ راژن اندر
خواب نازس رخنہ پاوان امتک غم یا رسولؐ

پایہِ بڈِ نحوؔی چھو بردر رحمتچ امید ہیتھ
ضایہ متہ کرتس دلچ ستھہ کیاہ گژھی کم یا رسولؐ

رسول اللہ ﷺ کی محبت میں بے قرار اور آپؐ کے فراق میں بے تاب مولانا نحوؔی استدعا کررہے ہیں۔

حجازی لالہ ییہِ نا سالہ امشب
کرس ینبرزلن بو مالہ امشب

کرس ٹاچھن اچھن منز پوشہ ورشن
بھرس بو لولہ مسہ کی پیالہ امشب

آپؐ شافعِ محشر ہیں اور کائنات کے وجود کے باعث آپؐ کی ذات پاک اوصافِ حمیدہ کی حامل ہیں۔ آپؐ نے دنیا کو حجتہ الوداع کے موقعے پر دستور

حیات کے نقوش پیش کئے۔اور آپؐ کی تعلیمات مجموعی طور پر نجات کا ذریعہ ہیں۔

خطبہ عرفات دستور حیات
خطبہ عرصات منشورِ نجات

اپنی مہجوری اور دوری کے درد و کرب سے مضطر اور مضطرب مرحوم نحویؔ جناب رسول اللہؐ سے ملتجی ہیں ''نگاہ ہے یا رسول اللہؐ نگاہ ہے''۔

یا نبیؐ لولہ تب میہ چھُم نہ ہمن
زولنم دورِرَن دلک خرمن

ناز نینا چھ اکھ نظر کافی!
تازہ گژھ ہن خزاں رسیدہ چمن

مشکبو چانہ گی معطّر باغ
رشکِ جنت بنا یہ کوہ و دمن

وود اچھو لولہ چانہ مثل سحاب
تھد ٹلو نا نقاب بردِ یمن

ٹاٹھی چھم چان تم سیکل صحراو
ٹارہ ما چھم کھسان میہ گنگ وجمن

گنگا و جمنا کی لائی ہوئی شادابی کو صحرائے عرب کے سامنے حقیر قرار دے کر نحوؔی مرحوم فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ عرش کے شاہباز ہیں۔

یتہِ جبرئیلس پر دزن تمہ جایہ سٹھاہ دور
پرواز کرنس عرش گوی شہباز ونسنا

بلغ العلیٰ یم لولہ گلن مال بناوٗن
نحوؔی تمس بو بلبلِ شیرؔاز ونسنا

مرحوم نحوؔی صاحب نے رسول اللہؐ کے جلوے کو تمام روحانی بیماریوں کا

علاج قرار دیا ہے اور زمانہ کی گردش کو بھی آپ ؐ کے چشم و ابرو کے اشارہ کا پابند۔

ییو تہ جلوہ دیو لا علاج داد بلن
مزاج بدلہ زمانس تہ پرانی داغ ژلن

تو لیو نقاب یمانی بہار ییہ چمنن
نظر کرو تہ خزان دیدہ لولہ باغ پھولن

حضرت ابراہیمؑ جن کو آپ مرحوم نے خلیل الرحمٰنؑ کے خوبصورت لقب سے موسوم کیا ہے کی مدحت کے دوران وہ بے ساختہ ذکر رسول اکرم ؐ کر جاتے ہیں۔

یُس چُھو جدِّ رحمت'' للعالمین
مقتدائے اولین و آخرین
رَبّ ِھَبْ لِی یم منگن کم گُل پھلس
بوزتم صَدَّقتَ ساری غم ژلس

ایک دوسری نعت میں مرحوم نحوؔی صاحب حبِ نبویؐ کے اثرات کا احاطہ

کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہے۔

یثربک ساقی اگر نئے چاوہ ہے جام رحیق
کریۂ مستی معرفتہ کئن بادہ نوش آسہ ہئے

علم وحکمت باوۂ ہے نئے عالمس اُمّی لقب
زان کتہ تہذیبہ چی خانہ بدوش آسہ ہئے

مصطفیٰؐ یُد نعت خوانن منز تمس کرہ ہے شمار
خوش نصیبی پننیۂ پیٹھ نحوؔی تہ توشن آسہ ہئے

''معراج کی رات'' عنوان سے اپنی ایک رُباعی میں اردو زبان میں نحوؔی صاحب مرحوم سفر معراج کو ''موشگافِ رازِ وحدت'' قرار دیتے ہیں۔

موشگافِ رازِ وحدت محرم اسرارِ ذات
جنکی شخصیت ہے وجہِ اوّلِ اظہار صفات

ایک شب بطحا سے ارضِ ایلیا تک سیر کی
عالمِ بالا کے نظارے کی خاطرِ التفات

اسطرح دیکھا جائے مرحوم خواجہ غلام حسن نحوؔی صاحب نے روایتی نعت گوئی سے بالکل اعتنا کرتے ہوئے فارسی، عربی اور اردو نعت خوانوں کی طرح اپنے والہانہ جذباتِ عقیدت ومحبت کو دربار رسالتؐ میں پیش کیا ہے۔ البتہ بعض نئے اور اچھوتے زاویے نعت گوئی میں پیدا کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مثلاً زمزم کو ہجر رسولؐ میں کعبہ شریف کا گریان ہونے سے تشبیہ دینا یا غلاف کعبہ کا سیاہ ہونا۔

جامہ کعبن وول سیہ تس زمزمک اوش دھاری پوک
یام ہاوتھ موکہ مدینس یا محمد مصطفٰےؐ

یہ اور اسی طرح کے بعض دوسرے منفرد پہلو یقیناً نحوؔی صاحب کی بلندیٔ تخیل اور زیرکیٔ احساس پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر چہ ایک طرف مرحوم نحوؔی صاحب مولانا جامؔی کی لے میں روئے زمین کو آپؐ کی برکت سے مسجد بنتے ہوئے محسوس کرتے ہیں مگر دوسری طرف معراج مصطفٰےؐ کو اقبالؔ کی طرح سربستہ

رازوں کی دریافت کی طرف ایک قدم بھی قرار دیتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

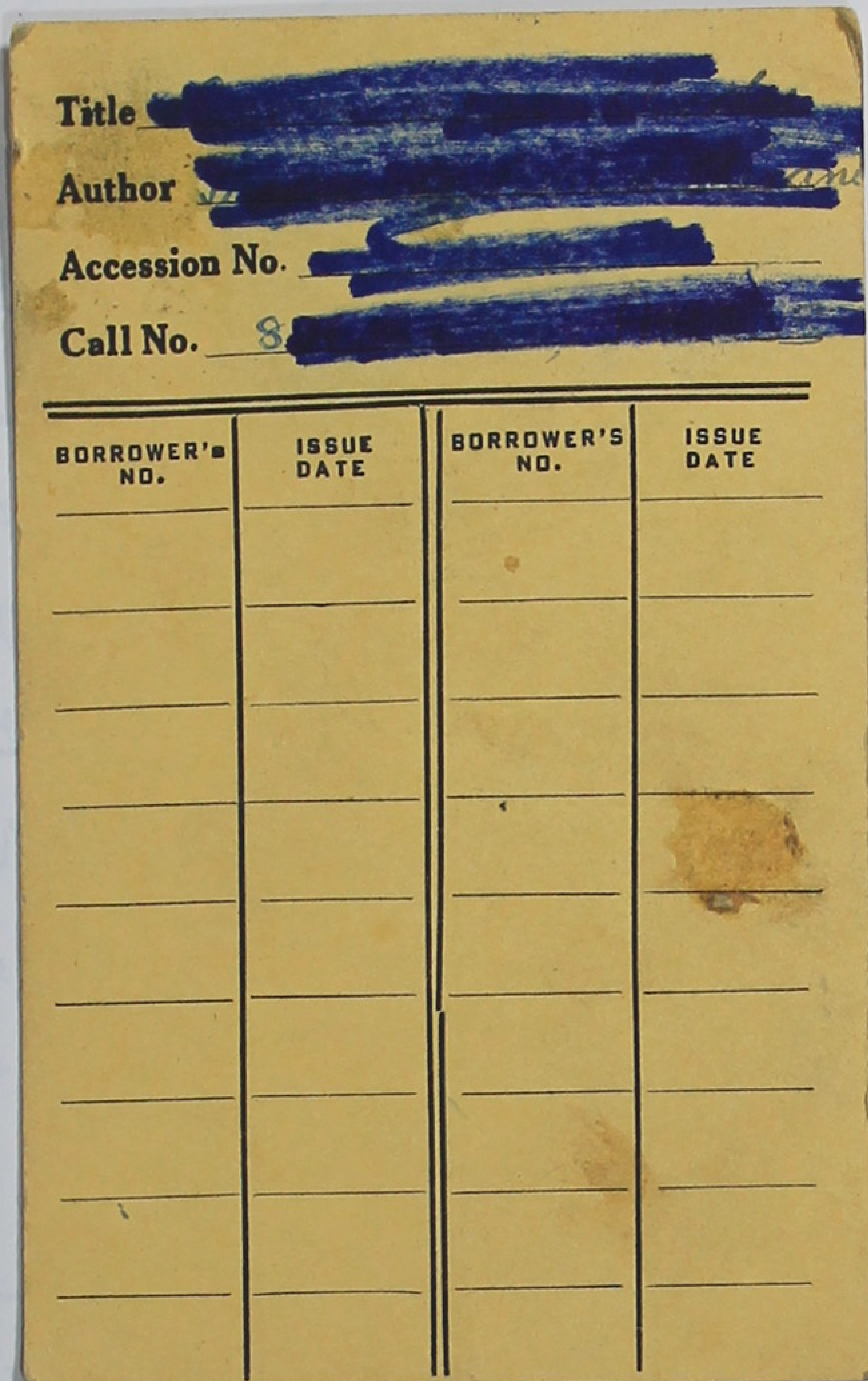
اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ نحوؔی مرحوم ایک نعت گو شاعر کی طرح اس اہم صنفِ سخن میں کامیابی کے ساتھ اپنا دامنِ مراد بھر لینے کے بعد سرخرو ہو گئے ہیں۔

تھزراو حقن عالمس منز شان مدینک
جبرئیل امین ہتھ ملک دربان مدینک

تقویٰ چھ خیرُ الزاد اگر قصدِ حرم چھوی
پُر سوز دل آسُن چُھو نُن سامان مدینک

اس بات سے دل کو شادمانی ہوتی ہے کہ ہمارے دور کے نعت گو شعرا اگر چہ مروّجہ دینی و مشرقی علوم سے کم و بیش کما حقہ محروم تھے مگر جہاں تک ان کی روحانیت اور خاص طور سے ذات اقدس رسولؐ کے ساتھ والہانہ عشق کا تعلق

ہے، وہ اس میں کامل اور مکمل تھے۔ مگر یہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ کشمیری شعرا اکثر و بیشتر مروجہ تعلیم و تعلم سے منسلک رہنے کے باوجود اپنی دینی اور تہذیبی شاعرانہ اثاث سے روز بہ روز تہی دامنی کا ثبوت فراہم کرتے نظر آرہے ہیں۔ مگر ان شعرا میں مرحوم غلام رسول نازکی، مرحوم مرزا عارف بیگ، پروفیسر مرغوب بانہالی اور خاص طور پر مولانا غلام حسن نحویؔ مرحوم اس بات کے لئے قابل ستائش ہیں کہ ان اعلام نے اگرچہ زبان و بیان کے سلسلے میں نئے نئے تخلیقی تجربات ضرور کئے ہیں مگر اپنے تہذیبی، دینی، روحانی اور عرفانی ورثے سے چشم پوشی کے مرتکب نہیں ہوئے، اور جہاں تک نعت رسولؐ کی مبارک صنف سخن کا تعلق ہے اس سلسلے میں حسان بن ثابتؓ سے لیکر علامہ اقبالؒ تک جو بے مثال تخلیقی کارنامے دنیا نے دیکھے ہیں اُن کی روشنی میں چلتے ہوئے اپنی حیثیت کو منوانے میں کامیابی حاصل کی ہے اور اس طرح عوامی مقبولیت کے علاوہ بارگاہِ ایزدی میں بھی شرف قبولیت کے لئے زادِراہ پیدا کرنے کی سعی ہے۔



Title [redacted]

Author [redacted]

Accession No. [redacted]

Call No. [redacted]

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

ڈاکٹر شاد رمضان

مولانا نحوؔی سنز نعت نگاری۔ اکھ جائزٕ

نعت چُھ مولہٕ تلہٕ عربی لفظ تہٕ معنہ چھُس مدح، تعریف تہٕ توصیف۔ عربی زبأنی منز چھ نعت بطورِ صفت اِستعمال سپدان یُس اکھ نحوی اصطلاح چُھ۔ کلاسیکی عربی لیس منز چھُنہ تِمن منظومن نعت وننہٕ آمت یِم حضرت محمد مصطفیٰؐ ہندس شانَس منز وننہٕ یاباوننہٕ آمتۍ آسَن بلکہ چُھ تِمن منظومن ہندِ باپتھ لفظ ''مدح'' ورتاونہٕ آمت۔ فارسی زبأنی منز آو نعت تِمن منظومن یا تِمن شعرن وننہٕ یِم آنحضورنؐ ہندس شانَس منز وننہٕ یوان چھ تہٕ اتھی معنہِ مفہومس منز ووت نعت کأشرس منز۔ محققن ہند خیال چُھ ز عربی زبأنی منز چھ امہِ موضوعی صنفہِ ہند آغاز تمہِ قصیدہ سہتۍ سپدان یَس محمد مصطفیٰؐ ہندس شانس منز تہندی پِتٕچہ بابہ ابو طالبؓ لیکھان چھ، امہِ قصید کۍ ستھ شعر چھ ابنِ ہشامؒ پننہِ ''سیرۃ النبیؐ'' ناوِ چہ کتابہ منز نقل کران چھ۔ دیان یہ قصیدہ اوس حضورنؐ سیٹھاہ پسند۔ یتھ متلق ابن ہشامؒ ریوایتھ دتھ لیکھان چھ زِ اکہِ دوہ ووتھ عربس منز ہوکھیہ سہتۍ دراگ۔ مدینکۍ لوکھ آیہ

آنحضورنٔ ہندس خدمتس منٛز یہِ عرض ہیٚتھ زِ یارسول اللہؐ خداوند کریم سٕندس دربار س منٛز کرِو حض رۄد پنٕہٕ باپتھ دُعا۔ آنحضوروؐ کوٚر مسجدِ ہندس منبرس پیٹھ کھسِتھ دعاوُنہِ اَسی تَم منبرٕ پیٹھ بون وسنےٚ تہِ تیتھ رۄد وولن زلوکن گوو یُپ کھسنک اندیشہ۔ یہِ صورت حال وچھتھ چھِ آنحضورؐ فرماوان " اَللّٰھُمَّ حوالینا ولا علینا " اَوٚ برگوو چھلہ چھانگرِ تہٕ نَب گوو صاف۔ امہِ پتہٕ چھ آنحضورؐ فرماوان۔ " ہرگہہ ابو طالبؓ ازتک یہِ دوہ اچھو وچھہن، تم گژھہن سیٹھاہ خوش "۔ اَکی صحابیٚ ین کوٚر عرض یارسول اللہؐ تہند ارشاد چھُ شاید ابو طالبؓ سٕندس یتھ شعرس کُن۔

وَابیض یستسقی الغمام بوجھہٖ

ثمالَ الیتامیٰ عصمۃٌ لِلْاَرامِلِ

اَوٚ برٕ نَب چھُ تہندِ ن نازنین روخسارن ہندِ پرٛزلونہِ نورٕکہ برکتہٕ رحمت باران ہیٚتھ پراران۔ تم چھِ یتیمن ہندی غم خارتہٕ موٚنڈن ہندی پالن ہار

حضورؐو فرموو " بے شک "

کیٚژن محققن ہند خیال چھُ یتہِ زِ عربی زبانٕی منٛز سپد نعت صنفہِ ہند آغاز تمی وِزِ ییٚلہِ محمد عربیؐ مکہ شریف پیٹھ ہجرت کرتھ مدینہ شریف وٲتی تہٕ مقامی قبیلن

ہنز مستوٗرات وڑا یہ تمن درِیٔ گنڈ تھ ہری ونہٕ وان ونہٕ وان برونٹھ استقبال س۔

بہر حال یہ چھ اکھ بحث طلب معاملہٕ اما پوٗز یہ پزر چھ ٹاکارٕ زِ آمس شانہ بڈس پأغمبر سند گوڈینک نعت خوان چھُ پانہ پروردگار۔قرآنِ مجیدک واضح ارشاد چھُ۔''اِنَ اللہ وَملٰئکتہٗ یُصَلُون علی النبیؐ یا ایُھاَ الذین آمنو صلُو علیہِ وسَلمُو تسلیما''

(خوداے تہٕ تمی سندی ملائکہ چھ نبیؐ یس درودٕ سوزان۔ایمان والو تُہی تہٕ سوزو تمن پیٹھ درودٗ'')

یا آسِ عظیم مرتبہ وأل س تہٕ شانہ بڈس پأغمبر س کُن مخاطب سپد تھ قرآنی تصریحاتن ستیٖ مطابقت تھاون وول خداوند کریم سندیہ ارشادٗ''لولاکَ لَما خلقت الا فلاک'' یتھ عاشقِ رسولؐ'' وما ارسلناکَ الا رحمتہً اللعالمین ''لقب پرٲون وأل س پأغمبر س پیٹھ خوداے سند عطا کوٗرمت تاج گنز ران چھ۔

سرن سر سون پأغمبر قبا لولاک لَب کوثر
یوٗ ہے چھم یاور و داوٕ دیوٗ ہے دلدار چھے میوٗنے
حقانی

کأشرس منز ووت نعت فارسی پٹھ ییمکی ابتدأیی انہار حضرت شیخ العالمؒ

سندس کلامس منز ٹاکارٕ چھ۔

پأری پأری لگی زٕتس پأغمبرس
یسندس دورس رحمت چھے جأری

کأڈی ییٚلہ ہکھ لگہِ روزِ محشرس
تسی کُن ووٚمید وار آسن سأری

حضرت شیخ العالمنؒ پیٹھ ازتام چھ الہٕ پلہٕ تیرتھ کانٛہہ کأشر شاعر زنتہٕ بجہِ ہنٛد سنتھٕ کون بیتھ حضرت یوسف علیہ السلام ملی ہبنٕہ کہ ماٚرمتہِ اتھ صنفہِ منز قلم آزماوان۔ خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ تہٕ فاخر کاشمیری یَس پتہٕ چھ محمود گامی، ولی اللہ متو، قطب الدین واعظ، ثنا اللہ کریری، مقبول شاہ کرالہ وأری تہٕ عبدالاحد ناظم اتھ صنفہِ میقد ارلحاظ کأفی برزٕرکران ییٚمہِ ستی کأشرس منز امہِ مقدس شعرٕ زأر ہندؤ یم مگر اہم پڑاو عزیز اللہ حقأنی ییٚمی اتھ موضوعی صنفہِ ہُنْ تنہلی آ گہی تہٕ تخلیقی ہونزمندی بخشتھ امیک فنی مرتبہ نیچھنو و۔

گوو جہاں تازٕ برخسارِ رسولِ عربیؐ
روٹ گلو مشک زِ گفتار رسولِ عربیؐ

نیٖرِ سردارِ عرب جلوٕ دوان در عرفات
مِشتُگ جامہٕ ہلم دارِ رسول عربیؐ

ژے کیٛا اے چرخ دوٗں پرورِدس منٛز خار چھے میٛون
نظر کر در دُو عالم مصطفیٰؐ غم خار چھے میٛون

اَمی مخصوص، سرتازٕ لِلبِحن بخش کأشرِس نعتس اکھ نوٚو مزاز تہٕ آہنگ یمِو کأشرِس منٛز نعت گوئی ہنٛدِ اکہ نِوِ دورک دسلابہ کوٚر۔ اتھ نونِس تہ دوٚیمِس دورس منٛز آو نعت گو شاعرن ہنٛدا کھ بوٚڈ کاروان ووٚ جوٚدس یمن منٛز عبدالاحد نادم ہیو لُکہٕ مزاز رچھن وول بلند قامت نعت گو تہِ شأمل چُھ۔

کمہ وتہٕ رَو تروو سروِ قامتی یے
گر این پتہٕ پتہٕ لاروسے

ژھاین تہٕ کرہوس نالے ستیٚ یے
مدنی مأرے ستیٚ یے، مأری

نأدم صأبس پتہٕ پتہٕ چھ درویش عبدالقادر، پیر محی الدین مسکین، خضر ملک صفایی تہٕ غلام مصطفیٰ مصفےٰ اتھی اہم نعت گوشاعر کأشرس نعتس ہیتی کیٚو موضوعی تقدس رچھان۔

طاہا طِلا ژے طرہٕ دستارس
میم حامیم طوقِ زر و چھے

تھاو برسر عمامہٕ کوموز
ہاو دَستار یا رسول اللہ

خضر ملک صفائی

موجود دورس منز ہر گہہ موضوعی کیٚوہتی اعتبارِ کأشر شأعری ہندی روہ رکانہٕ بدلییہ تہٕ ترقی ہند شأعری پتہٕ آو جدید شاعری ہند دور بارس اماپوٚ زیمن دوشونی دوان ستیٚ وابستہ اکثر کأشری شأعرِ روٗدی پننہِ تخیلی آگہی تہٕ تخلیقی بترِ مطابق اتھ مقدس

تہٕ موضوعی اعتبارٕ حساس تہٕ لفز کھ صنفہِ منز قلم آزماوان۔ توریخی اعتبار ہکوٚن یوٚ ہے موجودٕ دور کأشرِ نعتک ترٚیم دور گنٛزرتھ تہٕ یم کأشرِ شاعراتھ ترٚمیمس دورس منز مسلسل پائمٕ نعت لیکھان روٚدی تمن منزٕ چھ الحاج فاضل کاشمیری، میر غلام رسول نازکی، پروفیسر مرغوب بانہالی، پروفیسر رشید نازکی، غلام محمد شاد، غلام نبی خیال تہٕ تمن پتہٕ غلام حسن غمگین قابلِ ذکرامی ترٚیمہِ دورک بیٚا کھ توجہُ طلب نعت گوشاعر چھ الحاج غلام حسن نحوؔی صأب یم کأشرِ زبأنی ہندس مشہور نعت گو تہٕ مشہورِ عام ''قصص الانبیاء'' ناوچہ مثنوی ہنٛدی تخلیق کار مولانا غلام مصطفیٰ مصفےٰ سنٛدی فرزند چھ۔ ییٚتِن چھِے یہ کتھ وننٕ مناسب باسان زِ ماسٹر غلام حسن نحوؔی سنٛدی فرزند چھ کشیر ہنٛدی مشہور ماہر اقبالیات ڈاکٹر بشیر احمد نحوؔی صأب یم وُنی کٔہن کشمیر یونیورسٹی ہنٛد اقبال انسٹیچوٹ ادارکی ڈایریکٹر چھ۔ یہند آبایی مسکن چُھ کشیر ہنٛد مشہور قصبہ وٚیجہ بروٚ رٕیُس پننہِ وقتہٕ کشیرِ ہنٛد علمی، ادبی تہٕ ثقافتی مرکز اوس۔ کتھ چھِے ٹاکارٕ زِ نحوی خاندان چُھ پتہٕ وتہٕ پٔتھے وٚیجہ بزاریک اکھ مشہور خاندان یتھ ستی مستندتہٕ مستحکم علمی تہٕ ادبی رِوایتھ ڈٕکھس چھِے۔ اُتھی علمی ادبی تہٕ تہذیبی ماحولس منز چھ ماسٹر غلام حسن نحوؔی اچھ مٔژراوان تہٕ سأری سے وأنسہِ امی ناگرادٕ ترٕیش چیوان چیوان پننٕ علمی تہٕ ادبی زندگی سأراب کران۔ نحوؔی صأب چھ وری وأنس پرأوتھ ۱۱رنومبر ۲۰۰۵ء رحمت حق سپدان۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ماسٹر غلام حسن نحوی آسی پیشہِ کنی وہستاد تہٕ اتھ پیٹھس ستی روزی سرکاری کیٛو نیم رسرکاری سطحس پیٹھ کلہم پاٹھی شیٹھن وڑی ین وابستہ۔ یمن اوس عربی فارسی تہٕ اردو ادبک جان مطالعہ تہٕ کاشر زبان آسکھ ماجہ زیو۔ یوٗس پانس پتھ کُن پنن ادبی میراث تروومت چھ تمہ تلہٕ چھے یہ کتھ عیاں زیم آسی عربی، فارسی تہٕ اردو زبانن منز تہِ کُنہ کُنہ طبع آزمائی کران۔ یہندِ کلامک مطالعہٕ کرتھ چھے یہ کتھ وَنٛنی ضوٗروری زِ ہر گہہ یم کُنہ کُنہِ پننِن شعرن منز لول، مذہب تہٕ تصوفَ تہِ ورتاوان آسی مگر یہند تخلیقی سفرک بیشتر حصہ چھ نعت تہ اتھی صنفہِ منز چھ یہند تخلیقی جوہر تہٕ وہشلان تہٕ وہلسان۔

نعت چھُ ژکہ اکھ موضوعی شعر ذاتھ یمیُک بجر امہِ کس لاثانی موضوعس منز ژھنتھ چھ لینے آنحضورنٛ ہند سیرت پاک تہٕ تہند شکل وشمایل یا ونو تہند جمال تہٕ جلال۔ امہِ کنی ونوٗ زِ نعتک موضوع چھُ شخص تہٕ کانہہ مشخص موضوع ورتاون وأِلس فنکارسنٛز تخلیقی وُڈوہیکہ محدوٗد تہِ سپدتھ۔ ول گووبوٗڈ فنکار چھ دوشونی صورتن منز امہِ صنفہِ ہنٛز موضوعی عظمتھ رژھراونس ستی امکو فنی تقاضہ تہِ رچھان۔ کُنہ صنفہِ ہند شخص موضوع تہٕ سنبتھ مرحوم شخص آسن ستی ستی نعت صنفہِ پاٚٔ ئ' سیٹھے نوز کھٕ' حساس تہٕ مقدس تہٕ عقیدتی آسہ شلہ یہ کتھ نظرِ تل تھاوتھ چھ سنجید قاری سندس ذہنس منز یہ سوال ضرور وہتلان زِ امہِ قبیلک عقیدتی ادب ہیکیا تمس قاری لیس تہِ تخیلی آگہی تہٕ آنند بخشتھ یا پانس ستی جذباتی طور آورتھ یَس نہ اتھ موضوعس ستی عقیدتی یا جذباتی

وابستگی آسی۔ یہ ہیکہ تیٖلی ممکن سپدتھ ییٚلہِ امہِ قبلیک ادب مقامی صورت پراونہٕ بجایہ آفاقی صورتھ پراوِ۔ ییٚلہِ ادب کنہِ مخصوص عقیدس یا کنہِ مخصوص زمانس یا کنہِ مخصوص قومس ستیٖ وابستہ کانہہ مخصوص عقیدتی، فِکری کیٖو جمالیاتی پوٚت منظر ووتلاونہٕ بجایہِ گُلہم انسانی صورتِ حالک آفاقی صوٗرتھ ووپلاوِتہٕ ووتلاوِ۔ امہِ اعتبار چُھ کاشرِ نعتیہ ادبک بیشتر حصہ محض دعا، فریاد تہٕ اِلتجابنیٖومت۔ یتھ ژُکسِ تل تمہِ دورچہِ کشیر ہندی سیاسی حالات تہٕ تِمن سیاسی حالاتن ہندس پوٚت منظرس منٛز ووتلیٖمہ معاشی بَدحالی۔

اِستادٕ روزتھ عرض کر کاشُر غریبا پیٚو و پتھر

بے چارٕ بے کس بے ہونر بے یارویاور بے نوا

ثناءاللہ کریری

وٗن گو وامہِ باوٚ وجود چھ کنہٕ ن نعت گوشاعرن ہندی کیٚنہہ تِتھی نعت تہٕ بدس یِہند ہن نعتس ہند موضوع تہٕ باوٕژ ہند جمال پٔژنان تہٕ جلال ووشلان چُھ۔ امہِ قبیلکی کاشری نعت چھ پرن وٲلس عقیدتی سطحس ستیٖ تخیلی تہٕ تخلیقی سوٚتھرس پٮ۪ٹھ حظ تہٕ آگہی بخشان۔ خصوصن چھ موجودٕ دورس منٛز کہنہٕ تتھی نعت لیکھنہٕ آمتٕ یم فنی اعتبار گنہ تہٕ زبٲنی ہندس بہلہ پایہ نعتیہ ادبس لرِلوٚرتھاوتھ ہکو کھ۔ امہِ قبیلکی نعت

چھ کاشُرس منز نعتیہ شاعری ہندس اَ کِس نوس تہٕ سرتاز دورس دسلاب کران۔ مثالہِ پأمۍ میٖنون پروفیسر رحمٰن راہی سنز ''نعت نبی'' عنوانہ نظم۔

بہ اوسُس آمہٕ تاوِ ے آمہٕ تاوِ ے آمہٕ تاوِ ے یوت
سہٕ ناگُنہِ کوندِ منز کانہہ بانہٕ اوٚڈ اوے

زاتھی منز اندر کتھ تاں آمہٕ تاوس
بٕے توقع بے خبر پأھٹن

عجب تژ تھمبرا زایم
بہ نیلیٚومت شٹھیٚومت پلٕ

سو مژ تھمبر نژن نازل
پلس ووٚتھ دہٕ، دہس وژھ رنگ، رنگو تج ریٚہہ، ریٚہو
زٔھٹ بریٚہہ نداگو و!۔۔ یارسول اللہؐ

رحمان راہی

الحاج ماسٹر غلام حسن نحوؔی سنٛدی نعت پرٛتھ چھ قاری یَس یہ احساس ضرور ووتلان زیم چھ نعتیہ صنفہِ ہنٛدٕ ن ہیتی کیٚو موضوعی تقاضن واقف آسی متی تہٕ ستی چھکھ یمن تقاضن ہنٛد ورتاوتہٕ بدس اوسمت۔ بیٚاکھ توجہ طلب کتھ زباسان چھ زِ یمو چھے پننِس شعری کردارس باوتھ دنہٕ موکھ شعوری طور ہے صنف ورتاوٕ وشرتہٕ امہٕ باپتھ چھکھ پننہِ ریوایتگ مطالعہ تہٕ کوٚرمت تہٕ تمہٕ ریواتہٕ نشہ اِستفادٕ تہٕ۔

خلعتِ لولاک ووٚ لنٛے سالہٕ ییٚلہِ ینو' نکھ حقَن

کھول تمی مینار عرشس چون پرچم یارسولؐ

زیب تن چھُن جامہٕ کوٚرمت چانہٕ ہجر انے سیاہ

کعبہ اوٚش ہاران بشکلِ آبِ زم زم یارسولؐ

لا علاجن رحمتک دارالشفاء دربار چون

گے بلتھ چھوکہ داوی دلِ کوٚرتھکھ ژٕ ے مرہم یارسولؐ

پایہ بڑ! نحوی چھ بردر رحمتچ امید ہیتھ
ضایہِ متہِ کرتس دلچ ستھ کیا گژھی کم یارسولؐ

کرس ثاچھن اُچھن منز پوشہِ ورشُن
برس بو لولہٕ مسں کی پیٔالہٕ امشب

یواں کتہِ تام چھَم خوشبوے دمانَس
نوانِ دل مێن ہر فنہٕ ژھالہٕ امشب

زبان چھےٚ شعرِ اظہارک بُنیادی وسیلہٕ تہٕ شعرس منز ورتاونہٕ آمژ لسٲنی صورٕتھ شعر پرزناونک یامولناونگ موٲلہٕ پیمانہٕ تکیاز امی لسٲنی صورژ دسی چھُ شعرس منز باونہٕ اُمت پرن وٲلس تام واتان۔ اِو وکھ گژھِ شاعرس مکمل لسانی شعور آستی تہٕ تس گژھِ لفظن ہندس لغوی معنیس ستی تہنز جذباتی تہٕ اکٹھاساتی کیفیت

محسوس کرنک بتہٕ آسُن ۔ بلکہ گژھہِ شاعر شعوری طور یتمہ کتھ نشہِ باخبر آسُن زیتھ شعرٕ صنفہِ چھ پننۍ پننۍ مخصوص زبان آسان ۔ امہِ اعتبار چھے ماسٹر غلام حسن نحویؔ سندین نعتن منز ورتاونہٕ آمژٕ زبان یمہِ کتھ ہندا ایکساس ووتلاوان زِ تمن چھ تخلیقی زبان ورتاونک وَل بدس اوسمت تہٕ عقیدتی ادبَ آسنہٕ کنۍ نعت صنفہِ ہنزٕ مخصوص' زبان استمال کرنک حبس تہِ بیدار اوسمت ۔ یتمہ کنۍ تسندۍ اکثر نعتیہ شعر خوبصورت تخلیقی تجربہ تہِ چھِ تہٕ حضورنٛ ہند جمال تہٕ جلال شبیہوتہٕ پیکرودسی ووتلاونکۍ رتی تخیلی جوہر تہٕ ۔ نحویؔ صابٕنۍ امہِ قبیلکۍ نعت یا نعتیہ شعر چھِ نہ صرف شاعر سندس تخیلی تہٕ تخلیقی جوہرس پرواز بخشان بلکہ پرن وألس تجربک صورت حالِ دید مان أنتھ تسند ین عقیدتی جذباتن ستۍ ستۍ تسندس تخلیقی دنیاہس تہِ تسکین بخشان ۔

وتھو تہٕ سرٕ وہی پابگلٕ گژھن روزتھ
بہو تہٕ تازٕ ہ چمن برگ برگ غازٕ ملن

تھوو قدم بزمیں بوٗقتیس لبہٕ تسکین
کھسو بہ عرش بریں زنتہ نو رواق الَن

ٹلو نقاب یمانی بہار ییہِ چمنَن
نظر ٹلِو تہٕ خزان دیدہ لولہٕ باغ پھولن

یہ پزٕرچھ ٹاکارٕ زنعتک موضوع چھ عظیم تہٕ لاثانی تہٕ ستۍ وشالِ تہٕ وسیع سیٚمہ کنۍ اتھرنذ زکھ موخومس بارتھ دنہٕ باپتھ تخلیق کارس تخلیقی صلاحیتن ستۍ ستۍ علمی بِترآسن تہِ لازمی چُھ۔ دوٚیم یہ زاتھ عظیم تہٕ مقدس موضوعس چُھ یژتھ اکھ فنکار پننہٕ تخلیقی صلاحیژ وٚ مطابق باوتھ دنہٕ چہِ سٔرژ کران یمہِ کنۍ موضوعی ہشر آسنہٕ سبہٕ تخلیق کارسند بدون تہٕ پٔژن مخصوص لہجہ، آہنگ تہٕ اوٚسلوب مشخص کرن ضوروری چھ۔ تہٕ یو ہے۔ بدون تہٕ مخصوص لہجہ، آہنگ تہٕ اوٚسلوب چُھ تخلیق کارسنٛز شاعرانہ پرزنتھ مقرر کران تہ یہے شاعرانہ پرزنتھ چھِے ادبی کیٚو عوامی سوٚتھرس پیٹھ مول مرتبہ شخص کران۔ ماسٹر غلام حسن نحوؔی چھ امہِ اعتبار شعوری طور نٔین بدون لہجہ تہٕ آہنگ ووتلاونچ کوٚشش کران۔ مےٚ وُچھ ذاتی طورتھٕندِ اتھٕ لیٚکھمت سُہ نسخہ بہٕ منٛز تھٕندی نعت شامِل چھ۔ یتھ منٛز یہ کتھ عیاں چھِے زِتِمو چھ مصرن ہنٛدی مصرٕ ژٕڈی متی تہٕ نوِ سرٕ لیکھی تی۔ لفظن خط دِتھٕ نوی لفظ لیکھی ییٚمہ تھٕ یہ کتھ واضح چھِے زِتِم چھ لفظن ہنٛدِ تخلیقی ورتاوٕ علاوٕ یہند بٔن علامتی تہٕ استعاراتی انہارن تہٕ سنان آسی متی۔ یتھ کنۍ چھ

تہنڈی شعرا کھ بڈون لہجہ تۂ آہنگ یژاوان۔

بنہِ سوزٕ تمی سند رگ حیاتچ تار ربابَس
مضراب دلک نغمۂ لولک ساز ونسنا

یَس اُذنُ مِنّی یا حبیبی تور آلوگوو
یہ چُھ امتیازی طرہ اتھ اعزاز و لَسنا

تقویٰ چُھ خیرالزاد اگر قصیدِ حرم چھے
پُر سوز دلِ آسُن چَھ بَس سامان مدینک

ناز نینا چھ اکھ نظر کاٗفی
تازٕ گرٕھہن خزاں رسیدہ چمن

مشکبوٗ چانہِ گے معطر باغ
رشکِ جنت بناے کوہ و دمن

ٹاٹھٕ چھم چاَنۍ تم سیکلی صحراو
ٹارِ ماچھم کھساں مےٚ گنگ و جمن

مےٚ چھے وۄمید زِ ماسٹر غلام حسن نحوؔی صابن نعتیہ کلام یتھے بازریہ عوامی کیٛو ادبی حلقہ سپدن لازمن اور گن متوجہ۔ بہ چھُس دست بدعاز میانۍ دوست پروفیسر بشیر احمد نحوؔی سپدن پننس والد محترم تہٕ کاشرِ زبانۍ ہندس اُمس توجہہ طلب نعت گو شاعرسنز ادبی زندگی عوامی تہ ادبی سوتھرس تام واتناونس منز کامیاب۔ انشااللہ۔

سید محمد فضل اللہ (آئی اے ایس)

علم و آگہی کا چراغ۔۔ خواجہ غلام حسن نحویؔ

راقم کی نگاہ میں عنوان صدر میں دیئے گئے شاعر رنگین نوا اور عالمِ بے بدل کی کئی منظومات، نعتیں اور متعدّد علمی کاوشیں نظر نواز ہوئیں۔ مرحوم جناب غلام حسن نحوی (خدا انہیں ہر کروٹ فردوسِ بریں عطا کرے) ایک پاکیزہ باطن اور ستودہ صفات کے حامل تھے۔ ان کے لہو میں وہ خاندانی طہارت و متانت رچی بسی تھی جس کو محسوس کر کے ہی انسان فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ مرحوم اُن نقی (Genes) کے وارث تھے، جن کے ہر ذرّۂ مادّہ سے دودمانِ شرافت کے برگ و بار کی خوشبو مشامِ آرزو کو شاداب کرتی ہے۔

مرحوم ایک عظیم علمی گھرانے کے ایسے چشم و چراغ تھے، جن کے سامنے گویائی پر یدِ طولیٰ رکھنے والے گنگ ہو جاتے تھے۔ ان کی یادداشت کے کمپیوٹر میں ہزاروں اشعار، اقوال، نکات اور مقالات اس شان سے رچے بسے تھے کہ صرف جنبش لب کی حاجت ہوا کرتی تھی کہ مرحوم اپنے دماغ کے بحرِ ذخّار سے

چاہنے والوں کے کشکول میں وافر علمی معلومات ڈال دیتے تھے۔ اس عالم متدّین سے غیرت وحمیت دامن گیر تھی کہ کوئی بھی ظاہری وجاہت کا کاغذی صنم اُن پر اپنے فاسد خیالات مُسلّط نہیں کر سکتا تھا۔

مرحوم نحویؔ صاحب نے علم وادب اور عبادت وریاضت کا وہ حرم اپنے لئے تعمیر کیا تھا جس کا غلاف قلندرانہ شان سے اپنے دامن میں ظاہری طور کچھ نہ رکھ کر بھی تمام شانِ جمالی وجلالی اور طہارت ومتانت کا خلعت بن کر نحویؔ صاحب کے جسم ورُوح کو ایسے مستور رکھتا تھا جیسے نافۂ غزالہ۔

مرحوم غلام حسن نحوی ایک خطّاط بھی تھے۔ جنہوں نے اپنے دستِ پاکیزہ سے اپنی ہی نعتیں، دعائیں، مدح خلیلؑ سے مدحِ رسالتماب ﷺ تک سب دم تحریر میں لاکر اپنے ذوق، اپنے شوق، اپنی سوچ کی ناقابلِ تسخیر جمالیات کا ثبوت دیا۔ اُن کی خود تحریر کردہ علمی کاوشیں کسی بھی آرکائیوز (Archives) کی زینت کا بڑا سامان ثابت ہوسکتی ہیں۔

خون میں موجود ادبی اثاثے کے علاوہ مرحوم غلام حسن نحوی علمی اعتبار سے استاذُ الاساتذہ بھی تھے۔ پچسّٹھ سال کی مقدّس پیشہ ورانہ خدمتِ انسانیت یعنی مدرّسی ان کا طرّہ ٔامتیاز تھا۔ نحویؔ صاحب اسلام کے حُدی خواں بھی تھے اور حجازی لے میں گوش سماعت شائقین وعاشقین میں انہوں نے پوری عمر تبلیغ

کے زمزم سے ابراہیمیؑ واسماعیلیؑ سماں کا انتظام کر کے ملت اسلامیہ کی خوبصورت مُرقع کشی کی ہے۔

مرحوم نحوؔی صاحب برجستہ گوئی کے استاد تھے۔ جن کا منظر نگاری اور مادّۂ تاریخ کا استنباط کرنے پر زبردست دسترس کا وہ فن متحیر کرتا تھا جو خونِ جگر کی آمیزش کے بغیر ممکن نہیں۔

تقریباً سبھی زبانوں میں نعتِ سرورِ کائنات ﷺ کا خزانہ ملتا ہے، جن میں فارسی، اُردو اور عربی زبانیں شامل ہیں، مگر کشمیری زبان ابھی منّت پذیر شانہ ہونے کی بناء پر عام سطح پر نعتوں کی عظیم مثالیں پیش نہیں کر سکی ہے، مگر مرحوم نحوی صاحب نے اُردو میں بھی نعتیں قلمبند کیں، فارسی میں بھی اور کشمیری میں بھی۔ جہاں انہوں نے دیگر زبانوں میں نعت کے جوہر بکھیرنے کا ساماں کر دیا ایسے ہی انہوں نے اپنی مادری زبان کشمیری میں بالخصوص صنف نعت میں طبع آزمائی کی۔

وہ جب نعتِ سرورِ کائناتؐ قلم بند کرتے ہیں تو رسول کونین ﷺ کی دائمی، سرمدی اور کائناتی حیثیت کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ عرب کے بدوؤں اور شتر بانوں کی حالت اور انہیں اسرارِ جہانگیری سمجھانے کے نبی برحقؐ کے احسان کا بھرپور ذکر کرتے ہیں۔ مولانا نحوؔی اپنے تخیل کی آماجگاہ سے عجیب سماں

پیدا کرتے ہیں۔ یہ بتاتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آدمیت داخل جہنم ہو رہی تھی، انسانیت دم توڑ چکی تھی، سرورِ کونینؐ نے نورِ ہدایت سے نوعِ انسانی پر وہ احسان کر دیا کہ اسکا قرض چکانا تمام کائنات سے بعید از امکاں ہے۔

فرماتے ہیں:۔

پتھر پی رنگ و نسلک آسی یم دیوار مصنوعی
کونی گیہ حبشی و رومی ، عرب ہندی تہ ایرانی

سرودِ نغمۂ توحیدِ ذاتِ کبریا کے محرم اس شاعر نے نعت خوانی میں ان عناصر کا ذکر کیا ہے جو زبان کو منظرِ نگاری، عکّاسی اور ترجمانی کے بادِ بہاری سے امیر بناتے ہیں۔ تائید یزدانی پر یقین کرنے والے اس عالم نے نعتِ نبی ﷺ کرنا تائید یزدانی کے مترادف جانا ہے ورنہ سوچتے ہیں کہ اس میں علم، عمل اور دلِ شفّاف کی ضرورت ہے۔ اس بات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بیان نعت نبیؐ کرنک اونتھ کتہِ نحویاہ طاقت
نہ چھوی علماہ، نہ کانہہ عملاہ، یہ گو تائید یزدانی

مولانا نحوی نعت میں ہیئت (Variety) تبدیل کرنے کے زبردست ماہر تھے۔ "یا محمد مصطفیٰ ؐ" کہہ کر نعت کہنے والا یہ شاعر عشق رسالت ؐ کا اظہار کر کے یہ نکتہ سمجھاتے ہیں کہ کیسے اس رسول ؐ سے ہمکلام ہوا جائے جن کی اطاعت کا حکم خود خدائے عظیم نے ارشاد فرمایا ہے، اس ضمن میں یوں رطب اللسان ہیں ؎

تاجداری کائنات پیٹھ عطا کرنے حقن!
لاج ثرے تھاوتھ یقینس یا محمد مصطفیٰ ؐ!

گئی ملک حیران وچھتھ یلہِ مُرسلو کور اقتداء
ثرے اِمامُ المتقینس یا محمد مصطفیٰ ؐ

یہ اشعار اس بات کے غمّاز ہیں کہ مولانا کس طرح امامت کا ادراک کر کے رسول اقدس ﷺ سے مخاطب ہیں۔ یہ اقتداءحق کا منصب ملائکہ کے منصب سے بہتر ہے اور ملائکہ رسول عظمت مآب ﷺ کو دیکھکر حیران ہوئے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں کیسے رب ذوالجلال نے امام المتقین کو تخلیق کر کے ہماری ہدایت کا سامان فراہم کیا۔

نحوی صاحب کو تاریخ انبیاء کے بصیرت آموز واقعات پر یدطُولیٰ

حاصل تھا، وہ اسلامی ادب و تاریخ کو گود میں پلتے طفل کی طرح پڑھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور سرکارِ رسالتمآب ﷺ کی مقدّس جڑیں ڈھونڈ کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔ اپنی حسین خطاطی میں شاعر مرحوم نے تارکِ آفلین حضرت ابراہیمؑ کا ذکر جمیل کیا ہے۔ ان کے قلبِ سلیم اور قربانی و ایثار کے امتزاج کے حسین خد و خال دل میں اتار کر قصر حضرت خلیلؑ کی تعریف و توصیف کا گلدستہ ترتیب دیا ہے۔

مرحوم جس طمطراق سے کشمیری میں ان خیالات کا ذکر کرتے تھے، ویسے ہی انہوں نے یہ سلیقہ فارسی نعت میں بھی رو بہ عمل لایا ہے۔ فارسی ان کی مادری زبان نہیں تھی البتہ لگتا ہے کہ "فارسی" آغوش ہے اور نحویؔ صاحب "پروردہ" ہیں۔ انہوں نے پاک باطنی کا اپنی فارسی نعتوں سے بھی ثبوت دیا ہے۔ وہ حجازی لَے لیکر اتنے مترنم چشمے دل میں اتارتے ہیں کہ ہمہ وقت ان چشموں کا شمار کرنا ناممکن ہوتا ہے اور ان کی دل و دماغ کی سلطنت ان چشموں کی لَے کی موسیقی سے سرشار رہتی ہے۔

مدینہ کے دربار کا یہ غلام عشق آقائے دُو جہاں ﷺ کو اس طرح دل میں سمو لیتا ہے کہ اظہار میں واقعی مدینہ کا سماں بندھ جاتا ہے۔ مدینہ کے ساتھ خدا کا تعلق ہے، رسولؐ کا تعلق ہے، جبریلؑ کا تعلق ہے اور ان تعلقات کا ایک نہ

تھمنے والا فیضان امت کو مل رہا ہے اور ملتا آیا ہے، اسکا ذکر نحوؔی صاحب نے کمال احساسِ عشق، بیتابیٔ فراق اور اضطرابِ انتظار کے ساتھ کیا ہے۔

یہ چُھ نکتہ نازک زانہ سوی یس آسہِ نظر تیز
دارُالسلامک میزباں مہمانِ مدینہ

تقویٰ چُھ خیرُ الزاد اگر قصدِ حرم چُھوی
پُرسوز دل آسُن چھوپس سامان مدینہ

نبی رحمتؐ سے تعلق رکھنے والے اصحاب، شہداء، شعرا اور قلمکار نحوؔی صاحب کو بہت عزیز ہیں۔ اور ان کے عشق و وِجدان کو اپنے کلام میں خصوصی طور پر سراہا ہے۔

مصرعۂ تاریخ کسی بھی تقریب یا بنیاد پر تخلیق کرنا بڑے بڑے اساتذہ کو پریشان کر دیتا ہے۔ مرحوم غلام حسن نحوؔی صاحب اس فن کے ایسے اُستاد تھے کہ اگر ایک قطعہ یا رباعی تخلیق کرتے تھے تو چار مصرعوں کے پہلے حروف ایسے ہوتے تھے۔ ''ن۔ح۔و۔ی'' اور ملا کر یہ نحوؔی کا پُر معنی لفظ بناتے تھے جو تخلص کا استعمال ہوتا تھا۔ یہ فنکاری کے آب وگل سے اپنی دنیا تعمیر کرنے کی نادرِ روزگار مثال

ہے۔ جسے علمِ عروض میں فنِ ترشیح کہتے ہیں۔ یہ ہُنر شاعر استاد اور زبان پر کمال ماہر کا ہی کام ہے جس میں وہ اپنے تخیل کی آمیزش سے اپنا تاج محل تعمیر کرتا ہے۔ ہر لمحہ اپنے فن، اپنی لغت اور قواعد شعر کے جملہ محاسن کو برت کر نعتیں پیدا کرنا ایک پُر امید عاشق نبیؐ کا ہی کام ہے۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ عشق نبویؐ اور محبتِ آلِ عبا سے سرشار خواجہ غلام حسن نحویؔ کشمیر کے تہذیبی، تدریسی اور اسلامی علم و آگہی کی ایک ایسی روشن قندیل تھے، جس کی ضیا پاشی سے نصف صدی تک جنوبی کشمیر کے قصبہ جات اور گاؤں، دیہات مستفیض و مستفید ہوتے رہے۔ ریاکاری، جاہ طلبی اور مذہبی استحصال کے اس دور میں ایسے علماً کا وجود باعثِ فیضان تھا۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی، سو وہ بھی خموش ہے

پروفیسر غلام محمد شادؔ

لوحِ یادداشت سے

سفرِ حیات کے آخری مرحلوں میں کسالت و کہولت اپنے تمام لوازمات کے ساتھ دامنگیر ہوئی ہے۔ یادداشت کی قندیلیں بدِ شعور سے ریعانِ شباب تک کی تمام منزلوں میں دل و دماغ کے سب ہی کونوں کھدروں کو روشن رکھتی ہیں۔ لیکن خارزارِ کہولت میں داخل ہوتے ہی ان قندیلوں کی روشنی مدھم ہونے لگتی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ مُجسّم اور اہم ترین یادیں آلامِ روزگار کی خراد پر چڑھتے چڑھتے، پتلی ہو کے عجیب ناشناسا ہیولیٰ بن جاتی ہیں۔ ایسی یادوں کی قدر و قیمت کا احساس عمرِ گریزاں کی آخری سرحدوں پر کربناک شدت کے ساتھ ہوتا ہے۔ زندگی کے زرّیں دور یعنی عالمِ شباب میں کتنے ہی عظیم اور بہترین انسانوں سے تعلق جُڑتا ہے اور پھر مرورِ ایام کے ساتھ جب اُن سے وابستہ گراں مایہ یادیں یادداشت کی لوحِ محفوظ سے اگرچہ بالکل محو نہیں ہو جاتی ہیں، ماند ضرور پڑ جاتی ہیں۔ ان کے سیاق و سباق گم ہو جاتے ہیں، پھر کفِ افسوس ملنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا ہے۔

جس صاحب علم وفضل کے ساتھ وابستہ اپنی یادیں، اس تحریر میں بیان کرر ہاہوں، وہ تو ایک طویل ترین عرصہ وقت سے پہلے کی ہیں۔ان میں تو اکثر حصہ طاقِ نسیاں کی زینت بن چکا ہے اور اب کچھ ہی یادوں کا دھندلا سا تصوّر ذہن میں موجود ہے، شب دیز عمر ابھی سبک رفتار ہے، اس لئے موقعہ کی نزاکت کا فائدہ مدِّ نظر رکھتے ہوئے ان یادوں کا تذکرہ بسا غنیمت ہے۔

اُستادِ محترم مرحوم خواجہ غلام حسن نحوؔی کے والد محترم مرحوم غلام مصطفٰے مصفاؔ صاحب میرے اوّلین اُستادوں میں ممتاز ترین استاد تھے۔ میری ابتدائی تعلیم انہی کی ذات گرامی قدر سے شروع ہوئی۔ مدرسۂ دارالعلوم شرقیہ سے جب وہ رخصت ہوئے تو پھر اُن کے فرزند رشید مرحوم خواجہ غلام حسن نحوؔی مدرسے میں بطور استاد علوم والسنۂ شرقیہ متعین ہوئے۔ نحوؔی صاحب اپنے والد محترم کی طرح ظاہری استاد کے نہ ہوتے ہوئے بھی یگانۂ روزگار عالم اور فاضل تھے۔ اندازاً ہم ۱۹۵۰ء تک اُن کے درس وتدریس سے مستفید ہوتے رہے۔ پھر بھی ہائی سکول اور انٹر کالج کی طالب علمی کے دوران اُن سے برابر تعلق اور رابطہ رہا۔ بیان ہونے والی یادوں کا تعلق اسی پورے دور سے ہے۔

مرحوم نحوؔی صاحب ان ایاّم میں حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کے روضہ کے جوار میں اپنے آبائی مکان میں رہتے تھے۔ میں اکثر اسی مکان میں انکی

خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ مدرسۂ دارالعلوم شرقیہ بجبہارا میں ان دنوں مرحوم منشی غلام نبی ڈار صاحب صدر مدّرس تھے۔ مدرسے میں جب ہم آخری سال میں تھے، استاد مرحوم ڈار صاحب کسی کام کے سلسلے میں طویل رخصت پر گئے۔ عارضی انتظام کے لئے انکے برادر اصغر محترم غلام حسن ڈار صاحب المعروف مخدومی [1] صدر مدّرس مقرر ہوئے۔ محترم مخدومیؔ صاحب بنیادی طور پر نمائیندہ پریس تھے اور وہ ان دنوں کشمیر پریس نمائیندگان کی کانفرنس کے جنرل سیکریڑی تھے۔ اُن کا تعلق لاہور کے اخبار "احسان"، "زمیندار"، "نوائے وقت" اور سرینگر کے "ھمدرد" وغیرہ سے تھا۔ پریم ناتھ بزاز ان کا قریبی دوست تھا۔ مدرسہ دارالعلوم شرقیہ بجبہارا انجمن نصُرۃُ الاسلام سرینگر سے ملحق تھا۔ اور اس واسطے سے مدرسہ، مدرسے کے اساتذہ، طلباء اور طلباء کے والدین سب ہی آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے حامی تھے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح اور پنجاب یونینِسٹ پارٹی کے صدر اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات خان کے درمیان ۱۶/۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں طے شدہ ایک معاہدہ کے تحت

---

[1] محترم غلام حسن ڈار مخدومیؔ صاحب شیخ محمد عبداللہ کے وزارت عظمیٰ کے دور میں جلاوطن کئے گئے تب سے وہ خیر پور میرس، سندھ پاکستان میں رہ رہے ہیں۔

سکندر حیات خان اپنی پارٹی سمیت لیگ میں شامل ہوا۔لیکن بعد میں اس معاہدہ سے عجیب تاویلات کے ساتھ مُکر گیا۔اس کی بے ایمانی سے پنجاب کے مسلمان دو مخالف حصوں میں بٹ گئے۔نتیجہ کے طور پر سکندر حیات کے پروردہ ملک خضر حیات ٹوانہ نے ۱۹۴۶ء کے اسمبلی الیکشن میں لیگ کے خلاف زبردست محاذ برپا کیا۔انتخابات کی مہم زوروں پر چل رہی تھی تو لیگی اخبارات کے نمائیدہ کی حیثیت سے غلام حسن ڈار مخدومی نے خواجہ غلام حسن نحویؔ صاحب سے فرمائش کی کہ مسلم لیگ کی حمایت اور خضر حیات خان اور احراروں کی مخالفت میں کوئی پُر زور شعر تخلیق کریں، جو لیگ بطور پروپا گنڈا استعمال کر سکے۔

مخدومی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ بات بازار میں چلتے چلتے ہوئی۔نحویؔ صاحب نے وہیں پر ایک جامع شعر فی البدیہہ کہا۔مخدومی صاحب نے اُسے لاہور کے مسلم لیگی اخبارات کو بغرضِ اشاعت بھیجدیا، شعر نہ صرف بہت مشہور ہوا بلکہ بہت مُدّت تک پنجاب کے کوچہ و بازار میں گونجتا رہا۔حالات کی مناسبت مدِ نظر رکھئے اور پھر شعر کی داد دیجئے۔

نہ آ خضری کمندے میں، نہ احراروں کے پھندے میں
فقط بن لیگ کا ووٹر امانت کی حفاظت کر

(راوی۔غلام حسن ڈار مخدومیؔ صاحب)

۱۹۵۲ء کی بات ہے۔نزدیکی گاؤں کا ایک بالغ اور اچھے قد کاٹھ کا لڑکا علی ڈار ہمارا ہم سبق تھا، اسی سال میں اس کی شادی ہوگئی۔لڑکی کا نام ''گاشی'' تھا، شادی کے بعد جب علی ڈار (دُلہا) مدرسہ میں آیا، تو ہم اُس سے عمر میں چھوٹے تھے۔اُسے تعجب سے دیکھنے لگے جیسے کوئی عجوبہ ہوا ہو، جب نحویؔ صاحب کلاس میں آئے تو ہم نے انہیں امرواقع سے واقف کیا، اور فرمائش کی کہ علی ڈار کی شادی پر کوئی شعر کہہ دیجئے، انہوں نے علی ڈار سے اس کی دُلہن کا نام پوچھا، پھر فوراً ہی کہہ دیا۔

علی ڈار کران چُھ عائشی
جل لوٗگیہ والہٖ وآشی

گاشس رلیٖایے گاشیٔ
جل لوٗگیہ والہٖ وآشی

ہم سب طالب علم اسے گا گا کر علی ڈار کو سنا کر دل بہلائی کرتے تھے۔
۱۹۵۴ء میں میں نے اپنی کشمیری غزلوں کا یک مجموعہ تیار کر کے نحویؔ صاحب کو دکھایا، انہوں نے اس پر اصلاحی نظر ڈال کر واپس کیا، تو نام کے بارے میں،

گفتگو ہوئی تو انہوں نے ''تنویر فاراں'' نام تجویز کیا، میں نے ایک مختصر سا پیش لفظ لکھ کر اس میں نحوؔی صاحب کا شکریہ بھی درج کیا تھا۔ جب مجموعہ غزلیات چھپکر آیا تو نحوؔی صاحب کا نام اس میں مخدوف کیا گیا تھا۔ میں نے بک سیلر (جو مجموعہ کا پبلشر تھا) کو ڈانٹا۔ نحوؔی صاحب سے کسی ناراضی کی وجہ سے اُسی نے حزف کی حرکت کی تھی۔ یہ سب بات نحوؔی صاحب کے روبرو ہوئی۔ ایسا کرنے پر بک سیلر سے میں نے آٹھ روپے کا جرمانہ بھی وصول کیا۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوئے میں اس بات پر افسوس کرتا رہا۔ اور اسی اثناء میں نحوؔی صاحب نے ازراہ تفنن طبع یہ دو شعر سُنائے۔

رِوسل بَٹس راہ کھوت اَٹس
تچھس پُھس گیٔے گرِیٹس تل

نون زن دِیتگ آچھری کٹس
پوز کیا کھٹہِ ہیے جٹس تل

۱۹۵۳ء کے اوائل میہنوں میں نیشنل کانفرس کے اخبار 'خدمت' میں (جو جبراً ہر سکول کو بھیجا جاتا تھا اور چندہ وصولا جاتا تھا) ''مراسلے'' کے حصے میں

چند ایسے مراسلے شائع ہوئے جو دلچسپ اور عجیب تھے۔ ان میں چند واحد لفظوں کی جمع نرالے ہوتے ہوئے ظرافت کا سامان بھی تھے۔

کسی نے اپنے مراسلے میں شکایت کی تھی کہ ''گاوں کو جانیوالی تمام سڑکات'' خراب ہیں۔ ''سڑک سے سڑکات'' اس کے معاً بعد دوسرا مراسلہ نظر سے گذرا، اسمیں مراسلہ نگار اخبار کا کوئی نمائندہ تھا، جس نے پلوامہ کے کسی علاقے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''علاقے میں سب 'کدلات' خستہ ہوچکے ہیں'' کدل سے کدلات پھر کسی شالی کوٹنے والے مشین کے مالک نے لکھا تھا کہ لائسنس کی تجدید کے لئے اس کی درخواست معہ دیگر کاغذات ضروری کے فایل کی صورت میں محکمہ بجلی کو کب کی دی گئی ہے لیکن وہاں دفتری ''فائیلات'' میں متعلقہ فائیل گُم ہوگئی''۔ فائیل سے فائیلات۔ مراسلوں کے یہ تراشے میں نے استاد کی طبیعت کو خوش کرنے کیلئے انکو دکھائے۔ ان کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھی اور کہنے لگے اب واحد سے جمع بنانیکا قاعدہ آسان ہوگیا، ہم بھی کچھ ایسے جمع بنالیتے ہیں۔ جیسے مُج سے امجاج، گوگج سے اجگاج اور ٹکٹ سے اٹکاٹ وغیرہ'' ہم سب استاد محترم کی اس ظرافت اور بذلہ سنجی سے محظوظ ہوئے اور پھر ہم بھی ایسے اوٹ پٹانگ جمع، بناتے رہے۔

۱۹۶۴ء کی بات ہے کہ گھر جاتے ہوئے استاد محترم مل گئے۔ علیک

سلیک کے بعد حسب عادت میرے ذوق تلاش و جستجو کو ابھارنے کیلئے انہوں چند فارسی اشعار بیان فرمائے اور مجھ سے امتحاناً اُن اشعار کے مُصنف کا نام پوچھا۔ میں تو کچھ نہیں کہہ سکا، لیکن اتنا بتادیا کہ ہندوستانی فارسی شاعری یعنی سبک ہندی کے زمرے میں آتے ہیں، یہ اقبال کے ہوسکتے ہیں یا کسی اور کشمیری فارسی شاعر کے، یہ سنکر انہوں میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا اندازہ درست ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ اشعار ''زُبدۃ الاذکار'' مصنفہ مولوی خضر مقبولؔ سے بیان ہوئے۔ اشعار آج بھی میرے ذہن میں ہیں۔

خِلعت ایماں چو پوشیدہ عُمرؓ
حَسبک اللہ حق نہادش تاجِ سر

آفریں بردین اُو صد آفرین
دین برحق راست اُو حسنِ حصین

گشت خود اسلام آن نورِ خُدا
موجبِ اعلان اعلامِ ہُدا

چوں مُشَرَّف شد بہ تشریف قبول
پس دعا فرمود، درشانش رسولؐ

زمیں روح الامیں آمد فرود
گفت اَے محرابِ ارباب سجود

برفلک جمع ملائک سربسر
کرد استبشار زِ اسلام عمرؓ

ابنِ مسعودؓ آں جلیس نامدار
گفت اسلام عمرؓ شد افتخار

شدقوی اسلام عزّت یافت دین
تاعمرؓ بادین وایماں شدقرین

اشعار سنکر میں نے استاد مرحوم سے ''زبدۃ الاذکار'' کے بارے میں تفصیل سے معلومات حاصل کیں۔ اور بعد ازاں اس کے دو نسخے دور دراز سفر کر کے کشتواڑ سے حاصل کئے۔

یہ چند یادیں، استاد مرحوم کی یاد میں نذر ہیں۔



پروفیسر عبدالغنی شاہ بجبہارہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

’’لُبابُ الاخبار والے‘‘

تقریباً ساٹھ سال گذر جانے کے بعد بھی یہ آواز میرے دل کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ یہ دلکشا آواز میرے اُستاد مرحوم و مغفور خواجہ غلام حسن نحوؔی صاحب کی ہے جن کا انتقال پُر ملال ڈیڑھ سال پہلے ہوا ہے۔ حق مغفرت کرے۔ عجب آزاد مرد تھا۔ اُستاد اور شاگرد کا رشتہ رُوحانی اور وجدانی ہوتا ہے۔ یہ رشتہ اس وقت شروع ہوا جب استاد محترم دارُ العلوم شرقیہ میں عربی اور فارسی کے مدرّس تھے۔ ہم ابھی ابتدائی درجہ کے طالب علم تھے۔ ان ایام میں زیادہ تر توجہ اخلاقی اور مذہبی تعلیم کی طرف دی جاتی تھی اور عموماً فارسی، عربی اور قرآنی تعلیم درسگاہوں میں ہوا کرتی تھی۔ درسی کتابوں میں لُباب الاخبار (چیدہ چیدہ احادیث) شروط الصلوٰۃ، نامِ حق، بدایع منظوم، گلستان اور بوستان وغیرہ شامل

تھیں۔ استاد موصوف لُباب الاخبار، شروط الصلوٰۃ پڑھایا کرتے تھے۔ فارسی کی مذکورہ بالا کتابوں کا بھی درس دیتے تھے۔ اگر چہ میں اور میرے ساتھی بہت ہی چھوٹے تھے، لیکن نصف صدی سے زیادہ عرصہ بیت جانے کے بعد وہ اسباق آج بھی لوحِ ذہن پر منقش ہیں اور ان کا اثر ہماری زندگی پر قائم و دائم ہے۔ موصوف اس وقت جوان تھے، بہت ہی بارعب شخصیت کے مالک تھے اور ہم لکڑی کی ایک چھوٹی میز کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے ایک ایک کر کے گذشتہ اوراق اور اسباق سنایا کرتے تھے، اور نیا سبق لیتے تھے۔ موصوف فارسی اور عربی کے مُسلّمہ استاد تھے۔ قرآن و حدیث کے علوم سے پوری طرح باخبر تھے۔ استاد مکرّم لُباب الاخبار کی احادیث جو طہارت، وضو، نماز اور مسائل صوم سے متعلق تھیں، بڑے ہی دلچسپ انداز بیان میں پڑھاتے اور سمجھاتے تھے۔ علاوہ ازیں فرائض، واجبات، مستحبات اور سنّتوں کی واقفیت دلاتے تھے۔

گھاس کی چٹائی پر حلقہ بناتے ہوئے اخلاقی نصیحتیں اور قصے ذہن نشین کراتے تھے اور اپنا تدریسی عمل اسی طرح جاری رکھتے تھے۔ نتیجہ نکلا کہ ہم بچپن میں ہی مسائل نماز اور اسلامی آداب سے غیر شعوری طور پر آشنا ہو گئے تھے۔ فارسی رُباعیات، فارسی اشعار اور اردو نظمیں مترنم آواز میں پیش کرتے تھے۔ سعدیؔ شیرازی کے نعتیہ کلام کے اشعار بلغ العُلیٰ بچپن میں ہی ان سے سنے

تھےاوران کے انداز بیان سے زبانی یاد ہو گئے تھے۔ کارواں آگے بڑھتا گیا۔ ہم میں سے اکثر تعلیمی میدان میں قدرے آگے چلے گئے۔ میں اور میرے ہم جماعتی عربی، فارسی اور اردو مضامین شعوری طور پر پڑھنے لگے۔ بچپن کی تعلیم و تربیت کا اثر نکھرنے لگا۔ کچھ ساتھیوں نے استاد مکرم سے خوش نویسی کا فن سیکھنا شروع کیا تھا اور اس میں باضابطہ آگے بڑھنے لگے۔ نصیحت آمیز اور اخلاقی کہانیاں بامعنی طور پر سمجھنے اور دھرانے کا طریقہ جاری رہا۔

ہمارے ایک بہت ہی محترم ساتھی پروفیسر شاد صاحب ہیں۔ انکے ذوق شعروادب کے فطری رجحان کو پروان چڑھانے میں مرحوم نحوی صاحب کا ابتدائی مرحلے میں بہت اہم رول رہا ہے۔

راقم نجی ملاقاتوں میں ان سے سعدی شیرازی، مولانا جامی حافظ شیرازی اور غنی کاشمیری کے اشعار اور انکی تشریح معلوم کرتے تھے۔ حافظ شیرازی کے مقابلے میں انکا لگاؤ سعدی شیرازی کے کلام کے ساتھ تھا۔ یہ اسلئے تھا کہ انکے ہر ایک علمی، ادبی، مذہبی اور دینی مسائل میں اخلاقانہ، واعظانہ اور ناصحانہ انداز ہمیشہ نمایاں رہتا تھا۔ وہ تحریر اور تقریر دونوں پر یکسان عبور رکھتے تھے۔ تعلیمی، مذہبی، سیاسی اور سماجی تقاریب میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ اپنے وسیع علمی اور مذہبی معلومات سے سامعین میں ایک نئی سوچ اُجاگر کرتے تھے۔ اب وہ

اُستادوں کے اُستاد تھے۔ اور ہمارے بیشتر ساتھی تعلیم کے ہی شعبے میں کام کرتے تھے اُن میں اکثر کا کہنا ہے کہ مرحوم نحویؔ صاحب کا پڑھانے کا انداز اور طریقہ درس وتدریس انکے لئے ہمیشہ رہبری کرتا ہے۔ اس طرح سے ہمارے ضلع کے امام، خطیب، استاد، شاعر، واعظ اور طالب علم انکا اثر اور انکی مثال قائم کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے اور یہی اثر تعلیم و تربیت اور یہی اخلاقی پہلو انکے سلیم الفطرت ہونہار فرزند محترم پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد نحویؔ صاحب کے ہاں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

زندگی کے آخری سالوں میں قریبی ہمسایگی کے مواقع میسّر ہوئے۔ اکثر نئی بستی کے مساجد میں نماز جمہ ادا کرنے کیلئے تشریف لاتے تھے۔ سامعین کے اصرار پر خطاب فرماتے تھے اور اکثر نماز کے آداب شرائط اور مسائل بیان فرماتے تھے۔ قربانی۔ روزہ۔ حج، زکواۃ کے مسائل و معلومات سے روشناس کرتے تھے۔ راقم اکثر ان سے ملاقی ہوتا تھا اور انہی کے بچپن میں سُنے ہوئے

الفاظ وتراکیب دریافت کرتا۔علم صرف ونحواور منطق سے متعلق سوالات پوچھکر اپنی واقفیت میں اضافہ کرتا رہتا تھا۔سمجھانے اور سُنانے سے کبھی اُکتایانہیں کرتے تھے نہ غصہ کرتے تھے۔حالانکہ آخری ایام میں جسمانی کمزوری عیاں تھی لیکن اسکا اظہارنہیں کرتے تھے۔فرماتے تھے کہ میرا زیادہ وقت تبلیغ و وعظ اور درس وتدریس میں صرف ہوا۔اسلئے ادیبانہ،شاعرانہ اور مصنفانہ صلاحتیوں کوعملی شکل نہ دے سکا۔

محترم مرحوم نحوؔی صاحب کوتاریخ گوئی نظم کرنے میں بڑا کمال حاصل تھا اکثر آس پاس کی تعمیر کردہ مساجد،زیارتوں اور خانقاہوں میں انکے منظوم تاریخی اشعار پتھروں پرکندہ کئے گئے ہیں،جوانکے علمی،لِسانی اور تخیّلی خلاّقی کے آثارمیں شامل ہیں۔

احقرکودیوان غالبؔ،دیوان حافظؔ،ارمغان حجاز،دیوان غنی کاشمیری کے اکثر اشعار سمجھ سے بالاتر تھے،مرحوم نحوؔی صاحب انکے سمجھانے میں فراخدلی کا مظاہرہ کرتے تھے۔اوربغیر معاوضہ کے محبت اور شوق سے سمجھانا اور واضح کرنا ایک مخلص اُستاداورانسان دوست ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

تعلیم وتربیت میں موجودہ وقت کے ماہرین اخلاقی ومذہبی اور دینی تعلیمات کی افادیت کوسمجھنے اور سراہنے لگے ہیں اور زندگی میں ربطہ وضبط کی

ضرورت کی اہمیت جاننے لگے ہیں، میرے خیال میں مرحوم نحوؔی صاحب اس جیسے مثالی استاد تھے اور موجودہ اور آنے والے وقت کے لئے اس میدان میں شمع فروزان تھے۔ نظیری نیشاپوری کے اس شعر سے اپنی بات پایانِ کار کو پہنچاؤں گا جہاں وہ ایک حقیقی استاد کو زمزمۂ محبت سے تشبیہہ دیتے ہیں اور اگر یہ محبت و شفقت کی کیفیت استاد کے وجود میں قائم ہے تو پھر چھٹی کے روز بھی بھگوڑا طالب علم مدرسہ آنے کی خواہش ظاہر کرے گا۔

درسِ ادیب اگر بود زمزمۂ محبتے
جمعہ بمکتب آورد طفلِ گریز پاے را

ڈاکٹر سید مجید اندرابی

مولانا نحویؔ ۔۔ایک عظیمِ استادِ فن

جنوبی کشمیر کا ایک تاریخ ساز اور عہد آفرین قصبہ بجبہاڑہ اپنے شاندار اور جاندار ماضی کے حوالے سے ایک درخشاں تاریخ کا مُتحمّل ہے۔ یہ قصبہ سرینگر سے جموں جاتے ہوئے قومی شاہراہ پر کوئی ۴۰ کلومیٹر کی مسافت پر دریائے جہلم کے کنارے واقع ہے۔

تاریخی شواہد کے مطابق کشمیر میں اسلام کی اشاعت سے قبل یہاں ایک عالیشان مندر کی تعمیر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ یہاں سنسکرت زبان وادب اور شیو فلسفہ کی درس وتدریس کے لئے ایک یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا تھا، جہاں سے ملک اور بیرون ملک طلبہ ہندو فلسفہ، حکمت اور دھارمک روایات سے مستفید ہوتے تھے۔ چونکہ سولہویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہی اس خطۂ ارضی میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور تہذیبی، ثقافتی تمدنی اور مذہبی طور پر ایک نشاۃ ثانیہ یا احیاءِ نو ہوا اور قصبۂ بجبہاڑہ بھی اسلامی علوم وفنون کا گہوارہ بنا۔ یہاں سے نورِ

عرفان کی شمعیں روشن ہوئیں۔ اب تو یہ صوفیاءِ کرام اور علماءِ عظام کی تعلیمات عالیہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ تاریخ کا دھارا بدل گیا۔ فلسفہ کے گورکھ دھندوں سے نکل کر اب اہالیان بجبہاڑہ قرآن وسُنّت اور سلفِ صالحین کی تعلیمات کے داعی و نقیب بن گئے۔ اسی میدان کے ایک مجاہد، مجتہد، ولی اور عالم دین حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ راولپنڈی سے نکل کر وادی گلپوش کی جانب عازم سفر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں اسی زرخیز اور مردم خیز بستی کو اپنا مسکن بنایا اور اشاعت دین کے حوالے سے معرکۃُ الآرا کارنامے انجام دئے، اور گردونواح میں دور دور تک تبلیغی مراکز کا قیام عمل میں لایا۔ فجر سے لیکر عشاء تک کی پانچ نمازوں کے دوران وہ اکناف واطراف میں مساجد کا سنگِ بنیاد رکھتے تھے اور درسگاہوں کا قیام عمل میں لاتے تھے۔ اسطرح سے ۲۰ سال کے قلیل عرصہ میں انہوں نے ''ایران صغیر'' کشمیر میں بارہ سو مسجدوں کی تعمیر انجام دی اور بے لوث جذبے کے تحت دینِ متین کی آبیاری کے حوالے سے کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بابا نصیب الدین غازیؒ علمی، عملی وقلمی مجاہد کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ اشاعتِ دین کے علاوہ ان کے دو اور اہم مشاغل تھے تصنیف وتالیف کا کام اور غرباء فقراء، مساکین اور یتامیٰ کی پرورش وپرداخت کرنا۔ آپ کم وبیش ۱۴۰ کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے اس زمانے میں یتیم خانوں،

فلاحی اداروں اور خیراتی مراکز کی بنیاد ڈالی تھی، جہاں مخیّر و مُتموّل خاندانوں کے لوگ حقوق اللہ اور خیرات وصدقات کی رقم جمع کر کے خیر عام کا کام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کشمیر میں اس مایہ ناز شخصیت کو ابوالفقراءؒ کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔

شیخ حسن رازیؔ کے فرزند ارجمند اور بابا داوٗد خاکی کے مسترشِد اور تعلیم ولایت کے سرخیل حضرت ابوالفقراء بابا نصیب الدین غازیؒ کا مرقدِ عالی آج بھی قصبہ بجبہاڑہ میں وادی بھر کے لوگوں کے لئے عقیدت کا مرکز ہے۔ یہ زیارت گاہ مرجع خاص و عام ہے۔ یہاں سے نور عرفان کے جو چراغ روشن ہوئے ہیں ان کی ضیاء پاشیاں آج بھی مسلمانان کشمیر کو بہرہ ور کر رہی ہیں۔

اسی زیارت گاہ کے عقب میں خانوادہ خواجہ نحویؔ صدیوں سے سکونت پذیر ہے۔ اس گھرانے کے ساتھ دینی، علمی، اصلاحی اور ادبی تاریخ وابستہ ہے۔ حوادثِ زمانہ کے نشیب وفراز نے اگر چہ درمیان میں راہیں مسدود بھی کر دیں۔ بایں ہمہ بجبہاڑہ کی مردم خیز بستی کے زیرک، ذکی الحس شخصیتوں نے ہر دور میں اپنی ہمہ جہت فنی، ادبی، علمی و عملی سرگرمیوں کا مظاہرہ کر کے اپنی عبقریت کا سکہ جما دیا۔ میری قلمی کاوش کا موضوع ہے وہ استاذ الاساتذہ، عالم دین، شاعر، دانشور اور ایک ذہین وفطین انسان خواجہ غلام حسن نحویؔ مرحوم، جو بہ یک وقت ان گنت

اوصافِ حمیدہ کی عملی تصویر ہونے کے علاوہ ایک خاص زاویۂ نظر کے متحمل استادِ فن کی حیثیت سے آج بھی بجبہاڑہ اور اس کے گردونواح میں شہرتِ عام اور بقائے دوام کے مقام پر سرفراز ہیں۔ تخلیق آدم قوّتِ ایزدی کا ایک محیر العقول کارنامہ ہے۔ خدا نے اپنی صفات کا بھرپور مظاہرہ کر کے اشرف المخلوقات انسان کو پیدا کیا۔ اس طرح سے اُس کی لایزال خلاقی کا کون ومکان میں مظاہرہ ہوا۔ انسان نے اس کی تحمید و تسبیح کر کے اقرار کیا کہ اللہ اپنی ربوبیت میں یکتا ہے۔ اُس کی وحدانیت اور الوہیت کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ انسان جسے خالق کائنات نے ایک خاص منصوبہ کی عمل آوری کے لئے زمین پہ خلیفہ بنا کے بھیجا اور وقت وقت پر اُسے رشد و ہدایت سے نوازا نے، مقامِ عبدیت کے حصول کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اُس نے فرشتوں کے طور طریقوں کے برعکس خودی، خودشناسی، خداشناسی، فکر و عمل، حرکت، قوت، جہد پیہم، علم و حکمت، فراست، تصّورِ آخرت، اطاعت ایزدی اور اتباعِ رسولؐ کے آئینے میں اپنی فرض شناسی کو بدرجہ اتم محسوس کر کے اپنے آپ کو پیش کیا۔ یا یوں کہیئے کہ سوز دروں اور عشقِ حقیقی کی گوناں گوں صلاحیتوں نے گیتی کے رازہائے سربستہ کو وا کیا اور اپنی فعال اور متحرک شخصیت کے گونا گوں پہلوؤں کا شفاف آئینہ دنیا کے سامنے رکھ دیا۔

بعض صوفیاء کی آراء میں ہبوطِ آدم فقط آزمائش مکافاتِ عمل، سزا اور بدلہ ہے، جبکہ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ کی نظر میں یہی ہبوطِ آدم ایک انعام ہے، ایک مبارک و مستحسن فعل ہے، ایک خوش آئیند و اقبال مند حرکت ہے ایک سرمدی مقصد حیات ہے، ایک لازوال زندگی کی ضمانت ہے اور انسان کی انفرادی، اجتماعی اور ہمہ گیر قوتوں کا ایک مظہر ہے۔ جس کو مذہب کی زبان میں ''عبدیت'' کا نام دیا گیا ہے اور اقبالؔ نے عبدیت کی اسی اعلیٰ وارفع منزل کو خودی و خدا شناسی کا نام دیا ہے۔

انسان کی ذات اسرار و معانی کا ایک گنجینہ ہے۔ اُس کے فکری و ذہنی عُمق کے ادراک میں مدّت دراز درکار ہوتی ہے اس کی مظہری دنیا میں جھانک کر اسکا مشاہدہ کرنے میں دہائیاں درکار ہوتی ہیں۔ میرے استاد و مربی پروفیسر بشیر احمد نحویؔ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۹۹ء کے اواخر میں ہوئی۔ اس ملاقات کے بعد میں نے اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی کے ساتھ ایک ناتہ جوڑ دیا۔ چنانچہ مئی ۲۰۰۵ء میں راقم کو نحویؔ صاحب کی زیرِ نگرانی ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ نحوی صاحب کی ہمہ پہلو علمی زندگی کے علاوہ میں ان کی عائلی زندگی کے گونا گوں پہلوؤں سے بھی واقف ہوا۔ ان کے جدِّ بزرگوار اور نامور عالم دین جناب مولانا غلام مصطفیٰ مصفاؔ مرحوم کی تصانیف و تالیفات سے بہرہ ور ہونے کا موقعہ بھی

نصیب ہوا۔ مولانا غلام حسن نحوؔی کی پیدائش دسمبر ۱۹۲۰ء میں ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ ابتداء سے ہی ایک عبقری ذہن کے مالک تھے۔ آپ نے جس زمانے میں آنکھ کھولی وہ سیاسی وتمدّنی اعتبار سے ایک کشاکش اور تلاطم کا دور تھا۔ شخصی راج اور عوامی تحریک باہم دیگر متصادم ہورہی تھی۔ تاہم سکھ دور اور ڈوگرہ شاہی کے گہرے اثرات شدّت کے ساتھ باقی تھے اور شخصی راج سے حصولِ آزادی تک کا سفر دراز ہوتا چلا جارہا تھا۔ وادی میں بحیثیت مجموعی تحصیل علم کے مواقع وامکانات نفی کے برابر تھے، غیر رسمی تعلیم کا رواج تو تھا، البتہ رسمی تعلیم کے حوالے سے گِنے چُنے ادارے تھے۔ الحمدللہ قصبۂ بجبہاڑہ کی مردم خیز بستی میں اُس زمانے کی تاریکیوں میں بھی علم ودانش کے چراغ روشن تھے، مُروّجہ اسکول کے علاوہ پاٹ شالے، دینی درسگاہیں اور مکاتب بھی موجود تھے۔

خواجہ غلام حسن نحوؔی مرحوم نے اپنی ابتدائی تعلیم مقامی اِسکولوں سے حاصل کی اور عربی وفارسی کی تعلیم اپنے والد مولانا غلام مصطفٰیؔ مصفّا سے حاصل کی جو اپنے دور میں بحیثیتِ مدّرس، معلّم اور مبلّغ کے نام پیدا کر چکے تھے۔ مولانا مصفّاؔ ہزاروں طلبہ کو قرآن وحدیث، عربی اور فارسی زبان پڑھا چکے تھے اور اپنا سارا تدریسی تجربہ اپنے فرزند خواجہ غلام حسن نحوؔی کے یہاں منتقل کر رہے تھے۔

مولانا مصفاؔ کو درس گوئی میں زبردست دستگاہ حاصل تھی۔ جس کا اعتراف ان کے ہم عصر علماء و ادباء انتہائی احترام کے ساتھ کرتے رہتے تھے۔ مولانا مصفاؔ نے عربی اور فارسی قصبۂ بجبہاڑہ کے دو نامور جیّد علماء مولانا محی الدین بودا مہدیؔ اور مولانا قمر الدین خاکیؔ سے سیکھی تھیں۔ والد صاحب سے تفسیر، حدیث، فقہ صرف و نحو اور علم عروض وغیرہ سیکھ کر اور پڑھ کر مولانا نحویؔ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا سہارا لیکر اپنے مطالعے میں اتنی وسعت پیدا کر دی، کہ ان کا دماغ ایک لائبریری کی حیثیت رکھتا تھا۔ دریں اثنا ادیب فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات طرۂ امتیاز کے ساتھ پاس کئے۔

اساتذۂ فن کو انہیں استادِ فن بنانے میں زیادہ عرق ریزی اور دشواری سے گذرنا نہیں پڑا۔ اوائل عمر سے استاد بننے تک مولانا نحوی نے زندگی کے گوناگوں مراحل طے کئے۔ اولاً تو انہوں نے روایتی انداز سے بغاوت کر کے ایک شفّاف علمی تحریک کو جنم دیا، ثانیاً وہ ایک بے نیاز اور غیور مسلمان کی حیثیت سے تادم آخر دعوت و تبلیغ اور اشاعت دین کا فریضہ اخلاص اور سادگی سے نبھاتے رہے۔ مولانا کی تقریریں اور درس و تدریس کی محفلیں ضرب المثل کی حیثیت سے وہاں کے علم پرور و ادب دوست حضرات کے سینوں میں اہم دستاویز کی صورت میں آج بھی محفوظ ہیں۔

مولانا ایک سچے عاشق رسول ﷺ کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے۔ پیغمبر رحمت ؐ کے حضور عشق کی سوغات پیش کرنا ان کے لئے سب سے اعلیٰ طُرۂ امتیاز تھا۔ محمد ﷺ کی غلامی انہیں خلعت فاخرہ سے کچھ کم نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دعوت واشاعت کے علاوہ آنحضورؐ کی مدح خوانی ونعت گوئی کو اپنے لئے ایک بڑا اعزاز گردانا تھا۔ عشقِ رسول ؐ نے انہیں سوختہ جاں بنا دیا تھا اور تادمِ آخر دیارِ حبیب ﷺ کی جدائی میں اشک بار ہوتے تھے۔ آخری ایام میں گریہ زاری اور عشق رسول ﷺ میں اشکباری ان کا معمول بن گیا تھا۔

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ کہ ابن الوقت اور مادہ پرست علماء چلوتم ادھر کو جدھر کی ہوا ہو کی رو میں بہہ کر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ تو نرم و ملائم ریشمی قباء تو پہنتے ہیں، جبہ ودستار کو ایک خاص طرح دیکر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں، محافل میں منشیات کا استعمال کر کے فرضی مستی، غنودگی اور استغراق ومحویت کی نمائش کر کے مادی اسباب ووسائل حاصل کر کے متمول زندگی تو گذارتے ہیں لیکن اپنی عاقبت برباد کر کے دیتے ہیں۔ مولانا غلام حسن نحویؔ ان تمام شاطرانہ اور عیارانہ حرکتوں سے پاک ایک خالص عالم دین، واعظ، مبلّغ اور مدرس تھے۔ ان کے عقیدت مندوں میں سے درجنوں کا بیان ہے کہ وہ کبھی مسجد نہیں جاتے، روزہ نہیں رکھتے اور سچ نہیں بولتے تھے، لیکن مولانا نحویؔ نے انہیں

نمازوں کا پابند اور سچائی پر کار بند بنا دیا۔ ان کی دعا سے ان کے گھروں میں سکون واطمینان، شادابی اور سیرابی آجاتی تھی۔ فسق وفجور سے نجات پا کر ہدایت ونور کی طرف آنا انکی گفتگو کا اثر ہوتا تھا۔

مولانا غلام حسن نحویؔ جہاں ایک اعلیٰ پایہ کے مدرس اور مبلّغ تھے وہاں شاعری بھی انکی طبیعت کا اہم حصہ تھی۔ ان کی شاعری حضور ﷺ کی مدح سرائی کے اردگرد ہی گھومتی رہی۔ عشق ان کی ہمہ پہلو زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ دیارِ حبیب ﷺ کا یہ متوالا شاعر اپنے سوز وگداز اور آرزومندی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ دنیا کی تمام سروسامانیاں اور راحتیں قربان جائیں اس فقر لایزالی پر جس کی نظیر پیش کرنا محال ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ الفقر فخری حکومت وشہنشاہی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ فقر کی لذت میں تاثیر کی بوقلمونیاں ہیں۔ اسی فقر نے کعبة الله کی فصیل سے پیغامِ لا تثریب سنایا جس کی صدائے بازگشت غرناطہ سے جنوبی ایشیاء تک اور مراکو سے مراکش تک سُنائی دی۔ جس کے اعجاز نے گورے اور کالے کے مابین امتیاز کو ختم کر دیا اور عالمِ انسانیت پر مساوات کی نئی صبح طلوع ہوگئی۔ انسان نے خودی اور خداشناسی کے اسرار سمجھ لیے۔ آدم گری کا بول بالا ہوگیا۔ مولانا نحویؔ اپنی ایک اردو نظم میں عزتؔ بخاری کے ایک مصرعہ پر تضمین کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

خودی کی سربلندی ہے عیاں الفقر فخری سے
قیادت کے لئے ہر دور میں وہ ذات ہے زیبا

نہ کیوں ہو آج انساں گامزن ماہ وثریّا پر
شبِ معراج نے کھولی ہے راہِ عالم بالا
ادب سے عرش بھی اس در پہ اپنا سر جھکاتا ہے
''نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا''

آج مولانا مرحوم ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ۱۱نومبر ۲۰۰۵ء یوم الجمعہ صبح سویرے میرے فون کی گھنٹی بجی، نحوی صاحب کو دھیمی اور مضمحل آواز کے ساتھ پہچانا، خیریت دریافت کرنے پر انہوں نے مدہم آواز میں فرمایا۔ میرا اثاثہ لٹ گیا، میرا شفیق باپ، میرا مربّی، میرا مرشد، میرا اُستاد۔ قمری باغ نبیؐ قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ اسی روز دس بجے میں نے مرحوم کے جلوس جنازہ میں شرکت کی اور مولانا نحوی کو حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کے صحن میں سپرد خاک کیا گیا۔ اس طرح قصبہ بجبہاڑہ کی علمی کہکشاں کا ایک درخشندہ ستارہ

بادلوں سے پرے ہوگیا۔مولانا کی پاکیزہ روح تو قفس عنصری سے پرواز کرگئی مگر اِن کی جلائی ہوئی مشعلیں ،قندیلیں اور شمعیں تادیراُفق علم وادب پر درخشاں رہیں گی۔ان کی زندگی خزاں زدہ نہیں سدابہار ہے۔

مولانا مرحوم کے فرزند پروفیسر بشیر احمد نحوی اپنے والد کی ضعیف العمری اور نحافت کی وجہ سے اکثر اوقات پریشان وفکر مندرہا کرتے تھے۔اکثر و بیشتر فون پر بات کرکے گھر والوں کو دوائی اور متوازن غذا کی فراہمی کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ان کا قالب تو اقبال انسٹی ٹیوٹ میں ہوتا تھا مگر روح والد صاحب کی پاس میں ہوتی تھی۔ہم جو اسکالروں کی ایک جمعیت ان کی زیرنگرانی کام کرتے تھے،ان سے کبھی کبھار استفسار بھی کیا کرتے اور اتنی زیادہ بے چینی وفکر مندی کے حوالے سے دریافت کرتے تو آپ فرماتے تھے۔

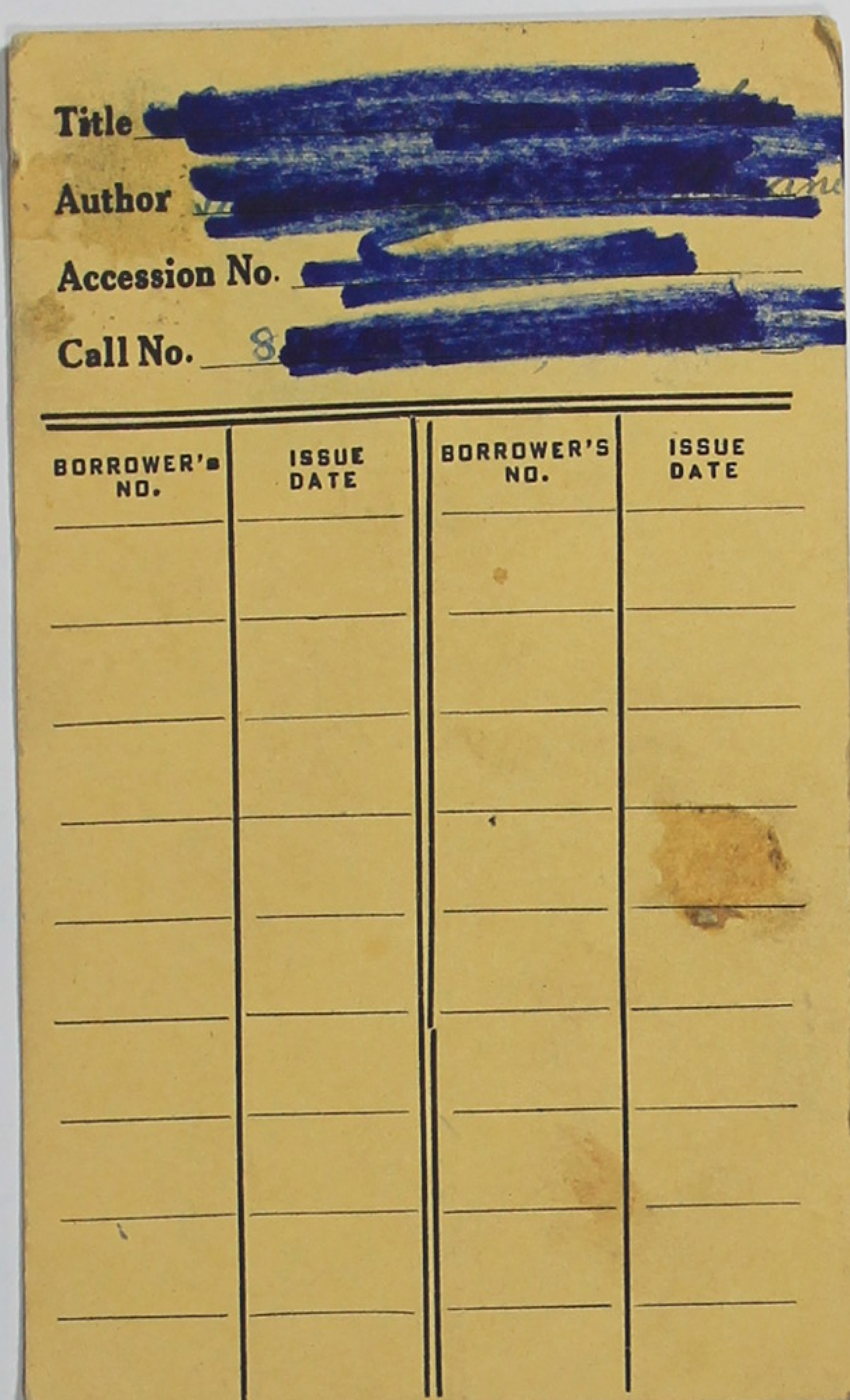
’’یہ میرے رفیق وشفیق والد صاحب کی علمی کاوشوں کا ہی صدقہ ہے کہ میں اس مقام پہ فائز ہوں۔ورنہ میری کوئی بساط نہیں۔انہوں نے میری جسمانی پرورش کرنے کے علاوہ میری علمی اور ادبی تربیت بھی کی۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت میرے لئے منارۂ نور ہے۔راتوں میں ان کی خدمت کرنا،انہیں تسلی دینا،کروٹ بدلنا،دوائی پلانا اور سراہنے پہ رہ کر ان کی خدمت کرنا میرے لئے

نوافل، تہجد اور دیگر عبادات سے بہتر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تا دیر ان کی خدمت کر کے حق ادا کرنے کی سعی کر سکوں اور دنیا و آخرت کی سرخروئی حاصل کر سکوں۔ خدمت کے یہ بیش بہا لمحات اگر میرے ہاتھوں سے چھوٹ گئے تو مجھ سے زیادہ کوتاہ قسمت کوئی نہیں۔ میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ ان کا سایۂ عاطفت مدت تک قائم رہے تا کہ میری آخرت سنور جائے۔ یہی خدمت میرے لئے آخرت کی سوغات ہے"۔

جنون کی حد تک یہ بے قراری نحوؔی صاحب کی اطاعتِ والدین کا شفاف آئینہ پیش کرتی ہے۔ میں نے آج تک کسی بھی وفادار فرزند کو اس انہماک اور تن دہی سے اپنے بزرگ باپ کی خدمت کرتے نہیں دیکھا ہے۔ نحوؔی صاحب کے گرد و نواح میں ان کے احباب، رشتہ دار اور بہی خواہ بھی اس بے پناہ اور بے لوث خدمت و اطاعت سے حیران و متاثّر ہیں۔ تین سال پہلے پروفیسر نحوؔی صاحب کو موروشیس افریقہ سے ایک بین الاقوامی اردو کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے دعوت نامہ موصول ہوا۔ اس کے لئے انہیں سرکاری خرچہ پر جانا تھا۔ سرکاری مہمان کی حیثیت سے تمام تر سہولیات فراہم تھیں۔ مگر راقم عینی گواہ ہے کہ نحوؔی صاحب نے اپنے والد کی ضعیف العمری کے سبب بلا تامّل اس

دعوت نامے کو ٹھکرا دیا۔ اس عیش و عشرت والے خیر سگالی دورے پر جانے کے بجائے اپنے بزرگ باپ کی خدمت میں رہنے کو ہی ترجیح دے دی۔ ایسی مثالیں آجکل کے قدروں سے عاری زمانے میں بہت کم فراہم ہوتی ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ



Title [redacted]

Author [redacted]

Accession No. [redacted]

Call No. [redacted]

BORROWER's NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی

خواجہ غلام حسن نحوؔی ۔ بحیثیت ایک دانشور اور نعت گو سخنور

مرحوم و مغفور مولانا غلام حسن نحوؔی وادیٔ گلپوش کی اُن تاریخ ساز ہستیوں سے تعلق رکھتے ہیں جن پر ہماری آنے والی نسلیں ہمیشہ فخر کرتی رہیں گی۔ آپ نے ایک ایسے خانوادے میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے اشاعتِ دین، عشقِ رسولِ عربیؐ اور علم و عرفان کا مرکز و محور رہا ہے۔ مرحوم کا تعلق قدیم مادر علمی قصبہ بجبہاڑہ کے اُس علمی خانوادے سے ہے جو مُدت سے تعلیماتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کے علاوہ ادبیات عربی اور فارسی کا گہوارہ رہا ہے۔ چنانچہ آپ کے والدِ بزرگوار مولانا مصفاؒ چالیس ہزار ابیات پر مشتمل مثنوی ''تاریخ الانبیاء'' کے مولف ہیں اور ہزاروں عاشقانِ علمِ قرآن و حدیث کو نصف صدی تک درس و تدریس سے فیض یاب فرما چکے ہیں۔

مولانا غلام حسن نحوؔی مرحوم نے اسی علم و معرفت کے ماحول میں پرورش پاکر عربی، فارسی اور اُردو ادبیات میں مہارتِ تامہ حاصل کر کے وعظ و تبلیغ کے

ذریعے علمِ قرآن اور احادیث نبویؐ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا۔ یہاں تک کہ تقریباً گیارہ ہزار نفوس آپ کے سامنے انفرادی طور پر زانوئے تلمذ تہہ کر کے علمِ قرآن اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے سرشار ہوئے ہیں۔

علم و معرفت کے علاوہ ادبیات عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ بے پناہ انہماک اور کمال دیکھ کر ۱۹۶۰ء میں اُس وقت کے وزیرِ اعظم جموں و کشمیر مرحوم بخشی غلام محمد نے انہیں ترجیحی بنیادوں پر شعبۂ تعلیم میں بحیثیت اُستاد تعینات کرایا۔ یوں قریباً تیس سال تک مولانا نحوؔی مرحوم نے درس و تدریس کے فرائض بحسن و خوبی انجام دے کر ہزاروں کی تعداد میں طلبہ و طالبات پر اپنے تبحر علمی کے انمٹ نقوش ثبت کیئے۔ آپ ایک طرف درس و تدریس کے ذریعے ملت کے نونہالوں میں علم و عمل کے موتی بکھیرتے رہے اور دوسری طرف پوری ملت مظلومہ کو گمراہی اور ضلالت کے دلدل سے باہر نکالنے اور رشد و ہدایت کی طرف رہبری و رہنمائی کرنے کا فریضہ بھی وعظ و نصیحت اور تبلیغِ دین کے ذریعہ انجام دیتے رہے۔ اس سلسلے میں آپ مسلسل پچاس سال تک جامع مسجد لتر شاہورہ پلوامہ میں تبلیغِ دین کے فرائض انجام دیتے رہے اور لاکھوں فرزندانِ توحید کے دلوں میں قرآن و حدیث کی تعلیمات راسخ کرنے میں منہمک رہے۔ یوں اُن

کی پوری حیات مستعار خدا پرستی اور رسول رحمتؐ کی حقیقی معرفت عام کرنے میں صرف ہوئی۔ بلاشبہ اُن کی زندگی امانت داری، اخلاص، للٰہیت، زُہد، تقویٰ اور جہدِ مسلسل سے عبارت ہے۔

علم و ادب کی دنیا میں عقل اور عشق دو علامتیں ہیں جو زندگی کے رویہ اور اس کے خدوخال کو متعین کرتی ہیں۔ مرحوم غلام حسن نحویؒ کے اندر فکر و تدبر کی یہی صلاحیتیں اللہ کی طرف سے ودیعت ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کی زندگی میں عقل و عشق کی کارفرمائیوں کا حسین امتزاج (Synthesis) جلوہ گر نظر آرہا تھا۔ انہی مومنانہ خصائل کی وجہ سے وہ حق و صداقت بیان کرنے میں تامُل یا مصالحت کے روادار نہیں رہے بلکہ جہاں بھی اور جس کے ذریعے بھی وہ کوئی ناانصافی یا ظلم ہوتے دیکھتے تو فوراً اُسے برملا ٹوکنے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ مضمون کی تنگ دامنی کے پیشِ نظر اس سلسلے میں صرف ایک تاریخی مثال پیش کی جارہی ہے جس کے ایک ثقہ راوی اُنہی کے ایک ہم پیشہ ہیں۔ میرا اشارہ ہے ریٹائرڈ اُردو لیکچرار الحاج غلام مصطفیٰ وانی ساکن حاجن سوناواری مقیم بارہمولہ کی طرف۔ محترم غلام مصطفیٰ صاحب نے راقم الحروف کو اس تاریخی واقعہ کی جانکاری دلاتے ہوئے بتایا کہ مرحوم غلام محمد صادق کے دورِ حکومت میں سپریم کورٹ آف انڈیا نے ایک خصوصی رولنگ کے تحت ایک مخصوص طبقے سے وابستہ

گزیٹڈ پوزِشنوں پر تعینات کئی اساتذہ صاحبان کا تیر تھ ناتھ تِکو کی عرضداشت پر تنزل (revert) کیا گیا۔ حکومتِ وقت کے اس غیر دانشمندانہ طرزِ عمل پر اُس طبقے سے وابستہ اساتذہ صاحبان سراپا احتجاج بن گئے اور انہوں نے باضابطہ طور پر ایک فورم (Backword Community Organisation) کے نام سے تشکیل دیا، جس کے صدر ایک ہائر سکنڈری سطح کے پرنسپل جناب غلام نبی صاحب بنائے گئے اور اُس وقت کے کالج پروفیسر سیف الدین سوز صاحب کو اس فورم کا سیکرٹری نامزد کیا گیا۔ اُنہی کے ایما پر باغِ دلاور خان سری نگر کے M.P. School کے احاطے میں ایک عظیم الشان اساتذہ کا جلسہ منعقد ہوا۔ اساتذہ برادری میں اُس وقت کے اُستاد اور سابق وزیرِ تعلیم محمد شفیع صاحب بھی شامل تھے۔ محترم پروفیسر سیف الدین سوز صاحب اور محترم شفیع صاحب سمیت بہت سارے اساتذہ کرام نے اس موقعے پر تقاریر کر کے حکومتِ وقت کو مخصوص طبقے سے وابستہ اساتذہ برادری کے خلاف اُنکے آمرانہ طریقہ کار پر ہدفِ تنقید بنایا۔

اس تاریخی جلسے میں مرحوم غلام حسن نحوؔی صاحب بھی بحیثیت ایک استاد اپنی اساتذہ برادری کے درمیان موجود تھے۔ انہوں نے بھی اپنی شاعرانہ اور قلندرانہ جسارت کے ذریعے جلسے میں موجود شرکائ کے اصرار پر اُسی وقت اپنے

جذبات و احساسات کو شعر کے سانچے میں ڈھال کر ''پسماندہ طبقن ھٔندی فریاد'' کے عنوان کے تحت یوں جلسے میں اپنی ادیبانہ اور شاعرانہ برجستگی کا عملی ثبوت دے دیا۔

یہ کیاہ ہُنگاہ تۂ واوہ تیز نارہ
چھُ نا پسماندٕہ طبقن دأدی دارہ
پتھر پیوٗمُت بجر چھا وارٕ پاوٗن
گُلِس کھأرِتھ کرن گوٗڈ رب تۂ ساوٗن

مرحوم غلام حسن نحوؔی بحیثیتِ ایک نعت گو سخنور

مرحوم غلام حسن نحوؔی ایک اُستاد، عالمِ دین، واعظ و خطیب کے علاوہ مقتدر ادیب، انشاپرداز، شاعر اور نعت گو عاشقِ رسولؐ تھے۔ لیکن اِن ساری خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوصف آپ نے اپنی حیاتِ مستعار میں کبھی بھی نہ اپنے کسی کلام ہی کو زیورِ طباعت بخشنے کی خواہش کا اظہار کیا اور نہ ہی کبھی الیکٹرانک میڈیا پر آنے کے لئے آمادہ ہو گئے حالانکہ اُن کے فرزندِ پروفیسر بشیر

احمد نحوی ایک طویل عرصے تک دوردرشن کیندر سرینگر میں کام کرتے تھے۔ لہذا وہ اپنا فکر وفن عوام تک پہنچانے میں کوئی دِقت محسوس نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو جو صفت ودیعت فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ آپ شہرت طلبی، ریاکاری اور نام و نمود سے سخت متنفر تھے۔ عالم و فاضل اور ادیب، انشا پرداز و شاعر ہونے کے باوجود کبھی بھی اپنے آپ کو ان القاب سے روشناس نہیں کرایا، یہاں تک کہ بہت ہی کم لوگوں کو اس بات کی علمیت ہے کہ آپ ایک مقتدر شاعر اور نعت گو عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

دراصل آپ نے ہمیشہ ایک گمنام اور اجنبی انسان کی طرح اس دنیائے فانی میں زندگی گذارنے کو ترجیح دے کر رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کو مطمحِ نظر بنایا جس میں آپؐ نے فرمایا کہ اِن اللہ یُحبُ الابرار الاتقیاء الاخفیاء الذین اِذا غابوا لَم یتفقدوا وَ اِذا حضروا کم یتقربوا قلوبھم مصابیعُ الھُدای یخرُجون من کُلِ غبراءِ مظلمةٍ

یعنی اللہ تعالی اپنے ان بندوں کو محبوب رکھتا ہے جو نیک ہوں، پرہیزگار ہوں اور گمنامی کی زندگی اس طرح گزارتے ہوں کہ اگر وہ مجلسوں میں کہیں موجود نہ ہوں تو انہیں تلاش نہ کیا جائے اور اگر حاضر مجلس ہوں تو کوئی خصوصی نشست لئے ہوئے نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ ایسے لوگ

(بلکہ ایسی ہستیاں) تاریک اور سیدھی سادی رہائش گاہوں سے نکلتے ہیں یا نمودار ہوتے ہیں''۔

مولانا غلام حسن نحوؔی صاحب کے قریبی واقف کار بغیر کسی تامل و توقف کے یہ شہادت پیش کر سکتے ہیں کہ آپ کی ذاتِ گرامی متذکرہ بالا حدیثِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مُتصف تھی۔

مولانا مرحوم نحوؔی نے تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ فارسی، اُردو اور کشمیری میں اُن کا غیر مطبوعہ کلام باضابطہ طور پر اُن کے فرزند پروفیسر بشیر احمد نحوؔی صاحب کے پاس من وعن محفوظ ہے۔ بعض کلام اُن کے مقتدر شاگردوں کے پاس بھی موجود ہے۔ پروفیسر بشیر احمد نحوؔی صاحب نے اب اپنے بعض علم دوست افراد کے اصرار کے بعد اُن کے تمام کلام کو اشاعت کے ذریعے منظرِ عام پر لانے کی احسن کوشش و کاوش کا آغاز کیا ہے۔ دیر آید درست آید کے مصداق اُن کی یہ کوشش بھی قابلِ صد تحسین ہے۔ زیرِ نظر مقالہ بھی در اصل اسی علمی کوشش کی ایک کڑی ہے۔ یہاں پر مضمون کے عنوان کو مدِ نظر رکھ کر اُن کے نعتیہ کلام ہی کی طرف قارئین کی زیادہ توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی جائے گی۔

مناجات یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف اور امداد طلب کرنے کے

بعد نعت رسولِ مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے۔نعت عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے لغوی معنی تعریف یا وصف بیان کرنے کے ہیں۔ادبیات اور اصطلاحاتِ شاعری میں نعت کا لفظ اپنے مخصوص معنیٰ رکھتا ہے اور اس سے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف مراد لی جاتی ہے۔نعت کو اب ایک انتہائی عظیم اور وسیع موضوع کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے کیونکہ نعت کا تعلق کائنات کی اُس عظیم الشان شخصیت سے ہے جو کسی مخصوص گروہ یا قوم کے لئے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے اسی لئے مُحسن انسانیت کہلائے۔نعت گوئی کی ابتدا اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ حکیم کے ذریعے فرمائی ہے۔ قرآنِ حکیم میں حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہایت محبت واحترام واہتمام سے ہوا ہے۔قرآن نے آپؐ کو کہیں سراجاً مُنیرا کہہ کر پکارا ہے۔اور کہیں رحمۃ اللعالمین، یا ایھاالمزمل و یا ایھا المدثر کی صدائے محبت و شیفتگی سے نوازا ہے۔رسولِ اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہی حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ طور پر نعتِ رسولِ مقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر کے اس صنف کی داغ بیل ڈال دی۔چنانچہ رسولِ اکرمؐ نے حضرت حسانؓ بن ثابت کے لئے مسجدِ نبویؐ میں منبر رکھوایا اور آپؓ اپنی تمام حیات میں حضورِ پرنور پر محبت اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتے رہے۔آپؐ نے حسانؓ کو ''شاعرالاسلام'' کا

خطاب بخشا۔ حضرت حسانؓ کفارِ مکہ کی کثیف شاعری کا ڈٹ کر مقابلہ کر کے اُن کے ہجو کا بر ملا اور بہترین نعت گوئی سے جوابات دیتے تھے۔

حضرت حسانؓ بن ثابتؓ نے رسولِ اکرمؐ پہ یہ نعت پڑھ کر تمام تاریخِ ادبِ عربی کو روشن کر کے چار چاند لگائے ہیں۔

خُلِقت مُبرّا من کُلّ عیب
کانک قد خُلقتَ کما تشاء

و اجمل منک لم ترقط عینی
وَ احسن منک لم تلد النساء

ترجمہ: ''یارسول اللہؐ آپ کو اللہ نے تمام کمزوریوں سے مُنزہ پیدا کیا، ایسے پیدا کیا جیسے آپؐ ہی نے چاہا۔ میری آنکھ آج تک آپ جیسا خوبصورت نہیں دیکھ سکی ہے اور کوئی ماں آپ جیسا حسین بچہ جن نہیں سکی ہے''۔

حضرت حسانؓ کے بعد نعت گوئی کی صنف شدومد سے آگے بڑھی اور آج تک عربی، فارسی اور کشمیری میں اپنا ایک منفرد آہنگ پیدا کر چکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت کعب بن مالکؓ اور حضرت عباسؓ کی

نعوت عہدِ نبوی میں ہی مقبولِ عام ہو گئی تھیں۔

فارسی زبان میں معروف نعت گو حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ قرار پائے۔ آپ عمر بھر ذاتِ گرامیِ رسولِ اکرمؐ کی مدح خوانی میں رطب اللسان رہے۔ آپ نے یہ نعتیہ اشعار کہہ کر گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

یا صاحب الجمالِ و یا سید البشر

من وجھک المنیر لقد نُور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اردو شاعری کے علاوہ کشمیری شعر و ادب میں بھی نعت کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے۔ مسلمان شعرا میں شاید ہی کسی شاعر نے نعت نہ لکھی ہو۔ غیر مسلم کشمیری شعرا میں فانیؔ۔ نادمؔ۔ چمنؔ وغیرہ نے اس صنف میں خوب طبع آزمائی کی ہے۔ مثال کے طور پر دینا ناتھ نادمؔ کا نعتیہ کلام زبان زدِ عام ہے۔

عربی شاہا مدنی ماہا

اَسہِ گرشھ گٹہِ منز گاہا چون

محترم غلام حسن نحوی صاحب کی طبیعت کا میلان بھی ابتداٗ ہی سے نعت گوئی کی طرف ہی رہا ہے۔ انہوں نے اپنا اکثر نعتیہ کلام کشمیری زبان میں ہی رقم کیا ہے۔ اُن کے مجموعہ کلام میں درج چند نعوت ملاحظہ کیجئے ؎

یا نبیؐ لولہ تب میہ چھم نہ ہمن
زولنم دورِرَن دِلک خرمن

ناز نینا چھ اکھ نظر کافی
تازہ گژھ ہن خزاں رسیدہ چمن

اسی طرح سے ایک اور کشمیری نعت میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں ؎

حجازی لالہ ییہ نا سالہ امشب
کرس ینبر زلن بو مالہ امشب

میہ لس پراران لوسم یا ونن دوہ

تسند ڈورر بو کوتا ژالہ امشب

درج بالا نعتیہ کلام اس حقیقت کی شہادت پیش کرتا ہے کہ آنے والا کل مرحوم غلام حسن نحوی صاحب کو ضرور ایک عظیم نعت گو شاعر ثابت کر دے گا۔

''تاجدارِ مدینہؐ'' کے عنوان کے تحت انہوں نے اپنے نعتیہ اشعار میں رسول اللہؐ پر یوں عقیدت کے پھول نچھاور کیئے ہیں۔

تھزر رووحقن عالمس منز شان مدینک

جبرئل امین ہتھ ملک دربان مدینک

یہ چھو نکتہ نازک زلنہِ سی لیس آسہِ نظر تیز

دارُالسلامک میزبان مہمان مدینک

مرحوم نحوی صاحب کے ایک ہمعصر معروف نعت خواں و نعت گو شاعر مرحوم فاضل کشمیری صاحب نے رسول اکرمؐ پر اپنے عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے انہیں شمعِ ہدایت اور نور کی ازلی حقیقت قرار دے کر آپؐ کے عشق

میں جلنے والے کو حیاتِ جاوداں کا پیغام سنایا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

ژ چھک شمع ہدایت یا محمدؐ
ژ چُھک نورِ چ حقیقت یا محمدؐ

ژ بہ پتھ یم دِ تمو لب زندگانی
بہٕ کر ہے پوٚنپرن گتھ یا محمدؐ

مرحوم نحوؔی صاحب نے بھی تقریباً اسی اسلوب میں رسولِ اکرمؐ کو مُحسنِ اولادِ آدم قرار دے کر رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں خراج ادا کیا ہے ؎

ذات چانۍ محسن اولادِ آدم یا رسولؐ
چانہِ سئِتّن رونق بزمِ دو عالم یا رسولؐ

چاۍن نورن آدم خاکی نژادس دیوت شرف
جوہرِ نوری ملک تس رٔوِ دۍ سر خم یا رسولؐ

پورِ عمرانس تمنا اُمتی چانوی بُنن
چانہِ میلادک مُبشر ابن مریم یا رسولؐ

محترم نحویؔ صاحب نے دراصل یہاں قرآنِ حکیم کی اُس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں یہ نعت کہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ رسول اکرمؐ کی بعثت کے بارے میں مسلمانوں سے یوں مخاطب ہوئے ہیں کہ: لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا. يتلوا عليهم ایٰته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة

کہ دراصل اللہ نے مومنین پر یہ ایک عظیم احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اُس کی آیات سناتے ہیں اور انہیں پاکیزہ بناتے ہیں۔اورانہیں تعلیمات سکھاتے ہیں۔

اُردو زبان میں بھی محترم نحویؔ صاحب نے صنفِ نعت میں طبع آزمائی کی ہے۔چنانچہ معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ کوایک جگہ یوں بیان کرتے ہیں ؎

موشگافِ رازِ وحدت محرم اسرارِ ذات
جنکی شخصیت ہے اول وجہِ اظہار صفات

ایک شب بطحا سے ارضِ ایلیا تک سیر کی
عالمِ بالا کے نظارے کی خاطرِ التفات

فارسی زبان میں آپ نعت رسولؐ رقم کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔
نمونے کے طور پر اُن کے چند فارسی اشعار ملاحظہ کیجئے

مصطفیٰؐ قائدِ زمان و مکان
مقتدائے پیمبرانِ جہان

پاسدارِ حقیقتِ ابدی
شہسوارِ منازلِ عرفان

شد ز فیض ولادتش ظاہر
منتخب مکہ از ہمہ بُلدان

روح شد شاد از توسُلِ او
نوح آزاد گشت از طوفان

توشہ گیر فصاحتش ہارون
خوشئہ چینِ بلاغتش سحبان

سر بلندے کہ درسِ دیں آموخت
در دبستانِ علَّم القرآن

بزم افروزِ کارگاہ حیات
عزم آموزِ فاتحانِ جہاں

انہوں نے اپنے نعتیہ کلام کے علاوہ منقبت، مناجات اور غزلیات میں بھی خاطر خواہ طبع آزمائی کی ہے، یہاں مضمون کی تنگ دامنی ایک اور باران تمام اصناف کا ذکر کرنے میں رُکاوٹ بن جاتی ہے لیکن پھر بھی مختصر طور پر حضرت امام حسینؓ کے اُس مرثیہ کا تذکرہ ناگزیر بن جاتا ہے جس میں انہوں نے یوں ''ذکرِ حسین'' کے عنوان کے تحت شہادتِ حسینؑ پہ اپنا اظہار یوں کیا ہے ۔

السلام اے بوسہ گاہِ مصطفیٰؐ
السلام اے نورِ چشمِ مرتضیٰ

السلام اے سروِ بُستانِ رسول
السلام اے شہسوارِ کربلا

السلام اے مبتلائے قید و بند
السلام اے پیکرِ صبر و رضا

راقم کے خیال میں محترم نحوؔی صاحب کا درجِ بالا مرثیہ، حکیم الامت اور علامہ اقبالؔؒ کے اِس کلام سے مطابقت اور مشابہت رکھتا ہے جس میں وہ یوں امام عالی مقام کوخراجِ عقیدت ادا کرتے ہیں ۔

آں امام عاشقان پورِ بتولؓ
سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر

فکرِ اقبالؔ سے قلبی وابستگی کے متعلق اُستاذِ مکرم پروفیسر بشیر احمد نحویؔ نے ہمیں ایک دفعہ بتایا کہ ''میرے والدِ محترم یعنی مرحوم غلام حسن نحوی صاحب جب بھی کبھی افسردہ یا علیل ہوتے تھے تو مجھ سے ضرور کلیاتِ اقبال فارسی کے اشعار سن کر سکون اور تکلیف میں افاقہ محسوس کرتے تھے۔ یہاں مجھے برصغیر کے مقتدر عربی ادیب،

فاضل اور عاشقِ اقبالؔ مولانا علی میاںؒ ندوی کے یہ الفاظ ذہن میں گردش کر رہے ہیں کہ ''عصرِ حاضر میں ذہنی طور پر میں اقبالؒ سے زیادہ کسی اور سے متاثر نہیں ہوا۔ ''بالِ جبریل''، 'ضربِ کلیم' اور اُن کا دیگر کلام جب میں پڑھتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کہیں اور کی باتیں ہیں۔ اقبالؔ کی فکر، اُن کا یقین واعتماد اور خودنگری کا پیغام میری فکر میں پیوست ہو گیا۔ میرے شعور و بصیرت پر اُن کا گہرا اثر ہوا''۔

مظفر احمد زرگر
لکچرر رحمت عالم بی۔ایڈ کالج
اسلام آباد

خواجہ غلام حسن نحویؔ۔مختلف مکاتبِ فکر کا محترم مبلّغ

میں خواجہ غلام حسن نحویؔ صاحب کو اُس وقت سے جانتا ہوں جب میں ڈگری کالج کھنہ بل میں زیر تعلیم تھا۔وہ لتر علاقہ شاہورہ میں قریب قریب نصف صدی تک وعظ و تبلیغ فرماتے رہے۔اُن کے خطاب میں ایسی کون سی مقناطیسی کشش تھی جو مجھے جمعہ کے دن کی آمد کیلئے بے صبری سے انتظار کرنے پر مجبور کرتی۔میں جمعہ کو اپنے دوستوں کو کالج میں ہی چھوڑتا تھا اور خود لتر جامع مسجد کی طرف روانہ ہوتا تھا۔بہت سے ایسے مواقع بھی ملے جب نحویؔ صاحب اور میری ملاقات نائینہ سنگم پر کشتی میں سوار ہوتے ہوا کرتی تھی۔

نحویؔ صاحب کا خطاب ایک علمی اور اخلاقی خطاب ہوتا تھا۔وہ اپنے خطاب میں عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو متحد ہونے کے اشارات دیتے تھے۔وہ

اپنی دعاؤں میں عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو اشکبار آنکھوں سے یاد کرتے تھے۔اُن کا خطاب سُن کر ایسا لگتا تھا کہ دوران ہفتہ نحوؔی صاحب نے نہ ہی کوئی میگزین پڑھے بغیر چھوڑا ہے اور نہ ہی ذرائع ابلاغ سے تعلق توڑا ہے جن سے وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی صورت حال سے باخبر معلوم ہوتے تھے۔میں اس بات پر آج بھی حیران ہوں کہ اُن کے خطاب میں وہ کیسا منفرد انداز تھا، جس سے جوان، بوڑھے، ان پڑھ اور پڑھے لکھے سب ان کے دیوانے ہو گئے تھے۔آج کل ملت ایک ایسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے جس کا علاج آج علما تو کر رہے ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ مرض رُکنے کا نام ہی نہیں لیتا بلکہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔وہ بیماری ہے مختلف مکاتبِ فکر سے وابستگی رکھنے والوں کا آپسی اختلاف۔مجھے یہاں نحوؔی صاحب کی یاد شدّت سے محسوس ہو رہی ہے کہ اُن کے خطاب میں وہ کون سے کرامت چھپی تھی جو ہر ایک مکتبِ فکر کو اُن کی مسجد میں لا کر سننے کے لئے بے تاب کر دیتی تھی۔سوالات کا سلسلہ بھی ہوا کرتا تھا اور اُن کے جوابات سے مسئلے سُلجھتے تھے اُلجھتے نہیں۔

مجھے چند واقعات یہاں یاد آ رہے ہیں جو میں نے اُن کی زبان سے سننے اور آج تک بالکل اُسی صورت میں یاد ہیں جس انداز گفتگو میں اُنہوں نے فرمائیے تھے۔ایک دفعہ فرمایا بچھو جب پیدا ہوتا ہے وہ اپنی ماں کا شکم چیر کر پیدا

ہوتا ہے اسی وجہ سے بچھو کے گھونسلوں میں بچھوؤں کے ڈھانچے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ تصور رب کا ذکر فرما رہے تھے اور کہا وہ لمحے کیسے ہوں گے جب بندہ کو اللہ تعالیٰ سے زیارت کا موقع ملے۔ اُنہوں نے رب کعبہ کے جلوہ افروز ہونے کی لذت اس قدر بیان کی کہ ہزاروں لوگ ایسی کیفیت محسوس کر رہے تھے جیسے بچشم خود اپنے رب کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اکثر فرماتے تھے سورہ یاسین مُردوں پر پڑھا جاتا ہے، جب کہ یہ سورت زندوں کو نئی زندگی عطا کرسکتی تھی۔ فرماتے تھے جس سینے میں سورہ یاسین حفظ ہو وہ سینہ کبھی نزلہ زکام سے خراب نہیں رہے گا۔ اُن کو لفظ پرویز سے بڑی نفرت تھی فرماتے تھے پرویز نے رسول اکرمؐ کا خط پھاڑ ڈالا، لہٰذا اپنے بچوں کا نام اس کے نام پر ہرگز نہ رکھا جائے۔ ان کے ایک خطاب میں تیس چالیس علمی نکتے ہوا کرتے تھے۔ لیکن سامعین کی اکثریت ناخواندہ تھی۔

علاقہ لِتر شاہورہ میں مرحوم غلام حسن نحوؔی صاحب کے بے شمار عقیدت منداور شیدائی موجود ہیں۔ اُن سبھی کا ذکر کرنا یہاں ممکن نہیں۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ میرے والدِ محترم مرحوم ماسٹر غلام حسن زرگر صاحب باضابطہ نماز جمعہ اور عیدین لؔتر میں ادا کرتے تھے۔ حالانکہ ہمارا گاؤں جس کا نام اگلر ہے میں بھی نماز جمعہ کی ادائیگی ہوا کرتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں عیدی مانگنے کے لئے امی جان کے پاس جاتا تھا وہ فرماتی تھی ابا جان کو آنے دو۔ میں پوچھتا تھا جب

میرے چچا جان نماز سے آئے تو میرے ابا جان کیوں نہیں آئے وہ فرماتی تھی کہ آپ کے ابا جان لِتر میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ابا جان کو تو میں یہ سوال نہیں کرسکا کہ وہ لِتر نماز کے لئے کیوں جاتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے میرے سوال کا انتظار نہیں کیا اور وہ مجھے بچپن میں ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن یہاں میں اور دو اشخاص کا ذکر کرتا ہوں اسے آپ حُسن اتفاق سمجھئے کہ اُن دونوں کا نام بھی غلام حسن ہی ہے۔ اُن میں غلام حسن بٹ مرحوم جن کی زبان پر خواجہ صاحب کا نام ہمیشہ ہوتا تھا، خواجہ صاحب کے تمام خطابات اُسے ازبر تھے۔ ایک دفعہ ان سے گفتگو کے دوران اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ جمعہ کے دن میں کھیت پر جاتا ہوں اور میں زمینداری میں مشغول ہو جاتا ہوں جوں ہی خواجہ صاحب کی آواز میرے کانوں میں پڑتی ہے مجھے بے قراری ہو جاتی ہے اور میں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی کھیت میں ٹھہر نہیں سکتا ہوں، کیونکہ ان کا ایک گھنٹے کا بصیرت افروز خطبہ میرے ایمان کا حصہ ہے۔ اس طرح دوسرے غلام حسن ڈار ہیں۔ وہ بھی دینی مسائل میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ بالکل ان پڑھ ہیں، لیکن مذہبی مسائل میں اچھی جانکاری کے مالک ہیں۔ وہ مجلسوں میں ہر کسی موضوع پر خود اعتمادی کے ساتھ بولتے ہیں اور اُن کے پاس حوالہ ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کا خطاب، تاریخ اور وقت کے ساتھ۔

خواجہ صاحب ہمارے علاقہ شاہورہ کے پچاس سال تک ہر دل عزیز مبلّغ اور مُدرّس تھے۔وہ اس علاقے کی علمی اور دینی بیداری کا خواب دیکھتے تھے،چنانچہ ۱۹۹۵ء جب سے انہوں نے جسمانی ناتوانی کے سبب جامع لِتر تشریف لانا چھوڑ دیا،تب سے کوئی مقرر یا مبلّغ ثابت قدمی کے ساتھ اس منبر و محراب پر ٹک نہ سکا۔ان کے انتقال سے ضلع اسلام آباد ایک بہت بڑے علمی خزانے سے محروم ہوگیا۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پروفیسر مرغوب بانہالی

”مثنوی خطاب بہ کشمیر“۔ایک تجزیہ

مرحوم مولانا غلام حسن نحویؔ صاحب کی ایک اور فارسی تخلیق اس پائے کی ہے کہ اُس کا مختصر تنقیدی تعارف بالکل الگ سے کیا جائے۔میری مُراد مرحوم کی اُس نہایت رواں، برجستہ اور دِلکش فارسی مثنوی سے ہے جس کو آپ نے خود ایک واضح نام دیا ہے اور جس کے ذریعے آپ نے ہم وطنوں میں بصیرت اور دردمندی بانٹنے کا بہت شائستہ اہتمام کیا ہے اس فکر انگیز نظم کا نام ”مثنوی خطاب بہ کشمیر“ رکھا گیا ہے۔تاریخی اور تنقیدی شعور سے معمور ایک سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل اس مثنوی میں مولانا نحویؔ نے جہاں کشمیر کی عظمتِ رفتہ کے بیشتر پہلو نشاندہی میں لانے کی کوشش کی ہے وہاں زمانے کی ندی کے تیز اتار چڑھاو کے تناظر میں کشمیریوں کے آپسی میل ملاپ اور امن پسند اِشتراکِ عمل کو متاثر کرنے والے بیشتر عوامل کی طرف بھی بہت بلیغ اور غور طلب اشارے کیے گئے ہیں۔وہ بھی کشمیر کے دلکش فطری مناظر کی شفافیت اور داخلی موسیقیت کا حق ترجمانی ادا

کرتے ہوئے۔ چنانچہ ایک سچے محبِ وطن کی حیثیت سے آپ نے جہاں کشمیر کی ہمہ گیر خداداد خوبصورتی کا ذکر گہرے تشکّر کے ساتھ کیا ہے وہاں اس خطۂ جنت نظیر کی پانچ ہزار سالہ دستیاب ہوگئی ہوئی اساطیر اور ہم تاریخ داستان پارینہ کی پذیرائی بھی بڑی وسعت قلبی سے کی ہے مثلاً جہاں مثنوی کا آغاز اپنے وطن عزیر سے مخاطب ہو کر یوں کیا گیا ہے۔

آفریں اے سرزمین کاشمیر
تاجِ تہذیبان و ایرانِ صغیر

مشرق از حُسنِ نگاہت سر بلند
گشتہ مغرب از فیوضت بہرہ مند

خوانِ نعمت بہر عالم ذاتِ پاک
گُسترانیدہ زِتو برفرشِ خاک

منظرت سرمایۂ لُطفِ ازل
نوعِ انساں یافتہ نعم البدل

وہاں اس وطن کے ماضی بعید کی چند امتیازی خصوصیات سے مُتعلق مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے ہاں رائج رہی ہوئی اساطیر کو بھی نہایت حسین انداز میں پیش کیا ہے مثلاً یہ کہہ کر کہ:

ابن داوڈ آمدہ اینجا فرود
نام توباغِ سلیمان زان نمود

ازکشپ ریشی دِلت آباد شد
خاطرت ازبندِ غم آزاد شُد

عالم گیر طوفان نوح کا پانی اُترنے اور دلدلی زمین کا قابل رہایش و کاشتکاری بن جانے سے متعلق دونوں اساطیری رجحانوں کو غیر جانبداری سے قلمبند کرنے کے بعد نحویؔ مرحوم بڑی دو مذہبی آبادیوں کا ذکر کرتے ہی وہ چھوٹی اقلیتوں یعنی بُدھ مت اور سِکھ مت سے وابستہ آبادیوں کی دِلجوئی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں اور اس وطنِ عزیز میں سب کو مل جُل کر رہنے کا حق تسلیم کرتے ہوئے ماضی بعید اور ماضی قریب کے تیئں بھی یکساں انسان دوستی ظاہر کرتے ہیں اور تاریخی اندراجات کی باریک بحثوں میں اُلجھے بغیر وطن سے مخاطب ہوکر لکھتے ہیں۔

گوتم آمد سوئِ تو از راہِ دُور
شد حُصولِ خاطرش لُطف و سرور

نانک از نظارہ ات آرام یافت
عزمِ تبت باعثِ اکرام یافت

یعنی قدیم ایام سے ہی کشمیر مختلف علوم اور مختلف مذہبی مشنوں کا مرکز بن جانے کے بعد آس پاس امن و آشنی کی روشنی پھیلانے میں پیش پیش رہا ہے۔ کبھی مہاراجہ اشوک اور مہاراجہ کنشک کے ادوار میں بدھ بھکشوؤں کو وسط ایشیا، چین اور جاپان بھیجنے کی مشاطہ گری کر کے اور کبھی سکھ گیانیوں کو تبت اور افغانستان تک پہنچانے کی ایک قرارگاہ بن کر۔ مرحوم نحوی صاحب نے ہر مذہب کے مبلّغوں اور پرچارکوں کے لئے کشمیر کی مہمان نوازی سے ہی یہ پہلو بھی برآمد کرلیا ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ جب یہاں سے گئے بھکشوؤں اور پرچارکوں کے بعد جب وسط ایشیا، ایران اور دوسرے ہمسایہ ممالک سے مسلم مبلغوں کے وارد کشمیر ہونے کا دور آ گیا تو یہاں کے نرم دِل ذہین اور انسان دوست عوام نے اُن کے سامنے بھی اپنے دیدہ و دل کو فرشِ راہ بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی بلکہ

کسی خوف واکراہ اور کسی کُشت وخون کے بغیر اُن کے لائے ہوئے دین اسلام کو اس طرح گلے لگایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کشمیر کا سب سے بڑا سماجی ومعاشی انقلاب چودھویں صدی عیسوی میں برپا ہوگیا، مرحوم نحوی کشمیریوں کی اس وسیع المشربی کو ذوقِ ارتقا کا نام دے کر حسین شعروں کا جامہ یوں پہناتے ہیں۔

در ضمیرت موجزن از ابتدا
بود در ہر دور ذوقِ ارتقا

گوش دادی بُلبل توحید را
لب گشادی غنچۂ اُمید را

راہ جویان از نسیمِ بوئے تو
آمد از ہمدان علائی سُوے تو

یعنی یہ کشمیر کی وسیع المشربی اور حقیقت پسندی کی مقناطیسی کشش ہی تھی جس نے حضرت سید عبدالرحمٰن المعروف بابا بلبل شاہ ترکستانی اور حضرت میر سید علی علائی ہمدانی المعروف حضرتِ شاہِ ہمدانؒ کو کشمیرنوازی اور کشمیرنوردی پر آمادہ کر

لیا اور یہ خطہ دیکھتے ہی دیکھتے ایرانِ صغیر کی صورت میں اُبھر کر دلنوازِ خواص وعوام بن گیا۔ نحویؔ صاحب کے الفاظ میں اس بڑے سچ کا دِلکش اظہار ملاحظہ فرمایئے جو اب اپنے وطن عزیز کی ارتقائی صورت میں اسلام دوستی اور انسان دوستی کی روح کو پہچاننے کی ترغیب دیتے ہوئے اور حضرتِ میر سید علی علائیؒ کے ہمہ گیر ثقافتی انقلاب کو پہچاننے کی دعوت دیتے ہوئے اس خطے سے یوں ہم کلام ہوئے ہیں۔

چوں قدم بر خاک تو آن میرؔ زد
خاکِ پاکت طعنہ بر اِکسیر زد

دانشِ آں مومن نیکو منش
یافت چون دُر درَ کنارت پرورش

باطنت از نورِ حق روشن نمود
ظاہرت ازعلم و فن گُلشن نمود

یہاں عظیم فرزند کشمیر اور مُرشد شعراء یعنی اپنے پیشرو علامہ اقبالؔ کے خراج عقیدت کی طرف ساکنان کشمیر کی توجّہ مولانا نحویؔ بڑے بلیغ انداز میں

مبذول کرتے ہیں۔ علامہ موصوف نے اُس عظیم محسنِ کشمیر کا ذکر خیر یوں کیا ہے۔

خِطّہ را آں شاہِ دریا آستیں
داد علم و صنعت و تہذیب و دیں

آفرید آں مرد ایرانِ صغیر
باہُنر ہای غریب و دلپذیر

مرحوم نحوؔی صاحب کی یہ مختصر لیکن فصیح اور بلیغ مثنوی کشمیر میں اسلام کی پیشرفت اور اس میں سادات و اولیاءِ کرام کے تقدیر ساز رول پر نہایت دل آویز روشنی ڈالتی ہے۔ خصوصاً نابغۂ کشمیر حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانیؒ کے رول اور اُن کے بعد قریہ قریہ تک یہ دین حق پہنچانے والے اولیاءُاللہ کے رول کی یاد پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے۔

نوردینؒ از خاکِ تو برخاستہ
دین حق را ہر طرف آراستہ

حضرتِ مخدومؒ شمس العارفین

عالم و عابد اِمامُ المتقین

در وجودت شُد پناہِ اتقیا

سینہ ات آرامِ گاہِ اولیاءؒ

مولانا نحویؔ نے کشمیریوں کی علم دوستی کے امتیازات کو اور دور و نزدیک بصیرت پھیلانے کو بھی خاص خود اعتمادی سے پیش کیا ہے جو پنڈت برج نراین چکبستؔ اور عبدالاحد آزاد کی وطن دوستی کہیں زیادہ جامع اور بصیرت افروز ہے چکبستؔ نے ہم وطنوں کی مہمان نوازی کے تناظر میں کہا تھا۔

ذرّہ ذرّہ ہے مرے کشمیر کا مہماں نواز

راستے میں پتھروں نے بھی دیا پانی مجھے

اور آزاد نے وطن کے سنگ وخشت اور باقی ماندہ کھنڈروں پر بھی ناز کرنے کا عندیہ پیش کیا تھا یہ کہہ کر کہ

بُتہِ تُھی اوسس نہ اوسس وقتہ اکہِ بااختیار
دِن گواہی میانہِ کنہِ یم پرائی کنہِ دیوار میانی

نحوؔی صاحب سے اس قسم کا سستی شہرت بخشنے والا رویہ نہیں ملتا ہے کہ بااختیار ہونے کے نتیجے میں جو بُت اور صنم چاہوتراش لو آپ بڑے جزم واحتیاط سے حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ جیسا عالم و فاضل اور شاعر ومحدّث بن جانے کا مشورہ دیتے ہیں جن کے سامنے صرف مغل اعظم کے نورتنوں میں شامل فیضؔی اور ابوالفضلؔ ہی احتراماً کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ جن کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے والے حضرت شیخ احمد سرہندیؒ ایک فخر روزگار اور عہد آفرین مجد دِالف ثانی بن کر اُبھرتے ہیں۔ مولانا نحوؔی علمی امتیاز اور تخلیقی فضیلت کے اعتبار سے بھی ہم وطنوں کو اُس غنی کشمیری کی روایت زندہ اور تابندہ رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، جن سے ملنے کے لئے عوامی روایت کے مطابق ایران کے ملک الشعراء مرزا صائبؔ تبریزی بھی پیدل چل کر یہاں آگئے تھے۔ چنانچہ دونوں علمی شخصیتوں کا ذکر مولانا نحوؔی یوں کرتے ہیں۔

شیخ صرفؔی سرنمود ازخاک تو
نور بخشِ دیدۂ ادراکِ تو

آن غنی کز جذبۂ گُفتارِ او
آمدہ صائب پے دیدار تو

کردار سازی کی ترغیب دینے کے لئے ہی نئی نسل کو قابل فخر اسلاف کی یاد تازہ کرنے کو لازمی قرار دے کر کہا گیا ہے ''گاہے گاہے باز خواں ایں قِصۂ پارینہ را'' شاعر کے اسی واضح شعور علمی نے چھوٹی سی مثنوی ''خطاب بہ کشمیر'' کو سب کشمیریوں کے لئے تازیانہ فکر بنادیا ہے یہ اور بات ہے کہ اپنے وطن کی زنگین اور پہلو دار ثقافت کو پہچانے کی تمنا رکھنے والی ہماری نئی نسل عربی، فارسی اور کشمیری جیسی زبانوں کے ادبی سرمایہ سے روز افزوں دوری محسوس کر رہی ہے لیکن بقامت کہتر و بہ قیمت بہتر جیسی دردمندی اور انسان دوستی پر مبنی مولانا نحوی کی زیر نظر مثنوی کے مفاہیم تک وہ کسی فارسی دان اُستاد کی مدد سے رسائی نئی نسل کے لئے بھی ممکن ہے۔ اس ضمن میں میری وہ کتاب بھی دانشگاہِ کشمیر کے زیر تعلیم طلبا و طالبات کو کافی مدد دے سکتی ہے جو پچھلے سال شعبۂ کشمیری نے شائع کی ہے اور وہ ادارۂ اقبالیات میں انشاءاللہ مارچ ۲۰۰۷ء سے شروع ہونے والی میری تدریسی کلاسوں میں بھی پروفیسر نحوؔی صاحب سے اجازت لے کر شریک ہو سکتے ہیں۔
میں آخر میں مرحوم نحوؔی صاحب کے کلام کی شیرینی اور بشارت فردا محسوس کرنے

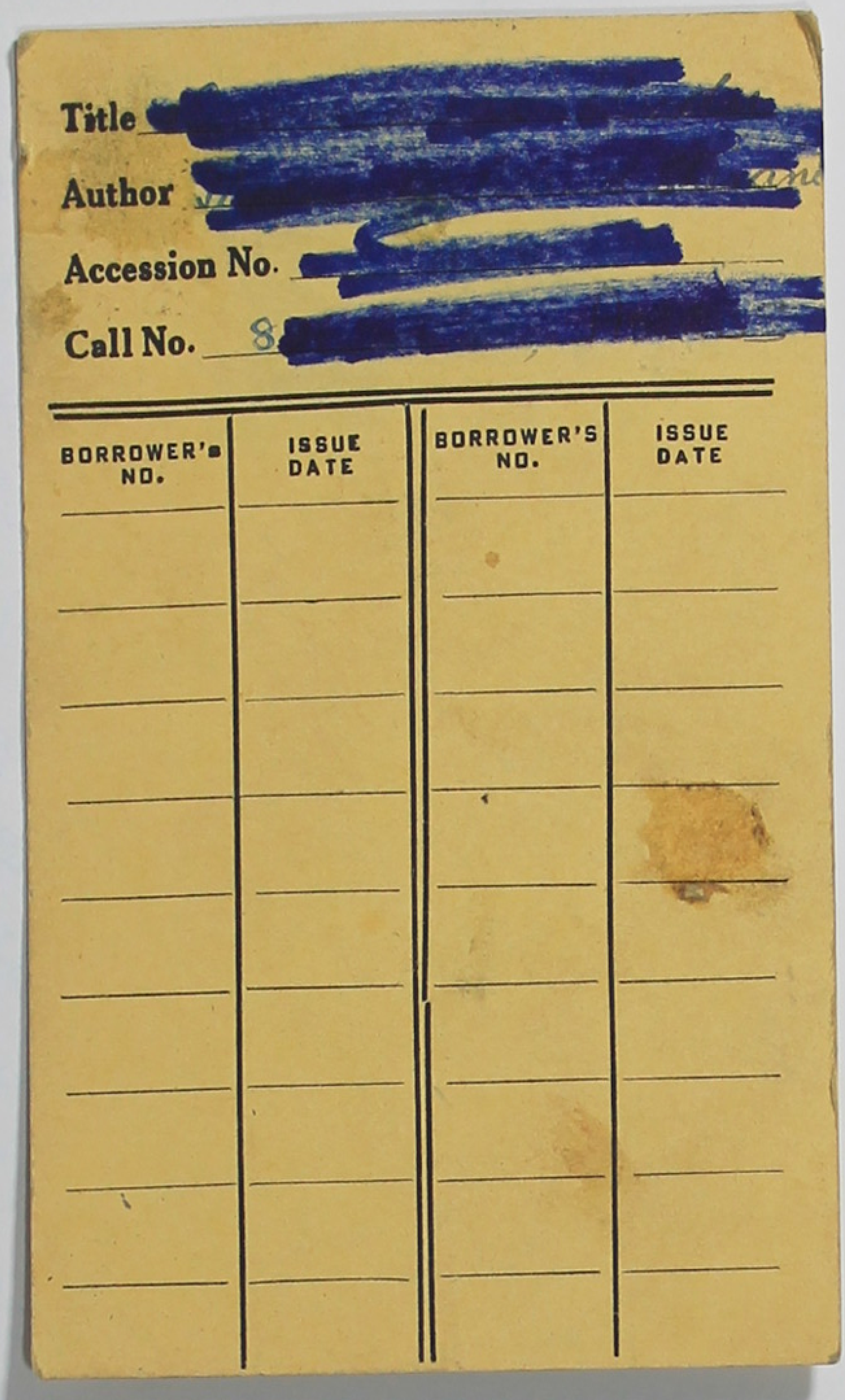
کے لئے صرف اُن کے یہ چار شعر درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

دفتر تاریخ عالم باز کن
پردہ دور از عارضِ ایں رازِ کُن

لرزد از یک نعرہ آہنگرے
قلعۂ شاہنشے طاقت ورے

انتہا چوں می رسد بیداد را
آہ و اشک و نالہ و فریاد را

بازوے فولادِ مزدور وکساں
زاریت را ختم سازد از جہاں



Title [redacted]

Author [redacted]

Accession No. [redacted]

Call No. [redacted]

BORROWER's NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

ماسٹر رفیع الدین بودا بجبہاڑہ
ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر محکمہ تعلیم

اَوصافِ حمیدہ کا پیکر۔۔نحویؔ صاحب

جنوبی کشمیر کے دار العلوم یعنی قصبہ بجبہاڑہ نے جہاں عظیم دینی شخصیات کو جنم دیا ہے وہاں محترم المقام خواجہ غلام حسن نحویؔ نے بھی آنکھ کھولی ہے۔ ان کا اصل نام غلام حسن تھا اور نحویؔ لقب تھا جو انکو صرف ونحو پر کامل عبور حاصل ہونے کی وجہ سے اپنے اساتذہ سے ملا تھا، بعد میں انہوں نے اپنے شعری کلام میں نحویؔ بطور تخلّص استعمال کیا۔ نحویؔ صاحب اعلیٰ پایہ کے شاعر، عالم، خطیب اور ادیب تھے اور ان کو تین زبانوں عربی، فارسی اور اردو میں خاص کمال حاصل تھا۔ انکے کلام میں فصاحت، بلاغت، جدّت اور نزاکت جا بجا نظر آتی ہے۔ شاعری میں انہوں نے نعت، منقبت اور کئی وطنی اور منظری نظمیں لکھی ہیں۔ انکی زبان عام فہم لیکن عالمانہ انداز سے مزّین رہتی تھی۔ کسی بھی وقت کسی موضوع پر اتنا لکھ سکتے اور بول سکتے تھے کہ ایک کتاب وجود میں آسکتی تھی۔ انکی تحریر شدہ عبارت چھاپ سے کچھ کم نہیں ہوا کرتی تھی۔

صاحب موصوف میرے شفیق استاد رہ چکے ہیں اور بعد میں میرے ہم پیشہ بھی۔ جسکی وجہ سے میں انکے اوصاف حمیدہ سے پوری طرح واقف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی ذہانت بخشی تھی کہ کسی بھی عبارت کو ایک بار سُنکر یا پڑھ کر کئی سال کے بعد مِن وعَن بیان کر سکتے تھے۔ مرحوم نحویؔ صاحب بڑے سنجیدہ، نرم مزاج، ہنس مُکھ اور ملنسار بزرگ تھے کہ شاید ہی کوئی مثال مل سکتی ہے۔ دیانتداری، وسیع النظری اور خودداری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مذہبی بحث وتمحیص میں قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرتے تھے کہ سامعین مطمئن ہو جاتے تھے۔ دینی خدمات کے معاملے میں بلند درجہ کے مُبلّغ، مُقرر اور مُدرس تھے۔ جب تبلیغ کرتے تو سامعین کا معیار زیرِ نظر ہوتا تھا۔ ان کے یہاں درس وتدریس کا بے مثال سلیقہ تھا' ان کا پڑھایا ہوا سبق گویا نقش برسنگ رہتا تھا۔ یہ مرحوم نحوی صاحب کی ذات تھی جس نے ۱۹۶۴ء میں قصبہ بجبہاڑہ کے بابا محلّہ میں ایک شبینہ دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالی' جہاں وہ خود قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے یہ درسگاہ کئی سال تک اُنکی زیرِ نگرانی قائم رہا۔

غرض خواجہ غلام حسن نحویؔ صاحب مرحوم نے اپنی ذہانت اور دینی خدمات کے ایسے گہرے نقوش چھوڑے ہیں کہ رہتی دنیا تک مشعل راہ بن سکتے ہیں' کیونکہ انکے شاگردوں اور سامعین کی تعداد ہزاروں کیا لاکھوں میں موجود ہے۔

پیرزادہ محمد شفیع شاہ بجبہاڑہ
ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر محکمہ تعلیم

نحویؔ صاحب میری نظر میں

جناب غلام حسن نحویؔ صاحب مرحوم کے بارے میں کچھ کہنا میرے لئے چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہے۔ سچ پوچھئے تو میرا اشہب خامہ اُن کی ذات کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوتا ہے۔ موقع و محل کا تقاضا ہے کہ استادِ محترم کی محبت کے باعث ہمت کا تازیانہ استعمال کر کے خامہ فرسائی کی جسارت کروں اور اپنے محترم استاد پر عقیدت کے برگِ گُل نچھاور کروں۔ پھول رنگ و بو کے اعتبار سے کم تر ہی سہی۔

نحویؔ صاحب مرحوم اس خاندان سے متعلق تھے جو علم و فضل کے اعتبار سے علاقے بھر میں ممیّز و ممتاز تھا جس کے علمی سرمائے سے بُعد و قرب کے ہزاروں طالبانِ علم فیضیاب ہو کر متموّل ہوئے۔ اس خاندان کے جیّد علماء کی ضیا پاشی سے بے شمار لوگ منور ہوئے ہیں جن میں روحانی بزرگ، تُجّار، دکاندار اور

دوسرے طوائف سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ قابلِ رشک قوّتِ حافظہ اور علم و ادب کے موروثی سرمایہ کے علاوہ خوش نویسی اس خاندان کا طرّہ امتیاز تھا۔ مالی لحاظ سے ان کا خاندان آسودہ حال تھا جس کے افراد خوش پوش ہوا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے خاندان کو خلعتِ علم و فضل اور زیورِ ادب سے نوازا تھا جس کے باعث اس خاندان کے مردم صاحبِ توقیر عرصۂ دراز سے درس و تدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ درسِ قرآن کے علاوہ فارسی و عربی علوم سے شیدایانِ علم کی پیاس بُجھاتے رہے۔ گھر کے علاوہ مختلف مساجد کو ترسیلِ علم کا ذریعہ بناتے رہے۔

مجھے نحویؔ صاحب جیسے اُستاد کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کرنے کا موقعہ فراہم ہوا ہے اس پر مجھے فخر ہے۔ میری عمر چھ یا سات سال تھی جب میں گورنمنٹ پرائمری سکول میں زیرِ تعلیم تھا اور نحویؔ صاحب وہاں بحیثیت مکتب ٹیچر اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ بعد میں محکمہ تعلیم میں اُن کا ہمرکاب بن گیا۔ کئی تعلیمی اداروں میں اکٹھے کام کرنے کی وجہ سے اُن کے چشمۂ فیض سے استفادہ کرتا رہا۔

اُستاد بیٹھے پاس کام آئے راس کے مصداق میں بہت سے اُردو الفاظ اور اصطلاحات کے تلفّظ کی اصلاح میں اُن کا مرہونِ منت ہوں اور مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ بہت سے ایسے اساتذہ ہیں جو اُن الفاظ کے صحیح تلفُّظ سے ناآشنا

ہوں گے۔

نحوؔی صاحب کو زباندانی پر اتنی دسترس حاصل تھا کہ فارسی ،عربی اور اُردو زبانوں پر سند حاصل تھی ۔ان زبانوں کے جاننے کی ان کی دھاک جمی تھی ۔اپنے والد صاحب کی طرح نحوؔی صاحب کو بھی شعروشاعری کا فن بدرجۂ اَتم حاصل تھا۔ اُردو ہو یا کشمیری، دونوں زبانوں میں نظمیں لکھ کر نحوؔی صاحب نے ادبی خدمات انجام دی ہیں ۔اُن کی شاعری عام فہم اور سلیس تھی ۔ظرافت کی موجودگی نے اُن کے کلام کو مقبول عام بنانے میں سونے پر سہاگے کا کام انجام دیا۔اُن کے کلام میں جدّت تھی ۔وطن دوستی اور آزادی طلب نظموں میں حدّت، جوش اور جذبہ تھا۔اُنہوں نے اپنے کلام میں ظالموں، جابروں اور استحصالی عناصروں کو للکارا ہے۔اپنی شاعری کے ذریعہ اپنے ہم وطنوں کو قدامت پسندی سے نکل کر نیا سماج تعمیر کرنے کا پیغام دیا ہے۔نحوؔی صاحب انقلابی ذہن کے آدمی تھے۔اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ استحصال کے شکار پسماندہ طبقوں کی ترجمانی کرتے رہے۔ کشمیر کی تعمیر نو کے متمنّی تھے جس کا برملا اظہار اُنہوں نے اپنی نظموں اور تقاریر کے ذریعہ مختلف جلسوں اور اجتماعات میں کیا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی مجلس میں سماجی بُرائیوں اور اخلاقی بے راہ روی کے خلاف لب کُشائی کرتے رہتے تھے۔نحوؔی صاحب ریاست جموں وکشمیر کو آزاد، خودمختار جمہوری ملک دیکھنے کا خواب دیکھتے

تھے۔ دوقومی نظرئے کے کبھی حامی نہ تھے۔ ''نیا کشمیر'' کے خواب کوشرمندہ تعبیر ہونے کے بڑے آرزومند تھے۔ کشمیر کی جنگ آزادی میں جوش وجذبے کے اظہار کے باوجود اور شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں چلنے والی تحریک آزادی میں شریک ہونے کے باوجود کبھی زینت زنداں نہ بن گئے شاید ایسا اس لئے ہوا کہ اُن کے خاندان کو ہر ایک عزت واحترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔

نحویؔ صاحب کی تخلیق کردہ نظمیں جو ہم بچپن میں پڑھا کرتے تھے ابھی بھی میرے ذہن میں گونجتی ہیں۔ ان نظموں میں مناجات بھی تھے نعتیں بھی تھیں۔ پیغام آزادی بھی تھا۔ وہ برجستہ گو شاعر تھے۔ برجستہ شاعری ہی رنگ لائی کہ بخشی غلام محمد نے اُن کی تقرری بحیثیت مکتب ٹیچر عمل میں لائی اور پھر غلام محمد صادق نے انہیں بطور اُستاد مقرر کرنے کا حکم صادر کیا۔ وہ اپنے مافی الضمیر کوشاعری کا لطیف اور خوبصورت لباس پہن کر ظاہر کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ محض قوم پرست شاعر ہی نہیں تھے بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس کو گلہائے عقیدت پیش کرنے میں بھی ہمیشہ رطبُ اللّسان تھے۔ وہ بہترین مبلّغ تھے۔ تبلیغ کے روایتی انداز سے ذرا ہٹ کر جدّت طرازی سے کام لیتے تھے۔ مختلف شاعروں خصوصاً اقبالؔ کے اشعار سے اپنی تقاریر کی خوبصورتی بڑھاتے تھے۔ وعظ وتبلیغ کا فصیح و بلیغ انداز اپنا کر انہیں معاصر مقرّرین میں طرۂ امتیاز حاصل تھا۔

نحوؔی صاحب کا دل اہل بیت رسول ﷺ کی محبت سے سرشار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کئی خاص مواقع پر وہ اپنی تبلیغ کے دوران دیدۂ تر ہوا کرتے تھے اور سامعین کو بھی اشکبار کرتے تھے۔

انسان فِیْ ذَاتِہٖ عصیان ونسیان کا مُرکّب ہے۔ بجز پیغمبروں کے کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہوسکتا ہے اور نہ پاک ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ یہاں اس بات کا اظہار کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ہم نحوؔی صاحب سے کئی باتوں پر اختلاف کرتے تھے۔ لیکن ہماری تعریض وتردید پر کبھی خشم آلود نہیں ہوتے تھے بلکہ ہمارا نقطۂ نظر خندہ پیشانی سے سنتے تھے۔ کبھی کبھار ہماری بات مبنی بر حقیقت جان کر تسلیم کرنے میں کسی قسم کی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے اور یہ اُن کی عظمت کا نتیجہ تھا۔ انتہائی زیادتی ہوگی اگر اس بات کا اعتراف نہ کیا جائے کہ مجھ میں دین کا جو کچھ سوجھ بُوجھ ہے اس کی بنیاد نحوؔی صاحب مرحوم کی وہ تقاریر ہیں جو وہ ہمیں پرائمری سکول کے زمانے میں دینیات، سیرت اور اخلاقیات کے بارے میں کیا کرتے تھے۔ سیرتِ رسول مقبول ﷺ اور سیرت صحابہ ؓ جو ہم صبح گاہی دعائیہ مجلسوں میں اُن سے سنتے تھے یہ اُسی کی دین ہے کہ دِین کی باتیں سننے کی طرف مائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں جزائے خیر دے اور اُنہیں جنت الفردوس عطا کرے۔ آمین۔

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

بشر بشیر اگلر

استاد ہائر سیکنڈری سکول (لتر)

خواجہ صاحب۔۔علاقۂ شاہورہ کا دینی محسن

مرحوم نحویؔ صاحب نے پورے پچاس برس تک مسجد جامعِ لتر (شاہُورہ) میں تبلیغ دین کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ میں فخریہ طور پر کہوں گا کہ میں نے اپنی زندگی کی پہلی نماز جمعہ اُن کے پیچھے پڑھی ہے اور مسجدِ جامع لتر سے آپ کی رُخصتی تک دیدہ و دانِستہ شاید ہی کوئی جمعہ آپ کی موجودگی میں پڑھنے سے رہ گیا ہو۔ علاقہ شاہُورہ نے آپ سے کیا نہیں پایا تاہم میں مرحوم کی دینداری، خداترسی، دُرست افکار علم و دانش، فصاحت و بلاغت، یکسوئی، شیرین کلامی کی وضاحت میں صرف دو مثالیں تحریر میں لانا مناسب سمجھتا ہوں۔ اوّلاً یہ کہ لِتر شِستر علاقہ شاہُورہ کی سب سے بڑی بستی ہے۔ لمبائی میں ڈیڑھ کلومیٹر سے زیادہ ہے۔ جامع مسجد لِتر علاقہ شاہُورہ کی سب سے اوّلین مسجدِ جامع ہے۔ یہاں کئی اور مساجد ہیں اور مختلف مکتب فکر کے لوگ سکونت پذیر ہیں۔ لیکن مرحوم نحویؔ صاحب کی بُردباری اور معاملہ فہمی کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تادم

آخر کسی بھی مکتب فکر کے لوگوں کو کسی دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی ضرورت یا مجبوری محسوس نہ ہوئی۔ ثانیاً کُلّی طور پر ناخواندہ لوگ، یہاں تک کہ جو ناظرہ قرآن بھی نہ پڑھ پائے ہیں، مجالس نکاح خوانی یا مجالس تعزیت پُرسی میں ایسے گفتگو کرتے ہیں لگتا ہے کہ چوٹی کے عالم ہیں۔ پھر جب ندامت کے بطور بزبانِ خُود کہتے ہیں کہ ہم کوئی عالم نہیں۔ کُلّی طور پر ناخواندہ ہیں۔ تاہم یہ کلمات و واقعات فلاں موقع پر اور فلاں جگہ پر مرحوم غلام حسن نحویؔ صاحب سے سُنے ہیں تو شرکائے مجلس مرحوم نحویؔ صاحب کی علمی بصیرت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ جاتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ علاقہ شاہُورہ بھر میں مرحوم نحویؔ صاحب کی فتاویٰ پر پہلے بھی عمل ہوتا تھا، آج بھی ہوتا ہے اور آگے بھی عمل ہوتا رہے گا اِنشااللہ۔ یہ کوئی اندھی تقلید نہیں ہے بلکہ مولانا نحوی کے علاقے پر چھوڑے ہوئے اثرات کی عکاسی ہے۔

میں اگرچہ یہ چند سطُور مرحوم کے تئیں اپنی عقیدت و محبت کے طور پر زیبِ قرطاس کر رہا ہوں۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ اُن کے حقیقی عقیدتمندوں میں میری جگہ آخری صف میں ہوسکتی ہے۔ مرحوم کے عقیدت مندوں کی تعداد ان گِنت ہے اور آپ کے ارادت مندوں میں مرد و زن اور شیخ و شاب کی اکثریت شامل ہے۔ منبر رسولؐ پر کھڑا ہونے والا ہر خطیب بعض خصوصیات کا مالک ہوتا ہے۔ کم و بیش سامعین کے قلوب میں گھر کر جاتا ہے اور کہیں اکثریت اور کہیں

اقلیت اُن کے شیدائیوں میں شمار کی جاتی ہے تاہم مرحوم نحویؔ صاحب خطیب جامع مسجد لِتر، شاہورہ سے متعلق میں نے جتنے بھی سامعین سے تاثُرات اور آراءٔ جاننے کی کوشش کی ہے، ایک بھی فرد ایسا نہیں پایا جس نے مرحوم سے کسی بڑے اِختلاف کا ذِکر کیا ہو یا افراط وتفریط کی کوئی معمولی مِثال بھی زبان پر لائی ہو بلکہ سرد آہ بھر کر کہا ''ہماری مسجد جامع کو شاید ہی کبھی اور کوئی اُن جیسا دوسرا خطیب نصیب ہوگا''۔

یہ چند سطور کوئی مدّح یا قصیدہ گوئی نہیں ہے بلکہ علمائے حق کا ذِکر خیر عبادت سمجھ کر کرتا ہوں اس ذِکر خیر سے ایمان میں تازگی آتی ہے اور اُن کے مِشن کو آگے بڑھانے کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب فرمائے۔

پروفیسر بشیر احمد نحویؔ

ایک باپ کی کہانی اس کے بیٹے کی زبانی

یہ ایک تاریخی اور مسلّمہ حقیقت ہے کہ قصبہ بجبہاڑہ اپنی آغوش میں صدیوں سے تہذیب وتمدّن، شعروادب اور دینی علوم سے وابستہ متعدّد عالموں، دانشوروں اور شاعروں کو جنم دے چکا ہے۔ تاریخی شواہد سے یہ بات واضح ہے کہ سینکڑوں سال پہلے بجبہارہ ہندؤ اور بودھ مذاہب کا مرکز رہ چکا ہے اور یہاں چین، تبت، لداخ اور وسطی ایشیا سے علم ودانش کے متلاشی پیدل سفر طے کر کے اس سرچشمہ علم وآگہی سے فیض یاب ہو کر واپس لوٹتے تھے۔ علم وادب کے ساتھ قصبے کا یہ تعلق برابر قائم رہا، چنانچہ کشمیر میں اسلام کے ورودِ مسعود کے ساتھ بجبہاڑہ اسلامی علوم کا اہم گہوارہ بنا رہا اور یہاں ساڑھے تین سو سال پہلے ابو الفقرا حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ کی تشریف آوری اور پھر ان کے یہاں پر اَبدی مسکن اختیار کرنے کے نتیجے میں بجبہارہ نے علمی اور دینی اعتبار سے وادی کے اکثر قصبہ جات پر فوقیت حاصل کی۔ حضرت غازیؒ کے چند خلفاء بھی یہاں

مدفون ہیں اوران کی اولادو اَخلاف میں وقتاًفوقتاً جیّد عُلماء وفُضلاء جنم لیتے رہے۔

گذشتہ سوڈیڑھ سوسال کی تاریخ پر نظر دوڑ اکر ہمیں درجنوں عالم، فاضل، شاعر، فقیہہ، مفتی، حافظ اور قاری اپنے اپنے شعبوں میں زبردست دستگاہ رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بابا نصیب الدین غازیؒ کے صحن میں ایک اندازے کے مطابق تیس سے زائد حافظِ کلام اللہ مدفون ہیں اور صحن کے اندر اور باہر درجنوں پیرانِ طریقت اور داعیانِ رشدو ہدایت آرام فرما ہیں۔ ایک صدی کے عرصے میں ہمیں یہ چند شخصیتیں اُفقِ علم وادب پر جلوہ اُفگن اور راہِ طریقت وطہارت میں نمایاں صفات کی حامل نظر آتی ہیں یہ سبھی شخصیات دنیائے فانی سے رحلت کر چکی ہیں۔

پیر عبدالقدوس شاہ، خِضر بابا مقبل، محی الدین مہدی بودا، قمرالدین خاکی عبدالاحد ناظم، غلام مصطفیٰ مصفّاؔ، غلام مصطفیٰ زیرک، مفتی محمد عبداللہ، مفتی محمد مقبول، مفتی احمد اللہ، شمس الدین مقبل، نورالدین ناظمی، منشی خیراللہ میر، پیر غلام مصطفیٰ شاہ اسدؔ، غلام حسن خاکی، پیر جیب اللہ ہمدانی اور منشی غلام نبی ڈار۔

رَحِمَہُمُ اللہ

اور فی الوقت قصبہ بجبہاڑہ علم وادب سے گہرا ربط وتعلّق رکھنے والی چند ممتاز شخصیتوں سے متمول اور مالا مال ہے ان میں:

پروفیسر غلام محمد شادؔ، پروفیسر عبدالغنی شاہ، سید رسول پونپرؔ،

مولانا غلام رسول امام، جناب مفتی غلام نبی، جناب محمد یوسف زیرک، جناب غلام مصطفٰے رفیقی (مقیم اننت ناگ)، جناب مفتی ضیا الحق ناظمی، جناب غلام نبی شاہ مخمورؔ، ماسٹر رفیع الدین بودا، عبدالعزیز شاہ (واگہامہ) جناب سیف الدین پنڈت، ماسٹر موہن لال آش (مقیم جموں) ماسٹر محمد شفیع شاہ، پیر محمد شفیع اسدؔ اور غلام حسن ڈار مخدومی (مقیم پاکستان) ممتاز حیثیت کی حامل ہیں۔

متذکرہ بالا شخصیات کی اس دوسری قسط میں جس شخصیت کا نام نہیں لیا گیا وہ میرے والد بزرگوار خواجہ غلام حسن نحویؔ مرحوم ہیں اور زیرِ نظر مضمون انہی سے وابستہ یادوں کی ایک اجمالی کہانی بیٹے کی زبانی ہے۔ مرحوم کے والد مولانا غلام مصطفٰے مصفاؔ ایک مبلّغ، شاعر، بذلہ سنج اور نعت خوان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ پایہ کے مدرّس تھے۔ اپنے دور میں وہ اُستاذ الاساتذہ شمار کئے جاتے تھے اور مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح کسی دارالعلوم کے فارغ التحصیل نہیں تھے۔ لیکن بارگاہ ایزدی سے ایسی ذہانت، متانت، قوّتِ حافظہ اور قلم و علم کا ایسا ملکہ بحصئہ وافر پایا تھا کہ چودہ سال تک کُنجِ تنہائی میں سات جلدوں پر مشتمل منظوم تاریخ الانبیاءؑ (قصص الانبیاءؑ) تحریر فرمائی، جس کے اشعار کی تعداد چالیس ہزار کے قریب ہے اور جو مثنوی رومیؒ کے بحور و اوزان میں قلمبند کی گئی ہے۔ تلمیحات، تشبیہات، کنایات، مرکبات اور عربی و فارسی لفظیات کا ایسا گراں قدر مرقع، جو

اپنی ہئیت وکمیت کے لحاظ سے شاہکار ہے۔راقم نے اسکی تین جلدیں شائع کی ہیں اور ''گلشن مصفاؔ'' کے نام سے نعتوں کا ایک مجموعہ بھی زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے۔مولانا مصفاؔ بجبہاڑہ اوراس کے ملحقات سے تعلق رکھنے والے ہزاروں طلبہ، خطباء اور ائمہ مساجد کے استاد رہ چکے ہیں، چنانچہ ان کے شاگردوں میں سے جب بھی کسی سے میری ملاقات ہوتی ہے تو وہ مصفاؔ مرحوم کی ذکاوت، نکتہ سنجی، شعرگوئی، درسی مباحث اور انکی وسعت نظری کا کوئی نہ کوئی واقعہ بیان کرتا ہے۔مصفاؔ کے لوح مزار پر یہ شعراب بھی کندہ ہے۔

مُصفاؔ مُبلّغ، مُدّرس، سُخنور
بجنّت مشرّف بجائے مُنوّر

اسی شعر سے انکی تاریخ وفات ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ بمطابق ۱۰ جبوری ۱۹۶۶ء برآمد ہوتی ہے۔

مولانا مصفاؔ مرحوم نے اپنے فرزند خواجہ غلام حسن نحویؔ کو اپنا علمی جانشین مقرر کیا تھا اور عربی وفارسی کی ساری جانکاری اپنے لائق بیٹے کو منتقل کردی تھی۔ بیٹا بھی اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ یعنی بیٹا اپنے باپ کا راز اور مثل ہوتا ہے کے مصداق

ثابت ہوا اور اس نے عربی و فارسی کے علاوہ اردو بھی سیکھی اور تینوں زبانوں میں یکساں دستگاہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ زیرِ نظر مضمون میں میری یہ کوشش رہے گی کہ خواجہ غلام حسن نحویؔ مرحوم کی علمی، ادبی، دینی اور تدریسی خدمات کا ایک مختصر سا جائزہ پیش کروں۔ اس میں میرے نزدیک ''پدرم سلطان بود'' والا معاملہ ہرگز نہیں، نہ ہی بے جا مدح وستائش یا خاندانی بڑائی کا اظہار مقصود ہے، بلکہ ایک بیٹے کی حیثیت سے میں نے جو کچھ محسوس کیا ہے اور ان کے افکار و نظریات سے جس قدر میں مستفید ہوا ہوں انہی احساسات و جذبات کو بلا کم وکاست سُپردِ قلم کر کے اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْکَ (لقمان) کے قرآنی ارشاد کی تعمیل وتکمیل میں خدا کے حضور سُرخروئی حاصل کرسکوں۔ ذاتی طور پر میں خاندانی بڑائی عُجب چاپلوسی اور مداہنت سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرچکا ہوں لیکن والد مرحوم کی خدمات کو اُجاگر کرنا میرے اُوپر ایک قرض بھی تھا اور فرض بھی۔ حُسنِ معاشرت کے موضوعات میں اطاعتِ والدین کو میرے نزدیک بڑی اہمیت حاصل ہے۔ والدین جب زندہ ہوں تب تو ان کی فرمانبرداری عین عبادت ہے اور جب وہ اس دنیا سے چلے جائیں تو ان کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگنا، ایصالِ ثواب کے ذرائع تلاش کرنا، ان کے نام پر ٹرسٹ اور ادارے قائم کرنا اور اگر وہ اہلِ علم ہوں ان کے علم کی روشنی کو عام کرنا باعثِ برکت وسعادت ہے۔

آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر آور
میراثِ پدر خواہی، بازوے پدر آور

میرے آبا واجداد دو صدیوں سے تعلیم، تدریس اور طِب کے علاوہ مسندِ تبلیغ و ارشاد پر بھی فائز تھے۔ اولاً عرض کر چکا ہوں کہ میرے دادا مولانا مصفاؔ قصبہ کے سب سے بڑے عربی فارسی اُستاد کے طور مسلّمہ حیثیت کے مالک تھے، اگرچہ ان کے معاصرین میں چند بہت ہی اعلیٰ علم و فضل کے واعظ، عالم اور مُدّرس قصبے میں موجود تھے۔ مولانا مصفاؔ کو شعر وادب قوتِ حافظہ اور فی البدیہ شعر گوئی کی صلاحیت اکتسابی نہیں بلکہ وہبی تھی۔ اس میں کمال درجہ کی موزونیت، موسیقیت اور ترنم کا زیر و بم موجود تھا۔ کسی شاعر کا فنّی کمال اسکی برجستہ گوئی میں بھی مضمر ہوتا ہے۔ مصفاؔ نے فطری طور پر موزون طبیعت پائی تھی۔ آپ کا روزمرہ کلام بھی اکثر قافیہ بند اور نثر مُسجع سے کم نہ ہوتا تھا۔ دوران تبلیغ برمحل اشعار بیان کر کے افہام و تفہیم کی کامیاب کوشش فرماتے تھے اور ٹھیٹھ کشمیری بولنے میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ اساتذہ کے کلام پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اصطلاحاتِ

زبان وادب پر کامل دسترس رکھنے کی بدولت آپ کسی کلام کے محاسن ومعائب پر سَیر حاصل تبصرہ کرتے تھے۔ ایرانی اساتذہ شعراء کا کلام پورے کا پورا ازبر تھا اور زبان کی اغلاط واسقام پر بحث کے دوران ثانوی درجے کے اساتذہ شعراء کے بجائے سعدیؔ، حافظ، خیامؔ، نظامیؔ، رودکیؔ، فردوسیؔ، سنائیؔ، عراقیؔ اور رُومیؔ کے اشعار سے استدلال کرکے اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے تھے۔ اپنی مشہور تالیف ''تاریخ الانبیاء'' (بزبان کشمیری) کی جلد اوّل میں مدحِ رسول اکرم ﷺ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اے مُصفاّ سخنور کانِی
کر بہ خونِ جگر قلم رانی

اَبتدأ بحکمِ مذہب عشق
بَر مَلا اَن قدم بہ مشربِ عشق

تیزوس عشقہٖ یارٖ بل مَن چھل
دوٗر کر مَل تہٖ مشکِ و عنبر مل

کل کریتھ جانِ جاں سندے چاوہ
چھل پُنن دل ژ نورِ دریاوہ

بن تیتھی آکھ تیتھ میانِ جہان
پاک تن، پاک من تۂ پاک زبان

پان ول از لباسِ عرفانی
زان کر باحَواسِ نُورانی

جان قربان ژ کر تۂ جانانس
ٹھان ٹُل لولہٕ کس قلمدانس

کڈ نیبر الفتک قلم بافر
در نظر اَن یہ نُورٕ کُے دفتر

سَر ژ اعزازِ سَرورِ اکملؐ
کر ژ آغازِ دفترِ اوّل

چنانچہ دفتر اوّل میں آگے چوہسٹھ اشعار میں احادیث، معارج النبوۃ اور کُتب تاریخ وسیرت کے حوالوں سے سرورِ دوعالمؐ کی دنیا میں تشریف آوری اور کتب وصحائفِ آسمانی میں آپؐ کے ذکرِ جمیل کی منظوم صراحت کرچکے ہیں۔

تاریخ الانبیاءٔ ایک شاہکار منظوم نبوی تاریخ ہے۔ جسکو مصفاؔ مرحوم نے چودہ سال کے طویل عرصے میں اس زمانے کے معاشی بُحران کے ایاّم کے باوجود لیکن باطن کی دنیا کے پُرسکون حالات میں تحریر کی ہے تاریخ الانبیاء سات جلدوں پرمبنی قرآن میں مذکورہ پچیس انبیاء کرام کی دعوت واصلاح، تعلیمات وارشادات کا منظوم بیان ہے جس میں انتہائی حزم واحتیاط اور عقیدت واحترام کے جملہ لوازمات مدّنظر رکھتے ہوئے اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی صالح تعلیمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس تاریخ کو کشمیری ادبیات میں ایک اہم مقام اس وقت حاصل ہوگا جب اسکی سبھی جلدیں چھپ کر آئیں گی اور ناقدین ومبصرین کے سامنے نقد ونظر کے لئے پیش ہونگیں۔

فن مثنوی گوئی میں پوری دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ مولانا مصفاؔ کو نعت نویسی میں ید طُولیٰ حاصل تھا۔ انکی نعتوں میں روایتی نعت گوئی اور سَراپا نگاری کے بجائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر وتعزیر، احترام وتقدیس اور ان حدود کی کامل پاسداری موجود ہے جو اللہ نے سورہٗ حجرات میں ایمان والوں

کے تحفظ دین وایمان کے طور پر مقرر کردی ہیں۔ ہمارے کئی نعت نگاروں نے لاعلمی اور قرآن وسنت سے بے خبری کے سبب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو سراسر بے بنیاد ہیں اور صورت وشمائل کا بیان بھی غیر مہذبانہ انداز واسلوب میں کیا ہے۔ اُنہوں نے سیرت مُبارکہ سے لاتعلقی کے نتیجے میں ایسی نعت گوئی کی ہے، جو گستاخی اور توہین رسالت کے زمرے میں آسکتی ہے۔ ہمارے اسلاف میں سے جو علم دین کی دولت سے بہرہ مند تھے، اُنہوں نے شرعی حدود میں رہ کر اور تعظیم رسالت کا خیال دامنگیر رکھ کے ایسی نعتیں کہی ہیں جن کا بار بار پڑھنا باعثِ نجات وسلامتی ہے۔ مولانا مصفاؔ نے عام قسم کی نہیں بلکہ عالمانہ نعتیں لکھی ہیں، جن کے الفاظ و تراکیب قرآن کی آیات سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ مثلاً مصفاؔ کی یہ نعت ان کی علمی صلاحیت اور قرآن اور پیغمبر کے باہمی تعلق کو جوڑنے کی کامیاب کوشش ہے۔

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ خَالِق" رَبّ" رَّحِیم
پیدا اگرن سُو نے نبی اَتُناہُ بِالخُلُقِ العَظِیم

دیت نس حقن بوڑ منزلت کانہ چھُسنہ ہیوٗ درشش جہت
پیغمبرِ بامیمنت اَعطَاہُ قُرآن" قَدِیم"

ینہٖ تھندِ نوٗن گوو پر یتھ ذرٕ زینہٖ تھندِ کسرے سندگرٕ
ویسر یوو آدٕمی کوٗرسرٕ وُلِـدَالـنَّبِیُّ وَهُـوَ الیَتِیمُ

ہیتھ زندگی ہُند نوٗو نظام آواز خُدا با احتشام
تصدیق دیت ملکوٗ تمام،ھٰـذَا صِـرَاط" مُسْتَقِیمُ

لب ڈیشھے دربندگی، گول شکراز شرمندگی
لب کتہٕ ہوتتہٕ زندگی،یُحْـیِ العـظَام وَ هِـیَ رَمِیْمُ

یارب میہٕ دل بیمار چھُم اندر مدینہ یار چھُم
دلدار سٕے غم خوار چھُم،وَهُـوَ الـطَّبِیْب اِنِیِّ سَقِیْم

اَتِتھ مُصفاؔ رُوبرو چھنہ جنتک لَس آرزو
شہرِ مدینک جُستجو بہتر ز جَـنّـتُ الـنَّـعِیْم

"رشحات ایاّم" کے مصنف جناب سید رسول پانپُر نے مثنوی تاریخ

الانبیاءؑ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے مولانا مصفاؔ کی تاریخ الانبیاءؑ کو کشمیری زبان کا سرمایۂ افتخار اور عرفان و آگہی کا بحرِ ذخاّر قرار دیا ہے لکھتے ہیں۔

''شاعری اظہار جذبات اور انسان کے اندرون کے ترجمان کی حیثیت سے اولین درجہ رکھنے اور مادری زبان ترسیل و ابلاغ کا بہترین ذریعہ ہونے کے تعلق سے یہ کشمیری زبان و ادب کی خوش بختی ہے کہ بجبہاڑہ کی مردم خیز و عرفان آباد قصبہ سے نسبت رکھنے والے جیّد عالم، خداترس بزرگ اور ممتاز سخنور غلام مصطفیٰ مصفاؔ مرحوم، مثنوی تاریخ الانبیاءؑ کا سدا بہار گلدستہ ہاتھ میں لئے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یہ کشمیری زبان کا سرمایہ اِفتخار ہے اور اس کے بولنے والوں کے لئے باعثِ توقیر بھی کہ اسے عرفان و آگہی کا یہ بحرِ ذخاّر نصیب ہوا۔ مولانا مصفاؔ کو عربی، فارسی اور کشمیری تینوں زبانوں پر اتنی دسترس حاصل تھی کہ اتنی طویل مثنوی میں عالمانہ اندازِ بیان کی شگفتگی اور روانی میں کوئی فرق نہیں آتا اور فنی ایجاز و اعجاز بھی قائم رہتا ہے''۔ (رشحاتِ ایاّم ص نمبر ۲۸۱۔۲۸۲ از۔ سیّد رسول پانپر)

مولانا مصفاؔ نے تاریخ الانبیاءؑ میں موثر پیرایۂ اظہار میں نبوت کی امتیازی خُصوصیات اور انبیاء، عظام کی دعوت و اشاعت کا بھرپور تذکرہ کیا ہے اور اس دعوت کا نمایاں پہلو آخرت کی زندگی ہے اور اسکی کامیابی اور سعادتوں کا حصول ہے۔ انبیاءؑ آخرت کا تذکرہ کثرت سے کرتے ہیں اور اس کا اس درجہ اہتمام و فکر کہ وہ انکی دعوت کا مرکزی نقطہ اور محور بن جاتی ہے۔ صاف ذہن کے ساتھ ان

کے واقعات اور اقوال کا مطالعہ کرنے والا محسوس کرتا ہے کہ آخرت ان کا نصب العین ہے اور ان کے لئے ایک بدیہی حقیقت ہے۔ یہ بات انکی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے اور اس کا یقین ان کے احساسات اور دل و دماغ پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مُومن و مطیع بندوں کے لئے آخرت میں جو نعمتیں مقدر کر رکھی ہیں، اور نافرمانوں کیلئے وہاں جو عذاب مقرر فرما دیا ہے، اسکا ہمہ وقت خیال ہی وہ محرک ہے جو ان کو عقیدہ کی تصحیح، زندگی کی اصلاح اور رشتہ بندگی کی مضبوطی پر اُبھارتا ہے۔ مولانا مصفاؔ نے تاریخ الانبیاء منظوم میں نبوی تعلیمات کی روح اور الہامی و آسمانی پیغامات کا عطر مرصّع زبان میں یکجا کیا ہے۔ اور اس موضوع کے ساتھ اپنی قلبی وارفتگی کا اظہار کیا ہے۔

بات مولانا غلام حسن نحوی کی تدریسی، تبلیغی اور تعلیمی زندگی کی ہونے والی تھی کہ بیچ میں ان کے والد بزرگوار اور استاد مولانا مصفاؔ کا ذکر خیر ہوا۔ مصفا صاحب کو جو خداداد صلاحیت شعر و سخن کے حوالے سے ملی تھی، اسکی ادیبانہ اور عالمانہ شکل وصورت مولانا نحویؔ کے کلام میں پوری تخلیقی شان کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں اعتراف حقیقت کے طور ایک بدقسمتی کی طرف اشارہ کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ والد صاحب ۱۹۵۰ء کے اواخر میں سرکاری ملازمت میں داخل ہوئے اور اس زمانے میں انہوں نے پہلی تنخواہ ساٹھ روپے ماہانہ کے حساب سے لی اور ادھر گھریلو اخراجات اس معمولی سی رقم سے پورے نہیں ہو رہے تھے، چنانچہ

وہ ہر جمعہ کو پہلے اسکول میں ایک دو کلاسیں لے کر، لتر شاہورہ یا مرہامہ میں جمعہ کے اجتماعات سے خطاب فرماتے تھے۔ پچاس سال سے زائد عرصے تک اُنکی پوری توجہ انہی خطابات کی تیاری میں صرف ہوتی رہتی تھی اور انہیں یکسوئی کے ساتھ تخلیقی ادب یا کوئی نثری یا علمی کارنامہ انجام دینے کی فرصت وفراغت میسّر نہیں ہوا کرتی تھی۔ اس سلسلے میں اکثر ان کے اور میرے درمیان سخت قسم کا اختلاف رہتا تھا اور میں انہیں ان علمی اور ادبی صلاحیتوں کی طرف متوجہ کرتا تھا، جن کے استعمال سے وہ کوئی شاہکار ترتیب دے سکتے تھے۔ ادھر سینکڑوں عقیدت مند انہیں اپنے پیچیدہ گھریلو مسائل کے حوالے سے دعا کی درخواست کرتے وقت ان کا قافیہ تنگ کرتے تھے اور اس میں بھی ان کا کافی وقت چلا جاتا تھا۔ چنانچہ انکی وفات کے بعد درجنوں عقیدت مندوں نے ان کی اجابتِ دعا کے بارے میں ایسے واقعات سُنائے کہ سننے والے حیران وششدر ہوکر رہ گئے۔ ایک ایسا ہی واقعہ ۱۹۷۷ء کا ہے کہ مُحرّم الحرام کے مہینے میں اُنہوں نے یوم عاشورہ کو مرہامہ کی مسجد جامع میں شام سات بجے سے رات ساڑھے دس تک اہلِ بیت رسول ﷺ کی شان میں خطاب فرمایا۔ اس زمانے میں انکی والدہ قدرے علیل تھی اور والد صاحب رات کو کہیں قیام بھی نہیں کرتے تھے۔ مرہامہ میں ساڑھے دس بجے نمازِ عشاءٗ ختم ہونے کے بعد لوگوں کے اصرار کے باوجود وہ گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس وقت رات کے گیارہ بج

چکے ہیں، گاڑی کا ملنا محال ہے۔ والد صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے دو خاص خادموں سے کہا کہ سنگھم پل تک میرے ساتھ آیئے۔ دونوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پُل پر چند منٹ کے انتظار کے بعد ایک ایمبیسڈر گاڑی پُل کے نزدیک رُک گئی اور ڈرائیور نے کھڑکی کھولی اور والد صاحب سے کہا کہ تشریف لایئے۔ والد صاحب کا کہنا ہے کہ پُل عبور کرتے ہی میں نے ڈرائیور سے پوچھا کہ آپ دیر گئے رات کہاں جا رہے ہو۔ ڈرائیور نے بتایا کہ یہ مت پوچھئے۔ اب والد نے قدرے تذبذب کے ساتھ پوچھا کہ ذرا بتایئے کہ آپ کی منزل کیا ہے؟ ڈرائیور نے بتایا دیکھیے جہاں تک آپ کو جانا ہے وہاں آپ کو چھوڑ کے مجھے واپس لوٹنا ہے۔ والد صاحب نے پوچھا کیوں؟ ڈرائیور نے بتایا کہ مولانا صاحب ابھی جب میں اپنے گھر میں دس بجے رات سویا میری آنکھ لگ گئی، ایک نُورانی ہستی خواب میں جلوہ گر ہوگئی۔ مجھے حکم دیا کہ اٹھو اور ایک صاحب جو مرہامہ کی جامع مسجد میں اہل بیت رسول ﷺ کی تعریف بیان کر رہا تھا، سنگھم کے قریب سواری کے انتظار میں ہے۔ اس کو منزل تک پہنچا دو۔ والد صاحب کا کہنا تھا کہ میری آنکھوں میں آنسو آگئے کہ دراصل آج کے خطبے کو دربار رسالتؐ میں شرف قبولیت حاصل ہو چکی ہے۔ والد صاحب نے کہا کہ بجبہارہ ہسپتال کے پاس میں نے اُسے گاڑی روکنے کے لئے کہا۔ اور یہ بھی بتایا کہ اب رات ہمارے ہاں گزاریئے۔ ڈرائیور نے انتہائی احترام کے ساتھ کہا کہ میں چھچھکوٹ اور چرسو

اونتی پورہ کے درمیان ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ میں پندرہ منٹ میں گھر پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ ہسپتال کے پاس ہی انہوں نے گاڑی واپس موڑ دی اور چلا گیا۔ اس شبینہ واقعے کا اثر والد صاحب پر مدتوں قائم رہا اور پھر ذکر اہل بیتؑ کا اہتمام وہ بڑے ہی شوق سے کیا کرتے تھے۔

اسلام ما اطاعتِ خلفائے راشدین
ایمانِ ما محبتِ آلِ محمدؐ است

یہاں مجھے ان کے وہ گیارہ خطبے یاد آرہے ہیں جو انہوں نے ستّر کی دہائی کے کسی ابتدائی سال میں یکم محرم سے گیارہ محرم تک مسجد نصیب الدین غازیؒ میں دیئے تھے۔ انہوں نے دو آیتوں کی شرح وتفسیر مسلسل گیارہ دن دو سے تین گھنٹے تک خطاب فرمایا اور یہ دو آیتیں تھیں۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (الاحزاب) اور دوسری آیت تھی قل لا اسئلکم علیہِ اجراً اِلاَ المودۃَ فی القُربیٰ.

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ قصبۂ بجبہارہ کے باذوق اور دین پسند متواتر ان گیارہ خطابات سے محظوظ ہوگئے اور سب سے اہم بات جو قابل داد تھی کہ اول محرم کے خطبے میں جو آیات، احادیث، واقعات اور واقعۂ کربلا سے متعلق

اہم معلومات بیان کی گئیں، دوسری محرم کے خطبے میں بالکل نیا مواد اور نیا اسلوب اپنایا گیا، چنانچہ ان کے اس غیر معمولی حافظے سے عوام و خواص دھنگ ہو کر رہ جاتے تھے۔ میں اس زمانے میں ہائر سکنڈری بجبہارہ میں الکٹیو کا طالب علم تھا اور علامہ اقبال کے بارے میں میری معلومات سطحی نوعیت کی تھیں، چنانچہ عاشورۂ محرم کے انہی خطبات میں والد صاحب نے اسرارِ خودی کی وہ پوری نظم بیان کی، جو ''سرِ حادثۂ کربلا'' کے عنوان سے مشہور ہے۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ پہلی بار میں نے اقبال کے تصّورِ عشق و عقل پر مذہبی نقطۂ نظر سے طویل گفتگو سُنی۔

آں شنید استی کہ ہنگامِ نبرد
عشق باعقلِ ہوس پرورچہ کرد

آں امامِ عاشقاں پُورِ بتولؓ
سروِ آزادِ زِبُستانِ رسولؐ

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنئ ذِبحِ عظیم آمد پسر

سرخرو عشقِ غیور از خونِ او
شوخی این مصرعہ از مضمونِ اُو

ہمارے قصبے میں اکثر علمی گھرانوں اور پیرزادوں کی معاشی حالت کچھ اچھی نہیں تھی، اور یہی وجہ ہے کہ پیرزادوں کو ملحقہ دیہات کی مسجدوں یا قصبے میں قائم مساجد کی امامت انجام دینے کے ساتھ ساتھ جمعہ کے مواقع پر خطبہ یا وعظ خوانی کا فریضہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے صلے میں انہیں دیہات سے سالانہ دھان کی صورت میں یا چاول کی شکل میں چند خروار عطیہ کے طور پر ملا کرتی تھیں اور یہ طبقہ اسی پر گذر بسر کرتا تھا۔ چونکہ پوری وادی میں پیرزادہ خانوادے لکھے پڑھے تھے تو اچانک انہوں نے حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے جدید علوم کی طرف رُخ کیا۔ اپنی موروثی اور خداداد صلاحیتوں کے سبب نہ صرف بجبہاڑہ کے پیرزادوں نے حکومت کے اہم عہدوں پر قدم جمایا بلکہ ڈوروشاہ آباد سے لیکر ڈورو سوپور تک سیدزادوں نے ایوانِ سیاست میں گرما گرمی پیدا کی اور اسطرح کشمیر کے قادریوں، گیلانیوں، چستیوں، سہروریوں، مخدومیوں، نقشبندیوں، مفتیوں،

سیّدوں اور نحویوں نے روایتی پیر مریدی کو خیر باد کہہ کے ریاستی انتظامیہ کے اہم اور کلیدی عہدوں پر قبضہ کیا اور یہ سلسلہ اب بھی قائم ہے۔ میرے والد صاحب کبھی انگریزی زبان کی طرف راغب نہیں ہوئے۔ چنانچہ ان کے ہم پیشہ اساتذہ سنٹرل ہائی اسکول اسلام آباد اور ہائر سکنڈری اسلام آباد میں ۱۹۶۰ء کے اوائل میں انہیں انگریزی زبان سیکھنے پر آمادہ کر رہے تھے لیکن والد صاحب کا ذہن السنۂ شرقیہ کی خمیر اور مزاج میں اسقدر پختہ ہو چکا تھا کہ وہ بقول اقبالؔ فرنگی دانشوروں کی دانشوری سے دردِ سر خریدنا نہیں چاہتے تھے۔

نتیجتاً والد مرحوم اسکول ٹیچری سے آگے قدم نہ بڑھ سکے۔ مرحوم بخشی صاحب نے ان کی شعر گوئی اور ادبی واقفیت سے متاثر ہو کر انہیں ریڈیو کشمیر میں ملازمت کی پیشکش کی تھی اور آمادگی کے طور انہیں میر غلام رسول نازکی کی مثال دی تھی کہ وہ بھی محکمہ تعلیم میں بحثیت ٹیچر کام کر رہے تھے اور ریڈیو کشمیر جوائین کر چکے ہیں، اور اسی طرح مرحوم غلام محمد صادق نے والد صاحب کو ایران میں فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی تھی۔ واقعہ اس طرح ہے کہ وادی کے فارسی اساتذہ کا ایک ریفرشر کورس بی۔ ایڈ کالج مولانا آزاد روڈ سرینگر میں

محکمہ تعلیم کے اشتراک سے منعقد کیا گیا تھا۔ ضلع اسلام آباد سے بھی میرے والد کے علاوہ چند اور اساتذہ بھی ریفرشر کورس میں شامل تھے۔ ایران سے ایک خاتون خانم پروانہ کاردوش کشمیری اساتذہ کو پڑھا رہی تھی۔ کورس کے اختتام پر ایرانی مہمان کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا گیا، جس میں اس وقت کے وزیر اعلیٰ مرحوم غلام محمد صادق نے بہ حیثیت مہمانِ خصوصی کے شمولیت کی تھی۔ اس موقعہ پر والد گرامی نے فارسی میں ایک طویل نظم تحریر کی تھی، جو بدقسمتی سے کہیں گم ہوگئی اور بسیار تلاش کے بعد بھی دستیاب نہ ہوسکی۔ نظم میں ایران اور کشمیر کے مابین رشتوں کی وضاحت کی گئی تھی اور ایرانی خاتون مہمان کے بے پردہ رہنے پر والد نے انہیں خوب جھڑکی دی تھی۔ مرحوم صادق صاحب ان دو کے درمیان فارسی مکالمہ سن رہے تھے۔ چائے نوشی کے بعد صادق مرحوم نے والد صاحب سے کہا تھا کہ آپ کو ہم اعلیٰ فارسی تعلیم کے لئے ایران بھیجیں گے، لیکن والد صاحب نے اپنے ضعیفُ العمر والد مولانا مصفاؔ کی خدمت کو ترجیح دی اور حصولِ تعلیم کی پیشکش یکسر نظر انداز کر دی، ورنہ چند سال کے لئے قیامِ ایران ان کے لئے بڑے علمی دائرہ کار میں شامل ہونے کا پیش خیمہ ثابت ہوتا۔

والد بزرگوار نے سرکاری استاد کی حیثیت سے تقریباً چالیس سال تک

اسلام آباد کے مشہور اور مقبول تعلیمی ادارے سنٹرل ہائی اسکول میں بیس سال سے زائدہ عرصہ گذارا اور اس دوران انہوں نے بہ حیثیت مدرس کے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ اس ادارے سے فارغ التحصیل طلبہ جو اس وقت ڈاکٹر، انجینئر، جج، وکلاء یا تاجر کے طور کام کر رہے ہیں والد صاحب کا کوئی شعر، مصرعہ، مقولہ یا واقعہ سناتے ہیں جو انہوں نے دوران درس کے سنایا اور بچوں کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا۔ دراصل اس زمانے میں اساتذہ اِخلاص، محبت، شفقت، محنت اور جذبۂ شوق کے تحت مُدّرسی کا پیشہ اختیار کر چکے تھے اور ان کا پڑھایا ہوا سبق نقش بر سنگ ہو کر رہ جاتا تھا۔

درسِ ادیب اگر بود زمزمۂ محبتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفلِ گریز پاے را
(نظیری)

ترجمہ: استاد کا سبق اگر محبت کا سرچشمہ ہے تو بھگوڑا لڑکا جمعہ (چھٹی کا دن) کو بھی سکول آئے گا۔ یعنی مشفق استاد کی کشش اُسے چھٹی کے روز بھی گھر پر بیٹھنے نہیں دے گی۔

والد صاحب جب بھی کسی طالبِ علم کو پڑھانے کی ذمہّ داری لیتے تھے

تو بہ درس پڑھاتے، ہر لفظ کو حرف بہ حرف، ہر اصطلاح کو لفظ بہ لفظ واضح کرتے تھے۔ الفاظ کے مآخذ اور مخارج کو زیر بحث لاتے تھے۔ اور دورانِ درس کے ''جورِ استاد بہ زمہرِ پدر'' کا عملی نمونہ پیش کرتے تھے۔ چنانچہ غبی قسم کے طالبِ علموں کو انکی طرف سے پٹائی کا خوف طاری رہتا تھا۔ مرکبات اور اِصطلاحات کی واقفیت کا یہ عالم تھا کہ میں نے ایک بار علامہ اقبالؔ کے ایک مشہور شعر ؎

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پرِ رُوح الامیں پیدا

میں ''انگارۂ خاکی'' پر اعتراض کرتے ہوئے والد صاحب سے عرض کیا کہ انگارہ ہندی میں آگ کے شرارے، ٹکرے یا حصے کو کہتے ہیں اور خاکی فارسی کا لفظ ہے۔ ہندی اور فارسی کے دو لفظوں سے علامہ اقبالؔ نے یہ ترکیب کیسے باندھی ہے۔ فرمایا: اقبالؔ ہرگز غلط ترکیب استعمال نہیں کرسکتا ہے۔ یہ دونوں لفظ، انگارہ بھی اور خاکی بھی فارسی زبان سے ہیں اور انگارہ پیکر، جسم اور ڈھانچے کو کہتے ہیں۔ جب انسان کے اس مٹی سے بنے ڈھانچے میں یقین اور اعتماد کی دولت پیدا ہو جاتی ہے، تو اس کے اندر جبرئیلؑ کے بال و پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ انسان بلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز ہوتا ہے۔ کلام اقبالؔ فارسی اور اردو کے درجنوں

دقیق فکری اور لسانی نکتے انہوں نے سر سری گفتگو میں حل کیے۔ ایک ایسا ہی واقعہ دوسری بار پیش آیا کہ میں نے حضرت اقبال کا ایک شعر ان کے سامنے پڑھا۔

دیتے ہیں دادِ سخن یوں مجھکو عراق و پارس
یہ کافر ہندی ہے، بے تیغ و سنان خوں ریز

میں نے والد صاحب سے شعر کے مصرعۂ اول میں قدرے جول کے بارے میں استفار کیا عراق و پارس پڑھ کر شعر میں ایک رکن کا اضافہ لگ رہا ہے اور جھٹکا سا محسوس ہو رہا ہے۔

یوں دادِ سخن مجھکو دیتے ہیں عراق و پارس

تو آپ نے کہا کہ یہ صحیح ہے لیکن رعایتِ شعری کے تحت پارس کا لفظ جو جول پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے کو پاس کے تلفظ کے ساتھ پڑھا جائے تو شعر میں سقم دور ہو جائے گا۔

یوں دادِ سخن مجھکو دیتے ہیں عراق و پاس

تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ پارس کا ایک تلفظ ''پاس'' بھی ہے۔

مولانا نحویؔ کو عربی اور فارسی پر کمال دسترس حاصل تھا۔ ایک دفعہ میں نے فارسی کی مشہور لغت ''لغاتِ کِشوری'' کا ذکر کیا۔ میں نے ''کِشورِی'' تلفظ کیا۔ والد صاحب چیں بہ جبیں ہو گئے کہا کہ یہ فارسی کی ڈکشنری ہے۔ ایک ہندو کتب فروش نول کشوُر لکھنو نے چھاپی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام لغاتِ کِشوُرِی پڑا۔ کشور ہندی میں مندر کو کہتے ہیں اور فارسی میں کشور ملک یا سلطنت کو کہتے ہیں۔ ایک بار اس فارسی لغت کے بارے میں فرمایا کہ آپ کسی بھی جگہ کھول کر کوئی لفظ پوچھیے۔ میں نے لغت کے مختلف الفاظ پوچھے، ہر لفظ کا مصدر اور ماخذ بتا دیا اور مفرس اور معرّب کے بارے میں چند کارآمد باتیں بتائیں۔ پوری ڈکشنری زبانی یاد تھی۔ حیرانی کا عالم یہ ہے کہ ان کے پاس فارسی کی ڈکشنری تھی ہی نہیں۔ اسلام آباد کی کسی سرکاری لائبریری میں یا سکول لائبریری میں اس کو ایک دو بار پڑھ چکے تھے اور تب سے اب تک لوحِ ذہن پر محفوظ تھی۔ والد صاحب نہ ایم۔ اے عربی تھے اور نہ ایم۔ اے فارسی لیکن سنٹرل ہائی اسکول اسلام آباد اور ہائر سکنڈری اسلام آباد میں کسی ٹیچر کو فارسی یا عربی میں ایم۔ اے (پرائیوٹ) کے امتحان میں شامل ہونا ہوتا تھا تو ان کے سامنے زانوئے تلمُّذ تہ کرتے تھے۔ میں نے ایک بار انہیں دیوانِ متّنبی معلقات اور مُختارات کا

اردو ترجمہ کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ ترجمہ کس کے لئے آپ تیار کر رہے ہیں۔ فرمایا ہمارے سکول میں دو ٹیچر ایم۔ اے عربی کر رہے ہیں۔ انہیں علی گڈھ میں امتحان میں شامل ہونا ہے۔ پروفیسر شاہ مرحوم سابق صدر شعبہ پولٹکل سائینس کشمیر یونیورسٹی اس زمانے میں علیگڈھ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے تھے، وہ سنٹرل ہائی اسکول اسلام آباد میں میرے والد کے ہم پیشہ تھے۔ انہوں نے ان دو ٹیچروں کی شفارس کی ہے۔ لہٰذا حقِ دوستی ادا کرتے ہوئے ان دو طالب علموں کا کام آسان بنا رہا ہوں۔ موجودہ نظامِ تعلیم سے وہ انتہائی مایوس تھے اور کہتے تھے آجکل کے ایم۔ اے اردو، فارسی اور عربی، منشی فاضل، ادیب فاضل اور مولوی فاضل ان اسناد کے چہروں پر بدنما داغ ہیں (سوائے چند استثنیٰ کے) اور اس حوالے سے وہ ایک ایسا لفظ استعمال کرتے تھے جسکو تحریر میں لانا مناسب نہیں۔ ان کے نزدیک آجکل مشرقی علوم میں ڈگریاں محض رسمی اور کاغذی اسناد ہیں، ان کی پشت پر وہ صلابت، صلاحیت، گہرائی اور گیرائی نہیں جو علم وفن کی پہچان ہوا کرتی ہیں۔

والد صاحب وسیع المطالعہ تھے۔ مختلف اسلامی تحریکوں کے لٹریچر پر اچھی نظر رکھتے تھے۔ تفسیر جلالین، تفسیر کشاف، تفسیر ابنِ کثیر اور تدبر قرآن (امین احسن اصلاحی) سے کافی متاثر تھے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تفہیم القرآن کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ سمجھتے تھے۔ علمائے دیوبند میں مولانا محمد قاسم

نانوتوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمود الحسن، مولانا انور شاہ کاشمیری اور قاری محمد طیّب کے عربی علوم اور احادیث پر انکی گہری دسترس پر دادِ تحسین دیتے تھے۔

علمائے بریلوی میں حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے عشقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے پناہ مدّاح تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تجدیدی کارناموں کا اکثر تذکرہ کرتے تھے اور اِزَالَۃُ الخِفَاءِ عَنْ خِلَافَۃِ الخُلَفَاءِ سے متعدد عربی عبارتیں زبانی سناتے تھے۔ ایک بار سفر دہلی جنوری ۱۹۹۲ء میں انہوں نے خاندانِ ولی اللّٰہی کے بزرگوں کے مقابر واقع مہندیان، مولانا آزاد کے مقبرے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی زیارت گاہ، مرزا غالبؔ کے مدفن اور حضرت امیر خُسروؒ کے اَبدی مسکن پر حاضری دینے پر زبر دست اصرار کیا چنانچہ ان مقامات پر انہیں بڑا سکون ملا اور کافی دیر تک ان برگزیدہ شخصیات کا تذکرہ کرتے رہے۔ لال قلعہ کے اندر والد صاحب نے وہ فارسی اشعار رِقت کے ساتھ گنگنائے جو اسکی دیواروں پر منّقش ہیں۔ مرزا غالبؔ کے مزار پر اس دن قفل چڑھا ہوا تھا۔ میں نے ایوانِ غالبؔ کے ذمہّ داروں سے رابطہ قائم کیا اور مقبرے کا مقفل دروازہ کُھلوایا۔ والد صاحب نے فاتحہ پڑھی اور غالبؔ کے نعتیہ کلام میں سے وہ خوبصورت شعر پڑھا اور مجھے اس کا لفظی ترجمہ بتایا۔

غالبؔ ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گذاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

ترجمہ:۔اے غالبؔ خواجۂ کونین ﷺ کی تعریف خدا پر ہی چھوڑ۔وہی ذات پاک محمد عربی ﷺ کا مرتبہ اور مقام جانتی ہے۔میں نے اس موقع پر والد صاحب کو مرزا غالبؔ کی مدح میں آغا شورش کاشمیری (لاہور) کا ایک اردو قطعہ سنایا تو اسپر والد صاحب عش عش کرتے رہے۔

خاکِ دلّی میں بہت سے لُولُوئے لالا بھی تھے
ان میں غالبؔ ہم مقامِ حافظؔ و خیّامؔ تھا

شہپرِ جبریلؑ کا سایہ تھا ان کے فکر پر
اُن کی مینائے غزل میں بادۂ الہام تھا

والد مرحوم کو سرزمین پاکستان دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔میں نے اس سلسلے میں ان کا پاسپورٹ بھی تیار کروایا تھا،لیکن سیاسی اور سفارتی حالات اور دوملکوں کے دریمان رنجش اور چپقلش اس سفر میں ہارج قوی ثابت ہوئی۔وہ اس سلسلے میں فقط یہ کہا کرتے تھے کہ میں حضرت حکیم الامت شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کے مزارِ مقدس کو دیکھنے کی تمنا کرتا ہوں۔اقبالؔ کے بارے میں ان کا دوسرا ہی نقطۂ نظر تھا۔فارسی اور عربی کے اساتذہ شعرأ اور باکمال ادباء کو انہوں نے پڑھا بھی تھا

اور پڑھایا بھی تھا، لیکن کلام اقبالؔ کے بارے میں وہ کہا کرتے تھے کہ یہ انسانی کلام نہیں بلکہ الہامی کیفیات سے مزّین کلام ہے۔ مجھے بچپن کا واقعہ یاد آرہا ہے شاید میں چھٹی یا ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ والد صاحب بخار کی وجہ سے چند دن بسترِ علالت پر رہے۔ ان کے ہاتھ میں تکلیف کے ان ایّام میں صرف کلیاتِ اقبالؔ (فارسی) کتب خانۂ نذیریہ دہلی سے شایع شدہ ایڈیشن تھا۔ والد مرحوم یہ کتاب پڑھتے زاروقطار رو رہے تھے۔ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا اور اس وقت میں نے ابھی اقبالؔ کا نام تک نہیں سنا تھا۔ سوائے اسکول میں انکی لکھی ہوئی دُعا ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' سے میں آشنا تھا۔ والد صاحب نے بتایا کہ میں یہ کلام روتے روتے اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ اسکی تاثیر سے جسم میں درد کی شدت کم ہو جاتی ہے اور میں افاقہ محسوس کر رہا ہوں۔ والد شاید یہی وہ ایّام تھے جب میرے کانوں میں حضرت اقبالؔ کا نام اس انداز میں پڑا اور ایسا اثر آفرین تعارف ہوا کہ بعد میں کلام اقبالؔ میرا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ والد صاحب نے ایک بار مجھے بلایا اور کہا کہ اقبالؔ کا اردو کلام تو آپ کو اچھی طرح پڑھنا آتا ہے، اس ضمن میں مجھے اطمینان ہے۔ ذرا کُلّیاتِ اقبالؔ فارسی تحتُ اللفظ میرے سامنے پڑھیے۔ خوش قسمتی سے میری ایک شاگردہ جو اصلاً پاکستانی ہیں اور حسن آباد رینہ واری میں مرحوم اکبر جے پوری کی بہو ہیں، لاہور سے بہت ہی عمدہ طباعت و کتابت میں تحریر شدہ کلیاتِ فارسی لائی تھیں۔ یہ کلیات لفظ بہ لفظ

میں نے ان سے پڑھی چنانچہ کہیں کہیں فارسی افعال، صیغوں، ترکیبوں اور تلمیحوں کے بارے میں اہم نوٹ لکھوائے۔ اقبالؔ کے یہ چند اشعار جو ذیل میں درج کئے جائیں گے پڑھ کر والد صاحب روتے روتے بے قابو ہو جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ اقبالؔ کے احترام و توقیر رسول ﷺ کا شاندار عاشقانہ اظہار ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
رُوزِ محشر عُذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفٰےؐ پنہاں بگیر

حضرت فاطمۃ الزّہراؓ سے بے پناہ عقیدت و احترام کا اظہار اقبالؔ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

رشتۂ آئین حق زنجیر پاست
پاسِ ناموسِ جنابِ مصطفٰےؐ است
ورنہ گِردِ تربتش گردیدمے
سجدہ ہا برخاکِ او پاشیدمے

کربلا کا ذکر جب اقبالؔ نے یوں کیا ہے۔

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشک ما بر خاکِ پاکِ اورساں

اقبالؔ کا یہ شعر والد صاحب کے پسندیدہ اشعار میں تھا۔

شاخِ نہالِ سدرۂ خارو خسِ چمن مشو
منکر او اگر شدی منکرِ خویشتن مشو

اقبالؔ سے انکی بے پناہ عقیدت مندی میرے لئے مہمیز ثابت ہوگئی۔ چنانچہ میں نے گریجویشن کے بعد اولاً ایم۔اے انگریزی میں داخلہ لیا، لیکن ذاتی طور پر میری دلچسپی اردو کے ساتھ تھی۔ ایم۔اے پریولیس کے ایک پرچے میں کم نمبرات کے سبب مجھے زبردست مایوسی ہوئی اور Revaluation کرانے کے لئے میں اپنے والد کے ساتھ بے بسی اور مایوسی کی حالت میں یونیورسٹی گیا۔ میری ذہنی پریشانی، پشیمانی اور پراگندگی دیکھ کر والد صاحب پروفیسر حامدی

کاشمیری اور پروفیسر سیف الدین سوز سے ملے۔ سوز صاحب اس زمانے میں یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے۔ سوز صاحب کے منفی طرزِ عمل سے مزید مایوسی بڑھ گئی۔ ہم دونوں یونیورسٹی کے احاطے سے باہر آرہے تھے کہ والد صاحب اچانک رُک گئے اور میری طرف مخاطب ہوکر کہا ''بشیر احمد! ایک دن آئے گا کہ آپ اس یونیورسٹی کے کسی شعبے کے سربراہ ہونگے'' ٹھیک پچیس سال بعد ان کی یہ دعا اور آہ رنگ لائی کہ میں کئی لوگوں کی مخالفتوں، رکاوٹوں، سازشوں اور اسکیموں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور والد مکرّم کی دعائے نیم شبی سے اس ادارے کا سربراہ ہوگیا، جسکی سربراہی اردو دنیا کے سب سے قدر آور نقاد پروفیسر آل احمد سرور نے کی تھی۔ مجھے اس بات کے برملا اعتراف میں کوئی جھجک نہیں کہ یونیورسٹی پروفیسر بننا اور مرکز اقبالیات کا ڈائریکٹر مقرر ہونا میرے بس کی بات نہیں تھی، بلکہ یہ والد مرحوم کی تربیت، اقبالؔ کے فیضان اور یونیورسٹی میں چند مخلص اور بے ریا دوستوں کی شفقت کا نتیجہ ہے۔ جن میں مرحوم پروفیسر مشیر الحق، پروفیسر حامدی کاشمیری اور پروفیسر محمد یٰسین قادری قابل ذکر ہیں۔ اگر ان لوگوں کی حوصلہ افزائی انصاف پسندی اور قدر شناسی شامل حال نہ ہوتی تو یونیورسٹی میں درس وتدریس کے بجائے اسکیموں، سازشوں اور جوڑ توڑ میں یقین رکھنے والوں نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ یہاں یہ بات ضمناً آگئی اور میں والد صاحب

کی اقبال پسندی کا ذکر کر رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مدحِ اقبال میں کئی نظمیں لکھی تھیں، لیکن مزاج میں تساہل کے سبب وہ ریکارڈ سے غائب ہیں۔

علامہ اقبال کے فکر و نظر سے وابستگی ہمارے عہدِ جدید کے تمام علمأ کے یہاں بلواسطہ یا بلاواسطہ موجود تو ہے ہی لیکن والدِ مرحوم شعرأ میں شیخ سعدی شیرازی کو قادرالکلام اور اخلاقیات کا مُعلّمِ بے نظیر تصور کرتے تھے۔ سعدی کے بارے میں ان کا یہ نظریہ تھا کہ گذشتہ ایک ہزار سال کی فارسی ادبی تاریخ میں اتنا ذہین شاعر مُسلمانوں نے پیدا نہیں کیا، جس نے حکایات و واقعات کے توسُّط سے زندگی سے جڑے جملہ مسائل کی عالمانہ اور شاعرانہ توضیح وتشریح کی ہے۔ والد صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر حضرت سعدی انگلستان میں پیدا ہوتے، شاید ان کے نام پر درجنوں یونیورسٹیاں، تعلیمی ادارے اور شاہراہیں قائم کی جاتیں اور کتنے میڈل اور اعزازات ان کے نام گرامی سے منسوب ہوتے۔ ایک بار میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ گلستان اور بوستان کتنے لڑکوں نے آپ سے درساً پڑھی ہیں، کہا ایک ہزار سے زائد طالب علموں کو میں نے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۵ء تک درساً پڑھایا، نتیجتاً یہ دونوں کتابیں انہیں ازبر تھیں۔ میں نے پوچھا کہ سعدی کے اشعار میں پسندیدہ اشعار مجھے بتایئے۔ چنانچہ انہوں نے دو درجن چنیدہ اشعار پڑھے اور میں لکھتا رہا۔ ان دو درجن اشعار میں یہ دو شعر یہاں نقل

کیے جاتے ہیں۔

مرا پیرِ دانائے مرشد شہاب
دو اَندرز فرمود برروے آب
اوّل ایں کہ بر خویش خودبیں مباش
دوم ایں کہ بر غیر بدبیں مباش

ترجمہ: مجھے اپنے دانا مرشد حضرت شہاب الدینؒ نے ایک بار دریا عبور کرتے ہوئے دو نصیحتیں فرمائیں۔ ''پہلی یہ کہ خود بین نہ بننا اور دوسری یہ کہ بد بین نہ ہونا۔'' والد صاحب نے پھر مثالوں سے خود بینی، غرور، تکبر، نخوت پندار اور تعلّی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا ذکر کیا۔ سعدی نے اپنی شاہکار تصانیف میں زبان کی حفاظت اور اچھی صحبت کی ضرورت پر درجنوں کہانیاں بیان کی ہیں اور اپنے وسیع تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر یہ ثابت کیا ہے کہ گفتگو سے کیا اچھے اور برے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

والد صاحب سے میری سال ہا سال قربت رہی اور جو اہم خصوصیت میں نے ان کے ہاں پائی وہ غیبت سے اجتناب اور حسد سے احتراز۔ عموماً صبح و

شام ہمارے گھروں میں لوگوں کے بارے میں عیب جوئی، غیبت یا تمسُّخر کے انداز میں گفتگو ہوتی رہتی ہے، والد صاحب اس فعل کو بہت ناپسند کرتے تھے اور اگر کوئی اس قسم کی گفتگو کرتا تو آپ فوراً رُخ پھیرتے اور زبردست ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ زبان کو لگام دینا گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے دوران کلام وہ عربی ضرب المثل پیش کرتے تھے جَرَاحَةُ اللِّسَانِ اَشَدُّ مِنْ جَرَاحَةِ السِّنَان ۔زبان کا زخم نیزے کے زخم سے سخت ہوتا ہے۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ ایک بار انہوں نے مجھے مُوطاّ کی ایک حدیث سنائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

''رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ انسان اللہ کی خوشنودی والی ایک بات کہتا ہے اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ثواب کے لحاظ سے وہ بات کہاں تک جا پہنچے گی اور اس کا اتنا ثواب ہوتا ہے کہ اس کے باعث اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے قیامت کے دن تک جبکہ وہ اس سے ملاقات کرے گا اپنی خوشنودی لکھ دیتا ہے۔ اور ایسے ہی انسان اللہ کو ناراض کرنے والی ایک بات کہہ جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ گناہ کے لحاظ سے وہ بات کہاں تک جا پہنچے گی۔ مگر اس کا اتنا گناہ ہوتا ہے کہ اس کے باعث خدا اس انسان کے لئے یومِ قیامت تک، جبکہ وہ اس سے ملاقات کریگا، اپنی ناراضگی لکھ دیتا ہے۔''

مولانا نحویؔ اتحاد بین المسلمین کے زبردست قائل وحامی تھے۔ وہ خلفاءٔ اربعہ اور ائمہ اربعہ کی آپسی محبت کے حوالے سے ان کے واقعات بیان کرتے تھے اور جب کبھی شیعہ سُنی جھگڑے کی کوئی خبر وہ بی۔بی۔سی سے سنتے تھے تو کافی مُلول اور مغموم ہوا کرتے تھے۔ ایرانی انقلاب سے چند جزوی اختلافات کے باوجود وہ اس انقلاب کے عالمگیر اَثرات کو محسوس کرتے ہوئے ایرانی انقلاب کے رہنما علامہ آیت اللہ خمینی کی شخصیت اور اثر وقوت کو سراہتے تھے اور امام خمینی کے احترام میں اس وقت والد صاحب کے دل میں مزید اضافہ ہوا جب سلمان رشدی نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا اور امامِ خمینی نے رشدی کے حق میں موت کا فتویٰ صادر کیا ؎

غسل خانے میں چھپا بیٹھا ہے تو اے ''دیدہ ور'' [1]
اب ترا ناپاک تن ہے اور محافظ کی نظر

مغز کے بدلے بُرادے سے بھرا ہے تراسر
رہ گیا تو ایک ہی دھمکی میں گھٹنے ٹیک کر

---

[1] ''دیدہ ور'' اشارہ ہے رُشدی کی طرف۔ یہ اشعار مرحوم پروفیسر قاضی غلام محمد سابق صدر شعبہ ریاضی کشمیر یونیورسٹی کی ایک نظم جو رشدی کی مذمت میں لکھی گئی تھی سے ماخوذ ہیں۔ مرحوم قاضی غلام محمد ایک اعلیٰ پایہ کے ماہر ریاضی ہونے کے ساتھ ایک معتبر اردو شاعر بھی تھے۔

رنگ لائی کس قدر یہ شیطنت کاری تری
ریل سے ٹکراگئی کراسنگ پر لاری پر

مرحوم نحویؔ صاحب مسالک میں موجود فقہی اختلافات کو غیر ضروری تصور کرتے تھے۔ ان کے نزدیک بنیادی عقائد کی درستی، سنت کی پیروی اور اخلاقی وروحانی قدروں کی پاسداری وہ امور ہیں جو اہمیت کی حامل ہیں۔ بدقسمتی سے ملتِ اسلامیہ مسالک کی حدبندیوں اور گروہی مناقشوں میں الجھ کر اپنے منہاج اور مزاج سے دور ہو کر رہ گئی۔

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلماں کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہباں کدھر جائے
(اقبالؔ)

جیسا کہ میں اولاً عرض کر چکا ہوں کہ والد صاحب علم اور اصحاب علم کے والہ و

شیدائی تھے۔ زندگی کے آخری پندرہ برسوں میں وہ رات بارہ ایک بجے سے پہلے کبھی سوئے نہیں، بلکہ ان کا معمول یہ تھا کہ نمازِ عشاء اور طعام سے فراغت کے بعد بی۔بی۔سی لندن کی اردو، تہران اور اہواز کی فارسی اور بلا ناغہ مکہ مکرّمہ کی عربی نشریات 'نِـدَا ءُ الاِسلام' پوری پابندی، یکسوئی اور بغیر کسی خلل کے سنا کرتے تھے۔ بی۔بی۔سی کے پروگراموں کے سبب انہیں پوری دنیا کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی مسائل سے جانکاری فراہم ہو جاتی تھی اور فارسی پروگراموں کی سماعت سے وہ جدید فارسی شعر و ادب اور ایران کے قدیم و جدید فکری سرمایے سے باخبر رہتے تھے۔ مکۂ مکرّمہ سے نشر ہونے والے دینی مباحث، خطابات اور سَیر حاصل علمی افکار و نکات سے وہ اسقدر محظوظ و مسرور ہوا کرتے تھے کہ ریڈیو سیٹ اس کے وجود کا لازمی حصہ بن چکا تھا۔ ٹی۔وی سے انہیں زبردست نفرت تھی اور ان کے خیال میں ٹی۔وی اخلاقی، انسانی اور تہذینی قدروں کو غارت کرنے کا سب سے بڑا آلہ ہے۔ میں آٹھ سال ٹی۔وی سنٹر سرینگر میں کام کر چکا ہوں، اور والد صاحب میری ٹی۔وی میں تقرری سے قطعاً مطمئن نہیں تھے۔ وہ بار بار مجھے ٹی۔وی ملازمت کو چھوڑنے کی ترغیب دیتے رہے۔ بات ان کے ریڈیو پروگرام سننے کی چل رہی تھی۔ ایک مرتبہ وہ رات دیر گئے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ میں قدرے سہم گیا کہ بات کیا ہے کہ وہ

رات کے اندھیرے اور بجلی کی عدم موجودگی میں ضعفِ بصر کے باوجود دوسری منزل تک پہنچ گئے۔ میں نے دروازہ کھولا اور عرض کیا کہ آپ خیریت سے ہیں۔ فرمایا ٹھیک ہوں لیکن اس وقت رات کے بارہ بج چکے ہیں۔ دکانیں بند ہونگیں۔ مکہ مکرّمہ سے نشر ہونے والا پروگرام سن رہا تھا کہ ریڈیو سیٹ میں آواز مدھم پڑگئی۔ شاید سیل (cell) خراب ہوچکی ہیں۔ آپ اپنے ریڈیو کے سیل دیجئے۔ میں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور ان کا ہاتھ تھام کر انکو بستر ے تک پنچایا۔ والد صاحب گذشتہ تیس برسوں میں کسی رشتہ دار، دوست یا معتقد کے ہاں کبھی نہیں ٹھہرے ہیں۔ اسکی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی ماں کے قدموں میں پندرہ سال تک سوئے اور میں پوری دیانت داری کے ساتھ اس کا چشم دید گواہ ہوں کہ وہ تب تک انتظار کرتے تھے یہاں تک کہ انکی والدہ کی آنکھ لگ جاتی تھی پھر آہستہ آہستہ بستر سے کانگڑی باہر نکالتے، بول دان صاف کر کے آتے اور پھر جب ان کو سو فیصد یقین ہوجاتا تھا کہ والدہ کو آرام آگیا، تب جا کے وہ چند گھنٹے آرام کرتے تھے۔ انکی والدہ ۲۹ رجنوری ۱۹۸۸ء کو رحلت کرگئی۔ والدہ کی ناتوانی کے سبب وہ ایام شباب میں زیارت بیت اللہ پر کبھی آمادہ نہیں ہوئے۔ بلکہ والدہ کی وفات کے چھ ماہ بعد وہ زیارت حرین پر تشریف لے گئے۔ ۱۶ر جولائی ۱۹۸۸ء کو اشکبار آنکھوں کے ساتھ سفر محمود پر انکی روانگی اور اس موقع پر انکی دیوانگی قابل دید تھی۔

سفرِ حج کا ذکرِ جمیل وہ اکثر و بیشتر نمناک آنکھوں سے کیا کرتے تھے۔ ان تجربات اور مُشاہدات کا تفصیلی تذکرہ ان کے دل و دماغ کے لئے باعث سکون ثابت ہو جاتا تھا۔ دورانِ سفر حجاز انہوں نے مختلف ممالک سے آئے ہوئے مختلف رنگوں، نسلوں اور خطوں کے حجاج سے تبادلۂ خیال کیا تھا اور اس دوران وہ کھانے پینے یا اپنے گروپ میں شامل حجّاج کو سہارا دینے سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس گروپ کے ساتھیوں بالخصوص حاجی پیر محمد شفیع شاہ اور حاجی محمد اسماعیل آہنگر کے زبردست شکر گزار تھے جنہوں نے دورانِ سفر انہیں کوئی ہلکا سا کام بھی سرانجام دینے کا موقع نہیں دیا۔ کئی مواقع پر انہوں نے مقاماتِ مقدسہ کا تذکرہ کیا اور وہ بھی نعتیہ اشعار سنائے جو انہوں نے مکہّ مکرمہ اور مدینۂ منورہ میں پڑھے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مکہّ میں اللہ کا جلال جا بجا موجود ہے جبکہ مدینہ جمال کا ایک لاثانی پیکر ہے۔ آقائے مدینہ ﷺ ادب کا وہ مقام ہے، جسکی تعزیر و توقیر اور احترام و تقدیس کے حدود اللہ نے خود متعین فرمائے ہیں۔ والد صاحب نبی محترم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے قانونی اور ضابطے کی اطاعت کے ساتھ ساتھ قلبی اور وجدانی محبت و کیفیت کے قائل تھے اور اس سلسلے میں اکثر کہتے تھے کہ اطاعتِ رسولؐ اور محبت رسولؐ کا مظاہرہ تبھی اپنے نقطۂ عروج کو پہنچتا ہے جب مطیع و محبّ منبع چشم سے

گرم آنسو بہا کر اور اپنی پلکوں کو حریم مصطفےٰؐ میں جاروب کشی کے لئے تیار کرتا ہے۔

دکھادوں گا کہ خاکِ ہند یوں اکسیر بنتی ہے
مری پلکوں کو جاروبِ حریم مصطفےٰؐ کردے

نعت نگاروں، مدّاحین رسولؐ اور عاشقانِ اہل بیت طاہرینؑ سے والد صاحب گہرا لگاو رکھتے تھے۔ وہ ان غیر مسلم نعت گو شاعروں کے ہاتھ چومنے کی آرزو کیا کرتے تھے جنہوں نے بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گلہائے عقیدت نذر کیے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نے ایک ہندو شاعر ہری چند اختر کی نعت انکو سنائی اور یہ دو شعر سنکر وہ دیر تک جھومتے رہے۔

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا

آدمیت کا غرض ساماں مہیّا کردیا
اک عربؐ نے آدمی کا بول بالا کردیا

یہ اشعار سنکر اچانک کہنے لگے کہ ہری چند اختر بڑا ہی پیارا شاعر ہے اور اس کا نام پاکستانی جھنڈا ہے۔ میں نے پوچھا کیسے فرمایا۔ ہری کے معنی سبز، چند کے معنی چاند اور اختر کے معنی تارا۔ والد صاحب کے خیال میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات اقدس اسلام کا وہ طاقتور مرکز ہے جسکی مضبوطی دین کے قیام اور بقا کی دلیل ہے اور اگر یہ مرکز کسی وجہ سے کمزور پڑ جائے گا تو اسلام کی دیواریں یکے بعد دیگرے منہدم ہو جائیں گی۔ اس حوالے سے انہیں اُن ''علماً'' کے طرز عمل اور طریقِ تبلیغ و اشاعت سے کافی اختلاف تھا جو نبی اکرم ﷺ کو بطور ایک ''عام بشر'' کے پیش کرنے میں زبردست تقریری یا تحریری کدو کاوش کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو نرا کتابی اور کاغذی مسلمان تصور کرتے تھے۔ ان کے بے جان اور خشک تصورات پر اظہار افسوس کرتے تھے۔ والد صاحب کے نزدیک تصورِ توحید اسلامی نظریۂ حیات کی اساس ہے اور یہ اساس نبوت و رسالت کے تصور سے تقویت پاتی ہے متشدّد نظریات اختیار کرنا دین کے بنیادی تقاضوں کے خلاف ہے۔ اسلام ایک متوازن نظریہ لیکر مُسلموں اور غیر مُسلموں کو متاثر کر چکا ہے۔ شدّت اِفراط و تفریط اور تصورات و عقائد میں عدم اعتدال اور تجاوز منفی اَثرات مُرتب کرتا ہے۔ والد صاحب بحث برائے بحث، مُناظرہ بازی، مسلکی اِختلافات اور بے جان مذہبیت سے بیزار تھے۔ جدید علمی

اور سائینسی ایجادات کے نفع بخش پہلوؤں کو کافی سراہتے تھے اور ان سائینس دانوں کی خدمات و احسانات کو بار بار دہراتے تھے جنہوں نے انسانی دنیا کی خدمت کے لئے اپنی جوانیاں تجربہ گاہوں میں صرف کیں۔ والد صاحب ٹارچ سے لیکر ہوائی جہاز تک ان تمام موجدین کے گرویدہ تھے، جنہوں نے اپنے ذہن کی جملہ توانائیوں کو ''خیرِ عام'' کے لیے صرف کیا اور خَیرُ النّاسِ مَنْ ینفعُ النّاسِ کے نبویؐ ارشاد کی عقلی اور عملی مثال پیش کی۔ والد مُکرّم تنگ نظر دینی پیشواؤں، جدید علوم سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کرنے والوں اور طریقت و تصوف کے نام پر شریعت کی پامالی کرنے والے درویشوں اور نام نہاد سالکوں کی ہمیشہ مخالفت و مزاحمت کرتے رہے۔ والد مرحوم گفتگو کے دوران بڑے روشن خیال تھے اور ترقی پسند رجحانات کو سراہتے تھے۔ ان کے نزدیک تنگ دائروں میں رہ کر سوچنا، فکر کی وسعتوں پر پابندیاں لگانا، مسلک اور مشرب کے نام پر جھگڑنا اور فقہی اختلاف پر انتشار و افتراق پیدا کرنا، ملّت کے مفاد میں نہیں، بلکہ ان کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کی ایک بڑی وجہ فقہی اختلاف ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کو غیر معمولی قوتِ حافظہ سے نوازا تھا، اس کا اعتراف وہ لوگ بھی کرتے ہیں، جنہیں خوامخواہ ان کیساتھ اختلاف یا ایک قسم کی الرجی تھی۔ ذاتی طور ان کے پاس کوئی کتب خانہ نہیں تھا، رسائل و جرائد نہیں تھے،

آجکل کی علمی سہولیات فراہم نہیں تھیں، لیکن خداداد ذہانت کا سہارا لیکر وہ سنٹرل ہائی اسکول اسلام آباد، جہاں وہ اٹھارہ سال تک بحیثیت اُستاد رہے اور پھر ہائر سکنڈری انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد جہاں وہ تین سال بطور ٹیچر تعینات رہے کی لایبریری اور ڈسٹرکٹ لایبریری اسلام آباد کے کتب خانے سے بھرپور استفادہ کرتے رہے۔ والد صاحب نے جب منشی فاضل کا امتحان پاس کیا تو پورے کورس کی کوئی کتاب ان کے ہاں موجود نہیں تھی، البتہ ایک اور ٹیچر کو بھی شاملِ امتحان ہونا تھا۔ والد نے ایک تو اس ٹیچر کو درساً پورا کورس پڑھایا، شاگرد بھی اور استاد دونوں ایک ساتھ شاملِ امتحان ہوگئے۔ دونوں امتیازی شان کے ساتھ پاس ہوگئے۔ بذلہ سنجی، حسب حال شعر گوئی اور ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار سنٹرل ہائی اسکول اسلام آباد کے طلبہ دوروزہ پکنک پر پہلگام چلے گئے۔ پکنک میں شریک ایک استاد کے بیان کے مطابق طلبہ، اساتذہ دوپہر کے کھانے کے بعد لدّر کے کنارے بیٹھے تھے کہ ایک گوجر اور ایک انگریز ایک ساتھ چل رہے تھے۔ سامنے والے پہاڑ پر برف جمی ہوئی تھی دیودار اور صنوبر کے درخت سورج کی شعاعوں کو روکے ہوئے تھے۔ اساتذہ نے مرحوم نحوی صاحب کی طرف مخاطب ہوکر کہ "آج ہم آپ کی شعر گوئی کا امتحان لیں گے۔ اس منظر کو قلم اور کاغذ ہاتھ میں لیے بغیر فی البدیہہ بیان کیجئے۔ برف صنوبر، گوجر، انگریز اور پہلگام کا حسن سب کچھ شعر کے سانچے میں ڈھلنا چاہیے"۔ تو والد بغیر توقف

بولے۔

یتہِ لیس اَراماہ تس پہلگاماہ
نتہ چھس حراماہ ڈیشُن سراباہ

ہُم شینہ سنگر پرزلاں چھِ مَرمَر
تھاواں صنوبر اَبرک نقاباہ

اکھ نُند بوناہ، اکھ شاڈ کوناہ
اکھ کرہنہ گجراہ، اکھ زن گلاباہ

چنانچہ پکنک میں شریک اس استاد کے بیان کے مطابق پانچ دس منٹ تک نحویؔ صاحب پہلگام کے شہرہ آفاق سیاحتی مرکز کی منظر نگاری کرتے رہے۔ یہاں مجھے یاد آرہا ہے کہ زندگی کے آخری پانچ برسوں میں مجھے موسم گرما میں ہر سال دو دو بار والد صاحب کو پہلگام کی سیاحت پر لے جانے کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ پانچ برسوں میں مجھے والد صاحب کو ولرؔ جھیل کے اردگرد لے جانے، نشاط، شالیمار اور ہارون کے باغات کی سیر پر لے جانے اور آثار شریف حضرت

بل میں کئی بار نمازِ ظہر ادا کروانے کی متعدد سعادتیں اور عنایتیں نصیب ہوئیں۔ جولائی ۲۰۰۴ء میں علی الصباح انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں کوکرناگ گزشتہ بیس سال سے نہیں گیا۔ آج کوکرناگ جانے کا پروگرام بنائے۔ میں نے اس دن یونیورسٹی جانے کا ارادہ ترک کیا اور ایک کپڑے کا شیٹ مُصلّٰے، تولیہ، سرہانہ اور ہارٹ کیس میں کھانا، گرم پانی، دودھ، ایک کشمیری مرغ تیار کروا کے گاڑی میں بھر دیئے اور گیارہ بجے کے قریب ہم کوکرناگ کی طرف روانہ ہوئے۔ ٹھیک بارہ بجے ہم کوکرناگ پہنچے۔ میرے ساتھ میرے دو بیٹے بھی تھے۔ باغ میں داخل ہونے سے پہلے میں نے بیس روپے داخلہ فیس کونٹر پر جمع کیے، لیکن والد صاحب قدرے اس وقت ملول ہوگئے، جب سی۔آر۔پی جوانوں نے والد صاحب کی جامہ تلاشی لی۔ اس موقع پر آپ نے قرآن کی وہ آیت تلاوت کی جس میں فرمایا گیا ہے کہ جب طاقت والے کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہ وہاں فساد برپا کرتے اور اس بستی کے ذی عزت لوگوں کو بے عزت کر دیتے ہیں

اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَ جَعَلُوْا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً.

بہرحال باغ میں چند منٹ اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد والد صاحب نے آرام کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کپڑے کا شیٹ بچھایا۔ والد لیٹ گئے اور پانی کے شور سے ٹھیک ایک گھنٹے تک مکمل سوئے اور ٹھیک ڈیڑھ بجے میں نے

انہیں آہستہ آہستہ جگایا۔ وہ بیدار ہوکر کہنے لگے کہ پہلے نماز ادا کریں گے اس کے بعد کھانا کھائیں گے۔ ہم نے ظہر نماز ادا کی۔ کھانا کھایا اور والد صاحب کہنے لگے کہ سجاد احمد (والد کا نواسہ) پہلگام میں ڈیوٹی پر ہے۔ کئی دن سے وہ گھر نہیں آیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم کوکرناگ سے اس وقت پہلگام چلیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ ایک گھنٹے کا سفر ہے اور ہم اچھابل کے بیچوں بیچ مٹن پہنچ کر اور پھر آدھ گھنٹے میں پہلگام پہنچ جائیں گے۔ ڈھائی بجے ہم پہلگام کے لئے روانہ ہوگئے اور چار بجے پہلگام پہنچے۔ موسم بڑا سہانا تھا۔ میں نے ہی ون ہوٹل کے قریب والد صاحب کو نالۂ لدر کے کنارے موجیں مارتے، بل کھاتے اور چٹانوں سے ٹکراتے ہوئے پانی سے لطف اندوز ہونے کا موقعہ فراہم کیا۔ والد صاحب نے اس موقعہ پر اقبالؔ کی نظم ساقی نامہ کے وہ اشعار پڑھے۔

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی، لچکتی سرکتی ہوئی

اچھلتی پھسلتی، سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

کہنے لگے کہ معلوم نہیں اقبالؔ نے ایشیا کی کس ندی کو دیکھ کر وہ اشعار قلمبند کئے ہیں اگر اقبالؔ پہلگام کو دیکھتے تو انکی بانگ درا کی منظری شاعری کا حلیہ ہی کچھ اور ہوتا۔ بہر حال والد صاحب نے پہلگام سے واپسی پر علاقہ دچھن پورہ کے مختلف دیہات سے گذرتے ہوئے جذباتی انداز میں کہا کہ ''ہمارے قصبۂ بجبہارہ کے اکثر غریب لیکن دیندار تاجر مدتوں انہی دیہاتوں میں گھومے پھرے ہیں اور اپنی روزی روٹی کماتے رہے''۔ اس سے پہلے چند ماہ شاید مئی کے اوائل میں نے والد صاحب کو طویل سرما کے بعد پہلگام کی سیر پر لے گیا تھا۔ نالۂ لدر کے کنارے میں نے انہیں بٹھایا۔ اور ان کے پاؤں دباتا رہا۔ لدؔر کے کنارے فوج کا ایک میجر چند سپاہیوں کے ساتھ گشت لگا رہا تھا اس نے جب یہ منظر دیکھا کہ ایک بزرگ درخت سے ٹیک لگائے اور اس کا بیٹا پاؤں داب رہا ہے وہ قدرے جذباتی ہو گیا اور اسکی آنکھوں میں آنسو آئے۔ کہنے لگا کہ آپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ ''اپنے پتا کی سیوا اس ڈھنگ سے کر رہے ہو''۔

مجھے ملازمت کی بندشوں نے اپنے بوڑھے پتا کی سیوا سے محروم کر دیا ہے۔''

بات والد مرحوم کی برجستہ گوئی کی ہورہی تھی کہ اس میں پہلگام اور کوکرناگ اور دیگر مقامات کا ذکر آ گیا۔ برجستگی اور فی البدیہ شعر گوئی کا ایک اور واقعہ اس طرح ہے کہ بجبہارہ میں مرحوم غلام مصطفےٰ ٹاک کی شخصیت سیاسی اور سماجی اعتبار سے ممتاز حیثیت کی مالک تھی۔ ان کی دکان نزدیک زیارت حضرت نصیب الدین غازیؒ پر سنجیدہ لوگ کبھی کبھار بیٹھا کرتے تھے۔ میرے والد بھی اخبار ''خدمت'' اور ''ہمدرد'' جو ٹاک صاحب کی دکان پر بلا ناغہ پہنچا کرتے تھے کا مطالعہ کرتے اور سیاسی و سماجی مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ ایک بار خواجہ گل محمد ٹاک مرحوم جو بطور ڈائریکٹر ریونیو ریکارڈس کشمیر ریٹائر ہو گئے، اس زمانے میں بحیثیت نائبِ تحصیلدار کے کام کر رہے تھے۔ ان ایام میں نائب تحصیلدار، تھانیدار وغیرہ بڑے کرّ و فر کے مالک ہوا کرتے تھے۔ ٹاک صاحب دکان پر بیٹھے ایک ہاتھ میں حُقہّ اور دوسرے ہاتھ میں گزٹ لیے مرحوم نحوؔی صاحب سے جو اس وقت اتفاقاً وہاں سے گذر رہے تھے، کہنے لگے۔ ''میں جس حالت میں دکان پر بیٹھا ہوں، اسے شعر کی تصویر میں ڈھال دیجئے''۔ والد صاحب فوراً بولے۔

عجب یہ زمان و عجب یہ مکاں ہے
عجب یہ زمیں اور عجب آسماں ہے

گزٹ ہاتھ میں اور حقّہ دہاں میں
کہ نائب کو دیکھا ہے میں نے دکاں میں

برجستہ گوئی اور حسب حال شعر کی زبان میں مرقع نگاری کے درجنوں واقعات والد صاحب کے بیس سال کے سنٹرل ہائی اسکول میں مدّرسی کے قیام کے دوران رُونما ہوئے لیکن ان اَحباب و اَصحاب سے اب ملنا راقم الحروف کے لیے ناممکن ہے، جن کے ہاں وہ اشعار، اقوال اور قطعات محفوظ ہیں۔

والد مرحوم اپنی زندگی میں سادگی، قناعت پسندی، اعتدال اور میانہ روی پر سختی سے کار بندر ہے۔ وہ ہمیشہ پُر خوری کی مذمت اور قلتِ طعام کی اہمیت پر دوران گفتگو زور دیتے تھے۔ شکم کے گھوڑے کو قابو میں رکھنے اور معدہ کو توازن فراہم کرنے کی بات کرتے ہوئے سعدیؔ کا یہ شعر بار بار پڑھتے تھے۔

مادۂ عیشِ آدمی شکم است
گر بتدریج می رَود چہ غم است

وہ دانتوں کی حفاظت کو معدے کے استحکام سے جوڑتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے گرم منہ میں کبھی سرد پانی نہیں ڈالا ہے۔ وہ صحت کی حفاظت کے متعلق احادیث کا حوالہ دیتے تھے اور میں نے کئی بار انہیں دورانِ گفتگو حکیم لقمان کا یہ قول بار بار دہراتے سنا ہے کہ ''دہی سانپ ہے اسے پانی اور نمک مِلا کر مار ڈالیئے''۔ والد صاحب دودھ اور مچھلی ایک ساتھ کبھی نہیں کھاتے اور کبھی کبھار ایسا بھی معلوم ہوا کہ مچھلی کھانے کے بعد دو دن تک دودھ کا استعمال ترک کرتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ حکمائ یونان کے نُسخوں سے عبارتیں نقل کر کے سناتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ دودھ اور مچھلی ایک ساتھ لینے میں قولنج کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے بزرگوں میں کچھ لوگ فنِ طبابت سے وابستہ تھے اور وہ طبِ اکبری، طبِ جالینوس اور علامہ ابن قیم کی کتاب الداءِ والدوا سے علاج معالجے اور نسخے تحریر کرتے تھے۔ ہمارے یہاں عموماً واعظ یا پیر صاحبان اپنے مریدوں کے گھروں میں بفراغت کھاتے پیتے رہتے ہیں اور کبھی کھبار دعوتوں کا اہتمام کرواتے ہیں، لیکن والد صاحب کے بارے میں ان کا کوئی مرید یا معتقد یہ بات ثابت نہیں کرسکتا ہے کہ گذشتہ تیس پنتیس برسوں میں انہوں نے کسی معتقد کے ہاں کچھ کھایا ہو، سوائے پانی یا دودھ کے۔ ایک بار ہم نے گھر پر ان سے یہ پوچھا کہ علاقہ شاہورہ اور مرہامہ

میں آپ کے ہزاروں عقیدت مند ہیں، کیا وجہ ہے کہ آپ بھوکے پیاسے تبلیغ کرتے ہیں اور شدتِ اشتہا سے لاغر ہوتے جا رہے ہیں۔ جواباً کہا کہ ''گھر سے باہر مجھے ہر جگہ یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں کسی تارک صلوٰۃ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا معدہ میں نہ پہنچ جائے''۔ ان کے طعام تناول کرنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ پہلے بسم اللہ پڑھتے اور چاول کو خوب چبا کر اور پانی کا گلاس تین وقفے دے کے اور گاہے گاہے بایاں ہاتھ سر کی چوٹی پر رکھ کر پیتے تھے، چنانچہ زندگی بھر انہوں نے کھڑے ہو کر پانی نہیں پیا، وہ اس سلسلے میں ایک یونانی حکیم کا تجربہ بیان کرتے تھے کہ کھڑا پانی لینے سے ٹانگوں کی ایک تکلیف پیدا ہو جاتی ہے۔ غذا کے اثرات جسم اور انسانی اخلاق پر کیسے مُرتّب ہوتے ہیں، اس سلسلے میں انہوں نے بار ہا استدلال کیا اور نہایت سبق آموز باتیں بتائیں۔ ایک بار انہوں نے مجھے حضرت رومیؒ کا یہ شعر اس کے پورے محاکاتی پس منظر میں سمجھایا۔

آں کہ کاہ و جو خورد قرباں شور
آں کہ نورِ حق خورد قرآں شود

یعنی ''جس نے گھاس اور جَو بطورِ غذا کے استعمال کیا اسے قربان کیا جاتا

ہے اور جس نے نورِ حق کو بطور غذا اپنے اندر جذب کیا وہ عینِ قرآن ہوگیا"۔
صدقِ مقال اور اکلِ حلال یعنی سچی بات اور حلال کمائی پر والدمرحوم کافی تاکید کیا کرتے تھے وہ انہی دو باتوں کو "دین کا راز" تصور کرتے تھے۔ ان کے نزدیک سچائی سے بڑھکر دنیا میں کوئی طاقت نہیں۔ اسی طاقت سے بڑے بڑوں کا غرور پائمال کیا جاسکتا ہے۔ دوران گفتگو والدمرحوم پیغمبر صادق المصدوق ﷺ کی حیات طیبہ کے وہ واقعات بار بار دہراتے تھے، جن کا تعلق سچ بولنے اور سچائی کے اصولوں پر قائم رہنے سے ہے۔ والدمرحوم، عقائد، فرائض اور حقوق اللہ کے بعد حقوقُ العباد کے مسئلے کو کافی مقدّم اور اہم تصور کرتے تھے۔ اس حوالے سے دوران گفتگو کے تفصیلاً ایک بار بتایا "اللہ تعالیٰ اپنے حقوق معاف کردے گا، لیکن بندوں کا اپنے حقوق کو معاف کرنا بندوں کے ہی اختیار میں ہے۔ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے صحابہ کرام کی ایک مجلس میں سوال فرمایا کہ "کنگال اور تہی دست کون ہے؟ صحابہؓ کرام نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں کنگال اور تہی دست اسکو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ نقد ہو نہ سامان۔ آپؐ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ سب لیکر آئیگا، لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت عائد کی ہوگی، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، تو ان کو قیامت میں اسکی نیکیاں دے دی جائیں گی، جب

نیکیاں بھی ختم ہو جائیں گی اور اس پر مطالبے باقی ہوں گے تو اس کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر وہ جہنّم میں پھینک دیا جائے گا''۔ انسان خواہ کتنا ہی باریک بین، دانشمند اور دُور اندیش ہو، آئینہ ہی میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ خوش بخت وہ ہے جو اپنی کوتاہیوں، خامیوں اور ان اَخلاقی بیماریوں جیسے عداوت، حسد، کبر، حرص، دنیا کی محبت اور دولت کے عشق سے نجات کی فکر رکھتا ہو اور ان سے اسی طرح نبر آزما ہو جیسے اپنے جانی دشمن سے ہوتا ہے اور وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے، جسکو کوئی ایسا خدا ترس مُرشد اور تجربہ کار مُعالج مُیسّر آجائے جو اسکو متنبہ کرے اور اخلاقی اَمراض سے آگاہ کرے اور ان سے نجات پانے کی تجاویز بتائے۔ والد مُکرّم زکوٰۃ کی ادائیگی کے معاملے میں کافی محتاط تھے، چنانچہ اُن کی وفات کے بعد کچھ ایسے مستحق افراد مجھ سے ملنے آئے جنہیں وہ ہمیشہ بڑی پابندی سے صدقات وخیرات سے نوازتے رہے ہیں لیکن میرے سامنے اس کا انہوں نے کبھی ذکر تک نہیں کیا تھا۔

مال راگر بہرِ دین باشی حمول
نِعمَ مَال ''صَالح'' گوید رسولؐ

ستمبر ۱۹۹۲ء میں ایک خوفناک سیلاب سے ضلع اسلام آباد میں مال و جان کا کافی نقصان ہوا۔ یہ سیلاب اسقدر شدید تھا کہ ''پہلگام منی ہیڈل پروجیکٹ کوز میں بوس کر کے بہالیا۔ بدقسمتی سے ہمارا مکان بھی پہلی بار سیلاب کی زد میں آگیا۔ پانی کی سطح کم ہوگئی، لیکن ہمارا مکان جو نشیبی قطعۂ اراضی پر تعمیر کیا گیا ہے، برابر پانچ دن پانی کے گھیرے میں رہا۔ باہر سے پختہ اینٹ اور اندر سے خام اینٹ کا بنا ہوا یہ سہ منزلہ مکان سیلابی پانی کے گھیرے میں ایسے آچکا تھا کہ کسی بھی وقت گرنے کا احتمال تھا۔ چنانچہ مکان کے ایک کمرے میں پانی ایسے زمین کے اندر سرایت کر رہا تھا جیسے پن چکی رواں دواں ہو۔ ہم نے سارا سامان باہر نکالا دوست، رشتہ دار اور خیر خواہ ہمت اور حوصلہ دے رہے تھے، لیکن سبھوں کی متفقہ رائے یہ تھی کہ مکان کے اندر سے خام اینٹوں کے سبب اور کمروں میں پانی کی مسلسل موجودگی اس کے گر جانے کی ذمہ دار ثابت ہوگی۔ میں نے والد صاحب سے قدرے افسردگی اور انتہائی پریشانی کے عالم میں عرض کیا کہ اتنی محنت کے بعد آپ نے یہ آشیانہ تعمیر کیا تھا، اب یہ گر رہا ہے اور ایک بڑی مصیبت سے ہم دوچار ہونگے۔

والد صاحب پورے اعتماد اور سکون کے ساتھ کہنے لگے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ مکان گرے گا ذرا پمپ سے پانی کا اخراج کرائیے اور دیکھے کہ خدا

کو کیا منظور ہوگا۔ کہنے لگے ''میں نے زندگی کے اور معاملات میں کنجوسی کا مظاہرہ کیا ہو لیکن حقوق العباد (بندوں کے حقوق) سے کبھی غفلت نہیں برتی ہے۔ میں نے ہمیشہ زکوٰۃ کی رقم (تھوڑی ہی سہی) پابندی سے ادا کی ہے''۔ چنانچہ میں نے بصد مشکلات ایک واٹر پمپ تکی بل کری کدل سے لایا اور ایک دن اور ایک رات کی مسلسل جدوجہد کے بعد مکان کا گرد و پیش پانی سے خالی کرادیا، مکان خدا کے فضل و کرم سے محفوظ رہا اور کسی بھی جگہ ہلکی سی دراڑ بھی دیکھنے کو نہیں ملی۔ والد صاحب ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ صدقات و خیرات بلائیں ٹالتی ہیں، اور وہ ہمیشہ تاکید کیا کرتے تھے کہ اپنی آمدنی میں سے ہر ماہ ایک مخصوص رقم غریبوں، ناداروں، محروموں اور سائلوں کے لئے مختص کیا کیجئے۔

والد مکرّم کئی امور میں تساہل پسند تھے۔ اپنی اکثر تخلیقات کی نقل اپنے پاس نہیں رکھ سکے ہیں، چنانچہ اسکول کی ادبی تقاریب، مذہبی اجتماعات اور ایامِ مقدسہ پر لکھی گئی انکی بیشتر تحریروں کی کوئی نقل میرے پاس موجود نہیں، سوائے اس کے کہ ان کے شاگرد اردو اور فارسی میں لکھے گئے قطعات اور رباعیات زبانی سنا کر مجھے کفِ افسوس ملنے اور ورطۂ حیرت میں ڈالنے پر مجبور کرتے ہیں۔ والد صاحب ایام شباب میں تحریر کردہ فارسی مثنوی ''خطاب بہ کشمیر'' کا بکثرت ذکر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس زمانے کے وزیر تعلیم غلام محمد صادق مرحوم کو انہوں

نے اس کا مسوّدہ دکھایا اور صادق صاحب نے ایک ماہرِ ادب کو اس کے تاثرات جاننے کے لئے مثنوی اس کے حوالے کر دی لیکن والد صاحب نے سہل انگاری سے کام لیکر مسودہ حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی، لیکن آج ٹھیک چالیس سال کا طویل عرصہ گذرنے کے بعد پروفیسر غلام محمد شآد کی ادب شناسی، علم دوستی اور والدِ مکرم کے ساتھ ان کی عقیدت مندی کے سبب ''خطاب بہ کشمیر'' کا ایک بڑا حصہّ دستیاب ہوا، جس پر محترم و مکرّم شاد صاحب نے اپنے فاضلانہ تاثرات بھی قلمبند فرمائے ہیں۔ میں نے والد صاحب کی فارسی میں تحریر شدہ ایک سو چھیالیس اشعار پر مشتمل اس مختصر مثنوی پر لکھا ہوا مضمون ۳۱ سمبر ۲۰۰۶ء کو شاد صاحب کی قیام گاہ ''بیتُ العارفین'' میں وصول کیا تو اس موقع پر شاد صاحب بہت روئے اور میں نے محسوس کیا کہ ایک شاگردِ رشید پچاس سال گذرنے کے بعد بھی اپنے استاد کی محبت میں عقیدت و احترام کے آنسو بہا رہا ہے۔ شاد صاحب طبعاً سخت گیر قسم کی شخصیت کے مالک ہیں اور ان کو رُلانا معمولی بات نہیں، چنانچہ انہوں نے والدِ مکرم کے بارے میں اس موقع پر یہ بات بھی کہی کہ ''کاش میں نحوؔی صاحب مرحوم کی ہمسائیگی میں ہوتا میں روزانہ ان کے پاس جا کر علم و دانش کے جواہر پارے جمع کرتا''۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ ایک بار میں نے والد صاحب کو شآد صاحب کی ایک فارسی منقبت در مدح حضرت امیر کبیر میر سید

علی ہمدانیؒ کے چند اشعار سنائے تھے۔ والدِ مرحوم عش عش کرنے لگے اور اپنے نہایت ہی باصلاحیت شاگرد کی ذکاوت، ذہانت، نکتہ سنجی اور شعر گوئی پر انہیں دادِ تحسین دینے گے۔ قصبۂ بجبہارہ میں علم وادب کے ساتھ ہر عہد میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ علمی خاندانوں کے ساتھ ساتھ تجارتی گھرانوں میں بھی ہوتا چلا آیا ہے۔ والد مرحوم علم فقہ میں قصبے کے انتہائی شریف الطبع اور تقویٰ شعار عالم مفتی محمد عبداللہ مرحوم کی فقہی بصیرت کے قائل تھے۔ عربی زبان دانی میں محمد یوسف زیرک صاحب، علمی واقفیت میں مولوی نورالدین ناظمی صاحب مرحوم ،فنِ خطابت میں مولوی غلام رسول امام صاحب اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں مرحوم غلام نبی طورے صاحب کے زبردست مدّاح تھے۔ عموماً ہم عصروں میں چشمک کبھی کبھار حسد اور نخوت کی سرحدوں میں داخل ہو جاتی ہے، لیکن والدِ مرحوم کی زبان سے میں نے ایک بار بھی اپنے کسی ہم عصر کے بارے میں کوئی ایسا جملہ ادا ہوتے نہیں ہے سُنا، جس میں تضحیک، اِستہزا یا تحقیر کا کوئی پہلو موجود ہوتا۔ والد مرحوم کی خواہش تھی کہ مادرِ علمی بجبہارہ میں ایک دینی ادارہ قائم ہونا چاہیے تھا تاکہ اسلاف کی میراث کا تحفُّظ ہو، اس حوالے سے انہوں نے سن ساٹھ کے اواخر میں مرحوم محمد یوسف زرگر (عاشق اقبالؔ) کے مکان میں ایک شبینہ درسگاہ کا قیام عمل میں لایا تھا، جس میں نمازِ مغرب کے بعد پچاس کے قریب طلبہ قرآن و

حدیث کا درس لیتے تھے۔ کلّی تعاون و اشتراک کے فقدان کے سبب انہیں درس گوئی کا یہ سلسلہ ترک کرنا پڑا۔ مولانا مصفاؔ اور مولانا نحویؔ کی نجی ڈائریوں میں درس گوئی کے حوالے سے جو اندراجات موجود ہیں، ان کے مطابق ان دونوں بزرگوں نے بجبہارہ اور اس کے مفصلات میں علم و ادب بالخصوص علمِ دین کے حوالے سے گیارہ ہزار طالبانِ علم کی رہنمائی کی ہے۔ جو ایک ریکارڈ تعداد ہے۔ ڈائریوں میں ایسے اصحاب کے نام بھی درج ہیں جو عمر کے لحاظ سے والد مکرم سے پندرہ اور بیس سال زائد تھے۔

ملازمت سے سبکدوشی کے فوراً بعد کشمیر میں مسلح تحریک کا آغاز ہوا اور اس طرح والدِ مکرم گشت و خون کے دردانگیز واقعات سے کافی دل برداشتہ ہو کر تبلیغ و تدریس سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے تاریخ کے کسی بھی دور میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ ریڈیو اور اخبارات کی خبریں سن کر اور پڑھکر ان کا حسّاس شاعرانہ دل و دماغ رنجیدہ ہو جاتا تھا۔ وہ کشمیر کے مستقبل کے سیاسی حل کے لئے قائدین کی زبانی جمع خرچ اور اس مسئلے کو اُلجھانے والوں پر برہمی کا اظہار کرتے تھے۔ وہ اشکبار آنکھوں سے مسئلہ کشمیر کے پُر امن حل کی آرزو رکھتے تھے اور تشدّد، خونِ ناحق، اور ظلم و زیادتی کے بند ہونے کی دعا کرتے تھے۔ اسی پُر آشوب صورتِ حال میں والد صاحب جسمانی اعتبار سے

نحیف ہوتے گئے اور میں سال میں دو تین باران کا طبیّ معائینہ ریاست کے معروف معالج جناب غلام قادر علاقہ بند صاحب سے کرواتا تھا اور آنکھوں کا معائینہ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب (کرن نگر) سے کراتا تھا اور یہ دونوں ماہرینِ فن بڑی دلچسپی سے والد صاحب کے دوادارو کا اہتمام کرتے تھے۔ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں نحافت بڑھتی گئی مگر حافظہ برابر قائم ودائم تھا۔

اس دوران انہوں نے مجھے کئی نصیحتیں اور وصیتیں کیں، چنانچہ نصیحتوں میں رزقِ حلال، نیک نامی اور خدا ترسی پر زور دیا اور وصیتوں میں ایک وصیت یہ بھی تھی کہ "عمر کی اس منزل میں مجھے ہسپتالوں میں "طبیّ تجربات" کے لئے تختۂ مشق نہ بنانا، جو بھی ہوگا، گھر پر ہی انجام بخیر ہو"۔ ۷ر نومبر ۲۰۰۵ء سے ۱۱ر نومبر ۲۰۰۵ء جمعتہ المبارک کی صبح تک وہ مکمل طور بستر میں لیٹے رہے اور ۱۱ر نومبر کو اذانِ سحر کے ساتھ ان کی روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ میں نے اس موقع پر ان کے نُورانی چہرے کو چوما اور پھر چند منٹ اپنا ماتھا ان کے قدموں پر رکھا۔ بغیر آہ وبُکا اور سینہ کوبی کے اس عالمِ بے بدل کو ربّانی کلمات کے ورد سے الوداع کہا اور ٹھیک گیارہ بجے صبح ان کے جسدِ خاکی کو ابدی آرام کے لیے مدفون کیا گیا۔ اللہ ان کی تربت پر بارشِ انوار کرے اور جو ان سے دانستہ یا نادانستہ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں انہیں مغفرت فرمائے۔

والد بزرگوار وفات سے پندرہ دن پہلے قدرے غنودگی کی حالت میں بار بار کہتے رہے کہ آج کون سی تاریخ ہے؟ میں نے عرض کیا آج اتوار ہے۔ فرمایا جمعہ کب ہے؟ میں نے کہا ابھی پانچ دن باقی ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے میری بے چینی بڑھ جاتی تھی۔ چنانچہ جمعہ کے دن کی برکت وفضیلت کا اختصاراً تذکرہ کیا اور اس طرح یُوم الجمعہ کی صبح کو والد مکرّم راہیٔ ملکِ عدم ہوگئے۔ آپ کے وفات کے بعد میرے غریب خانے پر عوام اور خواص کا ازدحام رہا اور ان علمی، دینی، ادبی اور تدریسی خدمات کا ذکر خیر ہوتا رہا۔ راقم نے اپنے اوپر ایک اخلاقی ذمہ داری کو قبول کرتے ہوئے انکی بے ریا علمی زندگی کا ایک مختصر سا جائزہ کتابی شِکل میں پیش کرنے کی کوشش کی۔

مولانا غلام رسول امام
بجبھاڑہ

مولانا نحویؔ ـــ اپنی ذات میں بے مثال

گذشتہ سال قصبہ بجبھاڑہ کی بلند قامت شخصیت حاجی الحرمین مولانا غلام حسن نحویؔ صاحب ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ اُن کے جانے سے نہ صرف راقم کو بلکہ پورے قصبہ بجبھاڑہ اور گردونواح کے غیور عوام کو بھی رنج وقلق ہوا ہے۔

فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین" کے تحت اللہ نے اُنہیں خیر کثیر سے نوازا تھا۔ کہاں تک اُن کے فکری اور علمی کمالات کا ذکر کیا جائے۔ جس جہت سے دیکھیں آپ کی ذات اپنے آپ میں بے مثال نظر آتی ہے اپنے تو اپنے غیر بھی ان کی وسعتِ علمی، جودت طبع، قوتِ تخلیق، ژرف نگاہی، بلند فکری اور علم وآگہی کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

راقم کو مولانا نحویؔ کے خاندان سے دو طریقوں سے وابستگی رہی ہے۔

ایک تو یہ کہ میں بھی قصبہ بجبہاڑہ میں ہی رہتا ہوں اور دوسری یہ کہ میں نے اپنے بچپن میں ابتدائی تعلیم کی کتابیں مثلاً منیۃ المصلین بدائع منظوم گلستان و بوستان مرحوم و مغفور کے والد گرامی اُستاد و مرّبی مرحوم غلام مصطفیٰ مصفا صاحب سے پڑھی ہیں اور کچھ سال بعد میں نے مرحوم غلام حسن نحوی صاحب سے سورۃ البقرہ کی تفسیر پڑھی اور اس کے بعد میں نے مدینۃ العلوم حضرت بل میں داخلہ لیا۔ جہاں سے راقم نے مولوی فاضل کیا اور فراغت کے بعد میں نے شعبۂ تعلیم میں ملازمت حاصل کی۔ میری پہلی Posting بانڈی پورہ ہائی اسکول میں ہوئی۔ اس کے کئی سال بعد میرا تبادلہ Govt. Middle School بجبہاڑہ میں ہوا اور مرحوم بھی اسی سکول میں بحیثیت اُستاد کام کر رہے تھے۔ اگر چہ اسکول کے دوران کئی ایسے مسائل بھی درپیش آئے جہاں اختلاف ہو سکتا تھا مگر مجھے یہ کہنے میں جھجک محسوس نہیں ہو رہی ہے کہ مرحوم نے افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر ایک معتدل اُستاد ہونے کا ثبوت دیا۔ پھر میری Posting دُور ایک گاؤں میں ہوئی ۔کچھ سال وہاں گذار کر میں گورنمنٹ مڈل اسکول بجبہاڑہ میں دوبارہ آ گیا یہاں میں مرحوم نحوی صاحب کے ساتھ مسلسل تین سال رہا۔ اُن کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے اُن کو نہایت شریف النفس اور ملنسار پایا۔

نحوی صاحب کو فقہ کے باریک مسائل پر گہری نظر تھی اور یہ فقہی بصارت

اُن کے دل پذیر علمی مواعظ سے بھی جھلکتی تھی۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ وہ بار بار اساتذہ اور طلبہ کو نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے اور ساتھ ہی جو خواہشمند اُستاد ہوتے ان کو Vacant Period کے دوران قرآن پڑھاتے تھے۔ اُنہیں ہمیشہ یہ فکر رہتی تھی کہ کیسے ان لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم سے آراستہ کیا جائے جو ابھی اس نور سے محروم ہیں۔

جہاں علم و عمل کا امتزاج ہے وہاں روحانیت کا وجود لازمی امر ہے۔ مرحوم نحویؔ صاحب کو اللہ نے روحانی سکون اور اطمینان سے نواز رکھا تھا توجّہ اِلی اللہ ان کی زندگی کا ایک انتہائی تابناک پہلو ہے۔

مرحوم ایک جیّد عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پُر مغز شاعر بھی تھے۔ وہ اکثر مجالس سیرت النبی ﷺ میں کوئی نہ کوئی نئی نعت ضرور پڑھتے، جس میں وہ نبی پاک ﷺ کے تئیں اپنی عقیدت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ایک دفعہ مسلم اساتذہ کی کانفرنس سرینگر میں ہوئی تو مرحوم و مغفور نے وہاں ایسی انقلاب انگیز نظم پڑھی، جس میں اساتذہ اور خاص کر مسلمانوں کے ساتھ ہوئے مظالم اور ان کے رنج و غم کی تصویر کشی دیکھنے کو ملتی تھی۔ جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے اس کا ایک شعر مجھے اب بھی یاد ہے۔

میہ چھاوُنہِ واسۂ کا کس گاسہ گڈتھ دین

میہ چھاوَنہِ راز دانس بانہ مانجن

اس نظم میں طنز و مزاج دونوں چیزوں کا امتزاج ہے اور تمام اساتذہ اس سے متاثر ہوئے تھے۔ ان کی تنقید ہمیشہ اصلاحی ہوا کرتی تھی۔ آپ نے کبھی بھی مخالفین کو بُرا بھلا کہہ کر ان کی دل شکنی نہیں کی بلکہ آپ ہمیشہ اپنے موقف کو ٹھوس دلیل اور انتہائی شائستگی سے ثابت کرتے تھے۔

نحویؔ صاحب کی شخصیت کا ایک اور تابناک پہلو اُن کی اِنکساری ہے۔ یہ ہر انسان میں دیکھنے کو نہیں ملتی بلکہ چند ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اللہ اس دولت سے نوازتا ہے اور نحویؔ صاحب ان ہی میں سے ایک ہیں جن کو اس حقیقی عظمت سے نوازا گیا تھا۔

اُن کے مسائل سمجھانے کا انداز پیارا، سہل، دل میں اثر کرنے والا تھا۔ میں نے اکثر و بیشتر اُن کو دوسروں کو مسائل سمجھاتے دیکھا ہے۔ وہ واقعہ میں سے واقعہ اور دلیل میں سے دلیل نکال کر ایسے جواب دیا کرتے تھے۔ جس سے سننے والے کو تشفّی ہوتی۔ ان کا یہ منفرد انداز اُن کے وعظ و تبلیغ میں بھی بدرجہ اَتم موجود ہوتا تھا۔ اُن کی صلاحیتیں بے شمار تھیں اور اُن کے فضائل کا احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ مختصراً ان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

پروفیسر محمد عبداللہ شیدا

تذکرہ خواجہ غلام حسن نحویؔ (مرحوم)

ارض کشمیر میں فارسی زبان وادب کی تاریخ اور روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی یہاں اسلام کی آمد اور اس کی تاریخ ہے۔ جب یہ خطہ زمین نور اسلام سے منور ہوا تو اس کے ساتھ ہی یہاں عربی اور فارسی زبان کا استعمال بھی شروع ہوا۔ چونکہ خطہ کشمیر میں دعوتِ اسلامی کے اولین داعی بیشتر وہ اصحاب علم وفضل تھے جن کی اپنی زبان فارسی تھی اور انہوں نے یہاں اسلامی علوم کا تعارف اسی زبان کے ذریعے کر دیا اور بہت کم عرصے میں اس زبان نے سرزمین کشمیر میں اپنی جڑیں مضبوط کر لیں۔ علم وفضل کی ترویج وترقی کے ساتھ ساتھ فارسی زبان وادب کی توسیع بھی اس حد تک پہنچ گئی جہاں اسے بجا طور پر ایران صغیر کہا جانے لگا۔ فارسی زبان کی جو پذیرائی خطہ کشمیر میں ہوئی اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ پھر جو نابغہ روزگار علماء، شعراء، صوفیا اور قلم کار اس سرزمین میں پیدا ہوئے اور باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے انہوں نے علم وفن اور شعر وادب کے ہر میدان

میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے یہاں تک کہ خود ایرانی فنکاروں سے داد تحسین حاصل کی۔

ملاّ محسن فانی، شیخ یعقوب صرفی، ملاّ طاہر غنی، بابا داؤد خاکی محض چند نام نہیں ہیں بلکہ یہ ایک طویل سلسلے کی چند نمایاں کڑیاں ہیں۔ ہمارے فارسی اساتذہ، شعراء اور علماء کی فہرست اتنی طویل ہے کہ جس کا ایک مختصر مقالہ میں احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ہمارے عروج کا زمانہ تھا، جب فارسی زبان وادب کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ معاشی، معاشرتی، دینی اور ثقافتی مسائل ومعاملات اسی زبان کے ذریعے حل ہوتے تھے۔ لیکن زمانہ بدل گیا کیونکہ

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

نیا زمانہ، نئے تقاضے لیکر آگیا۔ قدریں بدل گئیں، ترجیحات بدل گئیں، خوب وناخوب کا معیار بدل گیا، ہر چیز کو اس کے مادّی اور افادی نقطہ نظر سے دیکھا جانے لگا۔ فارسی کی جگہ انگریزی اور اردو نے لے لی فارسی زبان جو کبھی سکۂ رائج الوقت تھی اب زرکم عیار قرار پائی۔ اگرچہ اس گئے گذرے دور میں بھی فارسی زبان وادب کی روایت تو کمیاب تھی مگر نایاب نہیں تھی۔ خال خال فارسی زبان وادب کی آبیاری کرنے والے ادیب، علماء اور شعراء اپنے جوہر قابل کا لوہا

خود فارسی کے اہل زبان سے منواتے رہے شمس الدین حیرت کاملی۔ پیر عبد القادر آثم، سید مبارک شاہ فطرت اور ان کے بہت سے ہم عصر اور قریب العصر دوسرے کئی ایسے نام جنہوں نے اپنے رشحاتِ قلم سے خطۂ کشمیر کے شاندار ماضی کی یاد تازہ کردی۔

فارسی زبان و ادب کے اسی موقر پس کارواں کے ایک رکن ہمارے ایک دیرینہ رفیق خواجہ غلام حسن نحویؔ مرحوم جو ۱۱ر نومبر ۲۰۰۵ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ تمام عمر درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور علم و ادب کی خدمت کرتے رہے۔ نہ نام و نمود کی خواہش اور نہ مال و زر کی طلب۔

مرحوم غلام حسن نحویؔ صاحب سے میں پہلی بار ۱۹۶۴ء میں متعارف ہوا۔ ہندوستان میں ایرانی سفارت خانہ کی طرف سے سرینگر میں فارسی زبان کے اساتذہ کو جدید فارسی کی تربیت دینے کے لئے ایک ورک شاپ کا اہتمام کیا گیا۔ ناظمِ تعلیمات نے فارسی پڑھانے والے اساتذہ کو جدید فارسی کی تربیت حاصل کرنے کے لئے اس سمینار میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ کالج آف ایجوکیشن میں اس تربیت کا اہتمام کیا گیا۔ میں چونکہ کالج آف ایجوکیشن میں بحیثیت استاد کام کرتا تھا اس لئے مجھے اس کا کنوینیر مقرر کیا گیا اور اس طرح کوئی بیس فارسی اساتذہ کی کلاس شروع کی گئی۔ ایرانی سفارت خانہ کی طرف سے ایک خاتون خانم پروانہ کاردوش، معلّمہ کے فرائض انجام دیتی تھیں اور آقائے ایرج نقیبی ان

کے معاون کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

اسی اجتماع اساتذہ فارسی میں پہلے ہی دن ایک صاحب علم شخصیت نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ دبلے پتلے جسم، میانہ قد، نورانی چہرے پر سیاہ ریش، سر پر عمامہ اور زبان میں شیرینی اور حلاوت گفتگو میں علمی وقار اور متانت یہ تھے۔ غلام حسن نحویؔ صاحب جن سے پہلی ہی ملاقات میں میں بہت متاثر ہُوا۔ ہماری یہ ہم نشینی اور مصاحبت ایک مہینے تک جاری رہی اور خانم پروانہ کاردوش سے فارسی زبان وادب کی جدید اصطلاحات، محاورات اور مباحث کا سلسلہ جاری رہا۔ جن میں نحویؔ صاحب کے سوالات و مذاکرات اور زبان و ادب کے مسائل پر معلومات افزا گفتگو سے انتہائی دلچسپ ماحول پیدا ہوتا۔ اسی دوران نحویؔ صاحب نے اپنی ایک نظم شاعر جس کا عنوان تھا خطاب بہ خواہر ایران از برادرِ کشمیر۔

اس طرح جدید فارسی کی تربیت کے ساتھ ساتھ شرکاء اجتماع کا باہمی مباحثہ اور محاورہ بھی جاری رہتا اور ہم ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے اور ایک دوسرے کی صلاحیتون سے آگاہی حاصل کرتے رہے اور نحویؔ صاحب کی ذات اس سلسلے میں مرکزی حیثیت کی حامل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ ہماری یہ رفاقت مختصر رہی لیکن میرے دل میں ان کے تیئں عزت واحترام کے جذبات ہمیشہ موجود رہے۔ وہ فارسی زبان کے ایک مسلمہ استاد ہی نہ تھے بلکہ فارسی کے

ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ فارسی کے علاوہ اردو اور کشمیری زبان پر بھی دستگاہ رکھتے تھے۔

نحویؔ صاحب کا تعلق بجبہاڑا کے ایک علمی خاندان سے ہے جو اپنے علم و فضل، درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے لئے بہت مشہور اور معروف رہا ہے۔ شعرو شاعری سے شغف بھی انہیں اپنے با کمال اسلاف سے وراثت میں ملا ہے۔ چنانچہ ان کے والدِ مکرم غلام مصطفٰے مُصفاؔ، ایک قادر الکلام اور بدیہہ گو شاعر تھے۔ انہوں نے تاریخ الانبیاء کے نام سے ایک طویل مثنوی لکھی ہے جسکی اب تک تین جلدیں چھپ چکی ہے۔ اس میں ان تمام پیغمبران کرام کا تذکرہ ہے جن کا قرآنِ کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ اُسکے علاوہ گلشن مصفّاؔ کے نام سے ان کا ایک مجموعہ کلام بھی چھپ چکا ہے۔ جس میں نعتیہ کلام کے اعلٰے نمونے پائے جاتے ہیں۔

غلام حسن نحویؔ صاحب اپنے اسلاف کے خلف الصدق تھے۔ انہوں نے فارسی، اردو اور کشمیری تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے جس کا بیشتر حصہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے نحویؔ صاحب کا شعرو شاعری میں دوسروں سے الگ اپنا ایک خاص مسلک ہے وہ نام ونمود اور شہرت سے دور بھاگتے تھے۔ داد تحسین سے بے نیاز اور انجمن آرائی سے کنارہ کش، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور تربیت

اخلاق ان کا روزمرہ کا معمول تھا شعر کو انہی مقاصد عالیہ کی آبیاری کا ذریعہ جان کر مشاعروں اور عام ادبی محافل سے مجتنب رہتے تھے اِلّا ماشاءاللہ۔

آپ کی جولانی طبع کا اصل میدان فارسی تھا۔لیکن فارسی کا حلقۂ اثر نہ صرف محدود بلکہ نابود ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اردو اور کشمیری کا چلن عام ہو چکا تھا ۔فارسی میں فکر سخن کرنے والے کمیاب بلکہ نایاب ہو چکے تھے۔

اس لئے میرے خیال میں وہ اپنے عصر کی کورذوقی سے دل برداشت ہو کر لذتِ کنج خمول سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔کیونکہ

ہر کس کہ یافت لذت کنج خمول را
پادر گلیم و دست ز آوازہ می کشد

فارسی شاعری سے ان کے شغف اور ان کی طبعی مناسبت کا اندازہ ان کی مثنوی ''خطاب بہ کشمیر'' کے مطالعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔یہ ۱۲۰ اشعار پر مشتمل مثنوی ان کی قادرالکلامی ،ندرت فکر بلند تخیل کا بہترین نمونہ ہے۔اس مثنوی میں نہ صرف کشمیر کے قدرتی حسن وجمال کی تعریف کی گئی ہے بلکہ اس کا اصل موضوع کشمیر کی علمی اور ثقافتی تاریخ اور اس کی دینی اور روحانی اقدار کا ان کے تاریخی تناظر میں تذکرہ ہے اور اس طرح تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے عروج و

زوال کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

(خطاب بہ کشمیر) کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ یہ سرزمین ایک گلشن گیتی نواز جس پر اشیاء کو ناز ہے اور جس سے مشرق و مغرب نے فیض پایا ہے۔

جاوداں اے گلشن گیتی نواز
سرزمین ایشیا را برتو ناز

مشرق از حسن نگاہت سربلند
گشتہ مغرب از فیوضت بہرہ مند

خوانِ نعمت بہر عالم ذاتِ پاک
گستر انیدہ زتو بر فرشِ خاک

اس طرح اس سرزمین بے نظیر اور دل پذیر کی قدر سنجی کرتے ہوئے اہل نظر کی کشمیر شناسی کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

قدرِ تو اہل نظر بشناختند
چشم ہا در راہ تو انداختند

دُرِّ مدحت حضرت عرفی چہ سُفت
در ثنایت ہر چہ گفت وراست گفت

سوختہ جاں گر رسد مرغ کباب
در فضایت بال و پَر پا بدشتاب

اشارہ ہے عرفی شیرازی کے اس شعر کی طرف

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر درآید
گر مرغِ کباب است کہ بے بال و پرآید

''کشمیر'' کے پانچ حروف (ک۔ش۔م۔ی۔ر) سے اس کے پانچ اوصاف کا استخراج ایک خوبصورت تعلیل پیش کرتے ہیں جس سے اس کی معنویت اور دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔

از کمال شہرت و محبوبیت
یمن و راحت پنج و صفِ خوبیت

کز نختین روزِ دادارِ عزیز
ساخت نامت مجمع ، ایں پنج ، چیز

عالمے راسوئے تو تسخیر شد
نام تو از دلکشی کشمیر شد

گویا کشمیر کے وجہ تسمیہ میں پانچ اوصاف کی کارفرمائی ہے اور وہ پانچ اوصاف ہیں۔کمال،شہرت،محبوبیت،یُمن اور راحت۔

اسی طرح کشمیر کے آب وہوا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چوں دم عیسیٰ نسمیت جانفزا
زندگی حاصل ز آبت خضررا

یعنی یہاں کی آب وہوا میں دمِ عیسیٰ کا اثر ہے اور پانی میں آب حیات کا۔

پھر کئی اشعار میں یہاں کے قدرتی مناظر کا ذکر کرتے ہوئے کشمیر کے

اضطراب اور انقلاب (بلکہ بدنصیبی) کی وجہ اس کے حسن و جمال کو قرار دیتے ہیں جس کے باعث ہر کوئی اسے اپنے تصرّف میں لانا چاہتا ہے۔

آب شیریں جوئے گل فصلِ بہار
زندگی بخشندہ باد خوشگوار

ایں ہمہ کیفیت وشانِ جلیل
آمدہ بردعویٰ حسنت دلیل

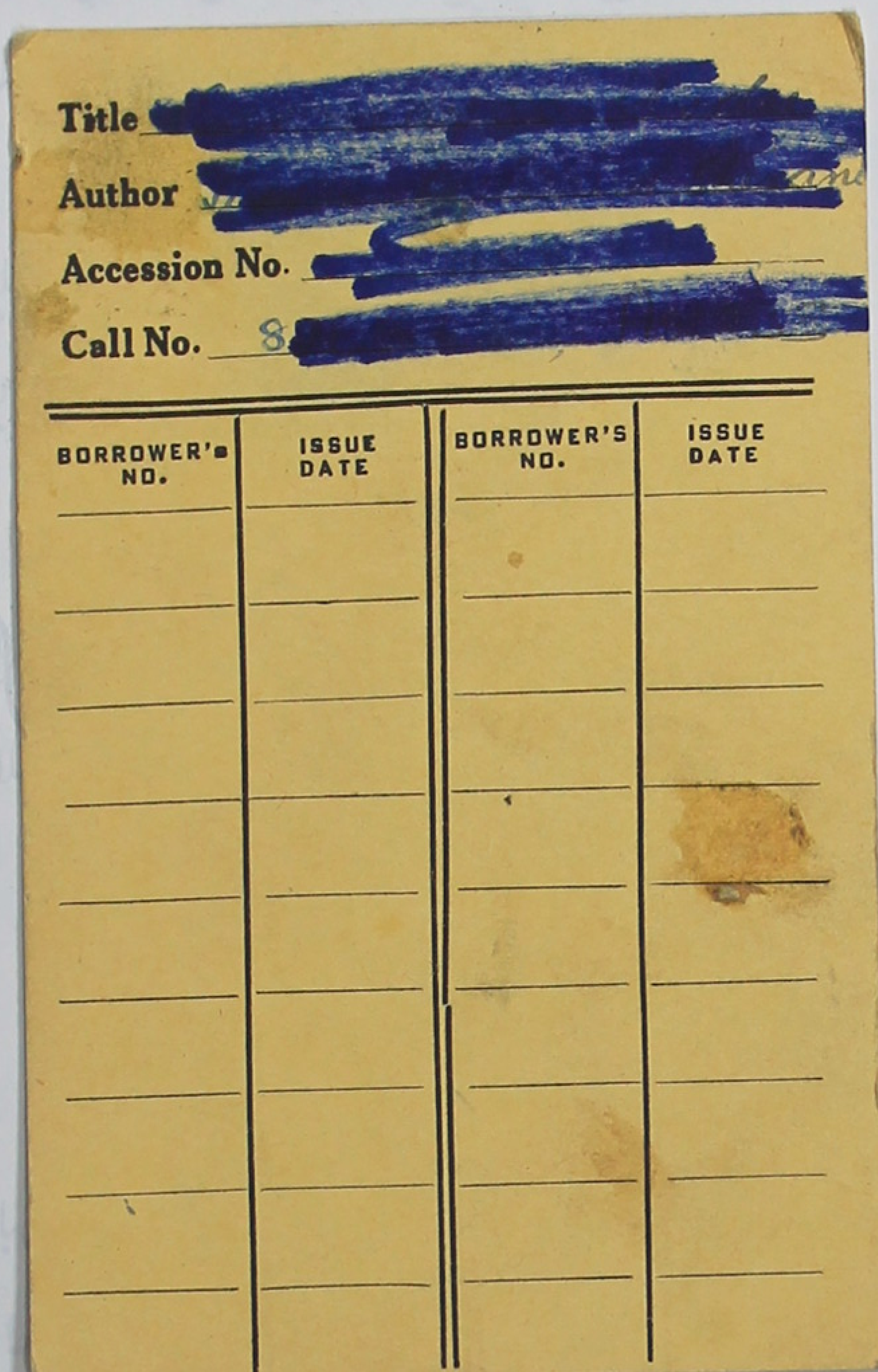
خوبی تو شد دلیل اضطراب
حسنِ تو شد باعثِ صد انقلاب

دیدۂ آغاز ہا انجام ہا
مدّ و جزر گردش ایام ہا

''خطاب بہ کشمیر'' پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ مختصر مثنوی کشمیر کی تہذیبی اور سیاسی تاریخ کا منظوم احاطہ کرتی ہے اور مثنوی نگار کے قدرت بیان کا منہہ بولتا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

حصہ سوم

گوشۂ پیغامات



Title [redacted]

Author [redacted]

Accession No. [redacted]

Call No. [redacted]

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

پروفیسر غلام محمد شاؔد

بیادِ آقائی خواجہ غلام حسن نحوؔی مرحوم

بروفات استاذی مرحوم ۸ شوال ۱۴۲۶ھ ۱۱ نومبر ۲۰۰۵ء

اَلسّلام اے نحوؔی استادِ من
بعد مدّت تازہ کردی یادِ من

آفریں اے عالِم روشن ضمیر
تشنگانِ علم را ابرِ مطیر

غالب آخر وقت آجلی شدہ
مسندِ علم و ادب خالی شدہ

صرف و نحو و علم بُد کالائے تو
اے چہ رفتی گشت خالی جائے تو

طالبانِ علم را، ادریسؒ وار
درس تو بُد فیضِ ربِّ کردگار

اے غموضِ علم را کردی بیان
باہمہ: تفصیل و تشریح و بیان

سینہ تو از قرآں پُر نور بود
وز حدیث مصطفیٰؐ معمور بود

قلبِ تو از علم مالا مال بود
کارِ تو تبلیغ دیں مازال بود

مدحِ محبوبؐ خدا، گفتار تو
ذکرِ اصحاب نبیؐ تذکارِ تو

اے کہ بردی بر ہمہ قصبُ السبق
سینۂ ات گنجینۂ آیاتِ حق

ذوق و شوق علم بُدسامانِ تو
جاگزیں حُبّ نبیؐ درجانِ تو

فضل بر تو مبدء فیّاض کرد
فکرِ تو بہر قرآں متقاض کرد

ازاَب و جَد وارثِ مجدوشرف
دُرِّمکنونی تو بودی درصدف

آخراز دنیائے دوں کردی سفر
سوئے حق بادوست ایماں اثر

بارش انوارِ رحمت زِآسماں
تربتت را باد نازل ہر زماں

جائے تو در جنت الفردوس باد
روح تو در ہر دوعالم شاد باد

پروفیسر حامدی کاشمیری
سابق وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی

محبّی پروفیسر نحوؔی صاحب

آج یہ المناک خبر سنی کہ آپ کے والد بزرگوار رحلت کر گئے ہیں۔ مجھے اور میری اہلیہ کو بہت افسوس ہوا، میں مرحوم سے مل چکا ہوں، اور مجھے پہلی ہی ملاقات میں اُن کی نجابت، صلاحیت، متانت اور حسنِ خلق کا اندازہ ہوا تھا، آپ کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کو مع افرادِ خانہ یہ صدمہ برداشت کرنے کی طاقت عطا کرے۔

داغ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے
(غالبؔ)

مفتی محمد بشیر الدین
مفتی اعظم، جموں کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز مکرم نحویؔ صاحب، ابقا کم اللہ و عافاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا ابوالکلام آزاد کے یوم وصال پر آپ نے پیام صبح کے پروگرام میں جس انداز بیان سے اپنے تاثّرات اور مولانا کی زندگی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا وہ منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ دلکش، دلرُبا اور دل نشین تھے۔ اس میں مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ مولانا آزاد کی شخصیت ہمہ جہت، پُرکش تھی اور علوم وفنون کا سنگم اور عظمت و بلندی کی ایک علامت تھی۔ ''اللہ آپ کو دے زور بیان اور'' یہ خط لکھنے کی تیاری میں مصروف تھا کہ ایک مخلص ساتھی نے اندر آنے کی اجازت مانگی اور وہ اندر آگئے اُن سے محو گفتگو ہوا تو باتوں باتوں میں آپ کا تذکرہ بھی ہونے لگا تو اُنہوں نے مجھے آپ کے والد بزرگوار کے انتقال پُرملال کی خبر سنائی انّا للہ وانّا الیہ راجعون انتہائی دُکھ اور صدمہ لاحق ہوا اور دُکھ زیادہ اس بات پر ہوا کہ میں بذات خود آپ کے دولتکدہ پر حاضر نہ ہوسکا بہرحال میں معذرت خواہ ہوں۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے والد بزرگوار کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے۔ آمین

عبدالرحمان مُخلصؔ
سیر جاگیر، سوپور

گرامی قدر جناب نحویؔ صاحب سلام مسنون

آپ کے والد صاحب کے وصال کی خبر ڈاکٹر گنائی صاحب سے سُنی۔ صدمہ پہنچا۔ میں آپ کا شریکِ غم ہوں اور دست بدُعا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ اُنہیں غریقِ رحمت فرمائے اور آپ کو یہ صدمہ سہنے کی ہمّت عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ علم و آگہی کا سمندر ہیں اس لئے یہ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا کہ ہم سب راہِ فنا کے مسافر ہیں، اس لئے موت و حیات سے خائف رہنا کوئی خاص وزن نہیں رکھتا۔ کسی کو مرگِ خوش انجام نصیب ہو تو وہ مقدّر کا سکندر ہے۔ مرحوم کو آپ جیسا نیک بخت فرزند مِلا تھا اس لئے اُن کے مرگ خوش انجام میں مجھے کوئی شک نہیں۔ بقولِ سیمابؔ اکبرآبادی ؎

زندگی تو ہے ازل سے تا ابد
مرگِ خوش انجام کی باتیں کر

مفتی ضیاء الحق ناظمی

بجبہاڑہ

الحمد الله رب العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علی سید المرسلین ﷺ

قال علیہ الصلوٰۃ و السلام: زُیِّنَ السماءُ بِثلاثٍ بِالشمسِ و القمرِ والکواکب وزین الارض بثلاث بالعلماء والمطرِ و السلطان العادل

قصبۂ بجبہاڑہ کو اگر تاریخ کے آئینہ میں دیکھا جائے تو ہر دور میں شرف و امتیاز کا حامل رہ چُکا ہے۔ ہندو دور میں کشمیر کی قدیم راجدھانی یہی قصبہ رہا ہے، اور اسکے بعد مسلم عہد میں علم اور علماء کے تعلق سے ریاست بھر کے اطراف و اکناف میں یہ قصبہ ایک اپنا خاص مقام حاصل کر چکا ہے۔ اس تاریخی قصبہ نے بڑے بڑے عابد وزاہد، متقی، مشائخ، عُلما اور خطباء کو جنم دیا ہے۔ جنہوں نے اپنے اپنے دور میں لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے آشنا کیا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔

اس قصبہ میں نحوؔی خاندان کو علوم شرقیۂ اسلامیہ کے تعلق سے ایک منفرد اہمیت، خصوصیت اور انفرادیت حاصل ہے۔ علوم شرقیۂ اسلامیہ میں علم صرف ونحو، تفسیر، علمِ حدیث، منطق، فقہ، علم الکلام وغیرہ اس خانوادہ میں دوسرے

علمی خاندانوں اورخانوادوں کی طرح نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا آیا ہے۔

مرحوم غلام حسن نحویؔ صاحب نہایت ہی ذہین و فطین، صاحب تدّ بر و صاحب تفکّر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی شریف الطبع ،منکسر المزاج اور شریں بیاں مبلّغ گذرے ہیں اوراپنے والد مرحوم کے حقیقی علمی وارث تھے۔مرحوم غلام حسن نحویؔ اپنی زندگی میں بحیثیت ایک بہترین مُعلّم ،ایک بہترین واعظ و مُبلّغ کے رموز و معارفِ قرآن سے لوگوں کو واقف کراتے رہے۔اور اپنی زندگی میں اصول وقواعدِ شرعیہ کے حوالہ سے علماء ومفتیانِ متقدمین کے فتاویٰ کے ہی قائل رہے۔اوراس تعلق سے کبھی سمجھوتہ نہ کیا اور عزیمت کا ہمیشہ مظاہرہ کیا اور مختلف اوقات میں باطل نظریات کے خلاف ایک مضبوط دیوار بنکر کھڑے رہے۔

مرحوم کے تحریری کارنامے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں ۔مرحوم کی وفات سے نہ صرف قصبہ بجبہاڑہ میں بلکہ پوری ریاست میں ایک علمی خلا پیدا ہوگیا جو پورا ہونا بہت ہی مشکل لگتا ہے۔

سلام الدین شاہ

ایڈیٹر ''ظہورِ اسلام''

محترم ڈاکٹر بشیر احمد نحوؔی صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کی وفات حسرت آیات کی خبر مجھے ۱۵ نومبر کے سرینگر ٹائمز میں چھپے آپ کے کلمات ''اظہار تشکّر'' سے ہوئی۔ نہایت ہی رنج و افسوس ہوا۔ مولانا مرحوم کے ساتھ میری ایک ہی ملاقات ہوئی تھی جب وہ سفر محمود سے تشریف لائے تھے۔ اس مختصر سی ملاقات سے ہی مجھے انکی علمی و روحانی شخصیت نے بے حد متاثّر کیا تھا۔ اور یہ خواہش ہمیشہ رہی کہ ان کے ساتھ دوبارہ ملاقات کا شرف حاصل کروں اور میری یہ خواہش تشنۂ تکمیل ہی رہی اور یہ شرف حاصل نہ کر سکا۔ آج اُنکے انتقال پُر ملال کی خبر نے یہ شرف حاصل کرنے کی اُمید بھی ختم کردی۔ ایسی شخصیت کی موت ایک فرد کی موت نہیں بلکہ ایک دُنیا کی موت ہوتی ہے۔ فرمایا گیا ہے موت العالِم موت العالَم لیکن کیا کیا جائے قانون فطرت ہے کُلّ نفسٍ ذایقۃُ الموت، ہر مُتنفّس کو موت کا مزہ چکھنا ہی ہوتا ہے۔ بقول شاعر

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، قانون الٰہی کے مطابق ہم سے جُدا ہوتے ہیں، مگر وہ مرتے نہیں ہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں، ولکن لا تشعرون، اُن کی زندگی ہمارے فہم وشعور سے بالاتر ہوتی ہے۔ آپ ایک ماہر اقبالیات ہیں حکیم الاُمت علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے اس شعر میں اسی زندگی کو بیان فرمایا ہے ؎

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

اس زندگی کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ کیا ہے، فروح" وریحان و جنت النعیم۔ مرحوم واقعی اسی زُمرہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین کا مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

حکیم منظور (مرحوم)

برادر بہ جان برابر

ہم سب آپ کے والدِ گرامی کی رحلت پر آپ کے رنج و غم میں برابر کے شریک ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ مرحوم کو آپ سے اور آپ کو مرحوم سے کتنی محبت اور قُربت تھی۔ آپ پوری زندگی آج تک اُن کی خدمت میں حاضر رہنے کی سعادت حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔ محفل چاہے کوئی تھی تقریب کی نوعیت بے حد اہم سہی، آپ پرندے کی طرح اُڑ کر اپنے آشیانے میں اپنے والدین کی آغوش کی گرمی حاصل کرنے کے لئے بجبہاڑہ پہنچ جاتے تھے۔ بہرحال مرحوم زندگی کے انجام کو اِس حالت میں پہنچے کہ اُنہیں ''نفس مُطمئنہ'' کے زمرے میں شامل سمجھا جاسکتا ہے اور آپ نے اُن کی ایسی خدمت کی کہ آپ صاحب ایمان ہو گئے۔ اللہ آپ سب کو والدِ گرامی کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔ یہ زخم بھر تو جائے گا مگر اس کا داغ ہمیشہ تازہ رہے گا۔

اِدھر آپ نے جب ٹیلیفون پر والدِ گرامی کی طبیعت میں انتشار کی خبر سُنائی میں رابطہ قائم کرنے کے سو جتن کرتا رہا۔ آپ نے دونوں ٹیلیفون ''سوچ آف'' کر کے رکھے تھے۔ آپ کے دوستوں نے آپ کے بارے میں کچھ بھی جاننے سے انکار کیا۔ آخیر میں مروائس چانسلر کے دفتر میں کسی غلام نبی صاحب

سے رابطہ قائم ہوا۔ مگر اُس نے بھی آپ کے والِد کے بارے میں کوئی خبر ہونے سے اِنکار کیا۔ قیوم صاحب نے بھی جانکاری رکھنے سے انکار کیا۔ پھر نہ جانے کِس بندہ خدا نے اطلاع دی کہ بڑے نحویؔ صاحب رحلت فرما گئے۔ بہر حال گھر میں فرداً فرداً میرے رنج وغم کا اظہار پہنچا دیجئے ہوگا کچھ نہیں کم از کم قُربت اور ہمدردی کا احساس زندہ ہو جائے گا۔



آہ! خواجہ غُلام حسن نحویؔ

در علومِ شرقیہ ماہر، معلّم، نامور
نیک فرزندِ مصفّاؔ در نحو بُد باخبر

روزِ آدینہ شوال ہشتم نقل اکمل سنّش
''کامِل شیرین سخنداں'' سال رحلت ہم شُمر

جمعتہ المبارک ۸ شوال المکرّم ۱۴۲۶ھ

خراج عقیدت منجانبِ
حاجی محمد عبداللہ قادری اسلام آباد

ماسٹر بشر بشیر

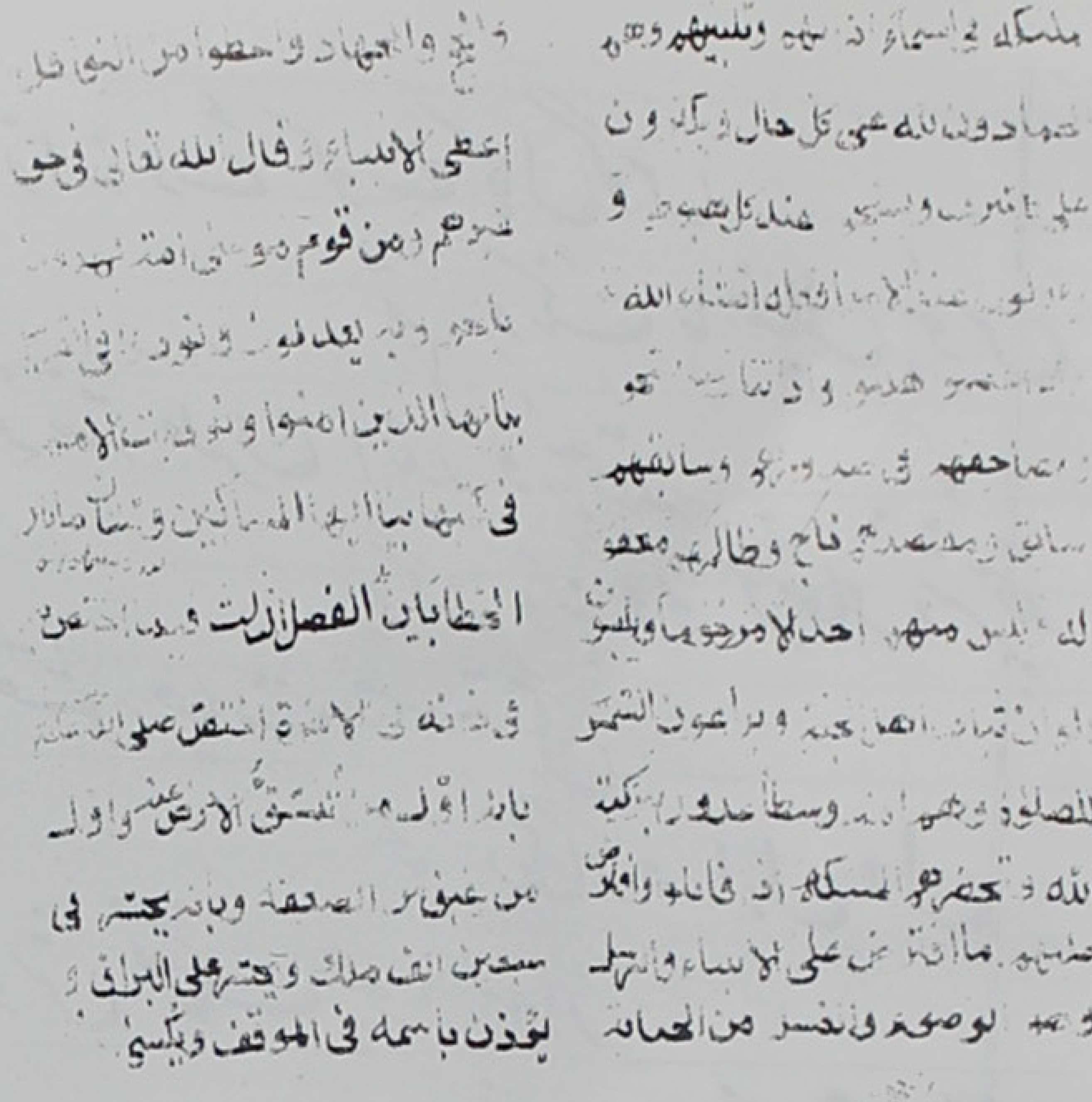
ہائی اسکنڈری لتر شاہورہ

خراج عقیدت

باز آ اے ترجمانِ دین خالص، خود نگر
تیرے پروانے نہ بھٹکیں گہہ اِدھر گاہے اُدھر

محفلیں لگتی ہیں اب بھی جمعہ ہو عیدین ہو
پُر تشفّی کاہے کو اے عالم روشن نظر

[illegible]



نوٹ:

والد صاحب فنِ خوش نویسی میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔ جوانی کے ایام میں انہوں نے عربی میں الخصائص النبویّہ دوسو صفحات پر ایک کتاب تحریر کی ہے، اسی کتاب سے دو صفحات نمونۃً پیش کیے جاتے ہیں۔

(مُرتّب)

زانہ دے کوتے کال گوس
تم دِنگ ما خیال ہوئیں
زنتہ علرن انار وئیتھہ
وِگنہ وَنہ وئو گرھاں شریتھ
نقشِ حیات مستقل
محوِ نظارہ اہلِ دِل
جوش نغمک جھو دلنواز
ہوشدارن وناں جھو راز
حسنِ ازل جھو آشکار
نظرہ توئے جھہ بیقرار
فطرتک تازہ شاہکار
اہرہ بلک یہ آبشار

Title [redacted]

Author [redacted]

Accession No. [redacted]

Call No. 8 [redacted]

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

Title [redacted]

Author [redacted]

Accession No. [redacted]

Call No. [redacted]

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

Title [redacted]

Author [redacted]

Accession No. [redacted]

Call No. 8 [redacted]

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE

Borrower's No.	Issue Date	Borrower's No.	Issue Date

